اھل کفر کے ساتھ تعلقات؟

وفاداری یا بیزاری

اور اسلامی تعلیمات

تالیف : مقصود الحسن فیضی حفظہ اللہ

متعدد اھلِ علم واھل قلم کی تائید کے ساتھ

نورِ اسلام اکیڈمی

لاھور پاکستان

انٹرنیٹ ایڈیشن: مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان

مُقَدِّمَة

اِنَّ الـحَـمدَ لِلّٰہِ نحمَدُہ ونَستعینُہ و نسَتَغفِرُہ ونَتوبُ اِلیہ' ونعوذباللہ مِن شُرورِ أنفسِنا ومِن سیّاتِ أعمالِنا ' مَن یھدِہ اللہُ فلا مُضِلَّ لہُ ومَن یُضلِل فلا ھادِی لہ ، وأشھَدُأن لاالٰـہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہ لا شریکَ لہُ وأشھَدُأنَّ مُحَمَّداً عبدُہ ورَسُولہ......

﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾

﴿یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّـقُـوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَاءً ط وَاتَّـقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ ط اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْباً﴾

﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْداً ، یُصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ط وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا﴾

وبَعد:

کسی بندے کا ایمان اللہ تعالیٰ کے نزدیک اُس وقت تک مقبول نہیں ہے جب تک کہ دل، زبان اور اعضائے ظاہر یہ میں عمل کے لحاظ سے مطابقت نہ ہو۔اسی چیز کو اہل سنت وجماعت نے ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے:''دل سے پختہ یقین، زبان سے اقرار اور اعضائے ظاہر سے عملی اتباع اور تابعداری کا نام ایمان ہے''۔

ان تینوں میں دل کے عمل (پختہ یقین) کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے اور باقی دوسرے اعمال اس کے مقابلہ میں ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔(۱)

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اُوْلٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ......﴾

(المُجادلة :۲۲)

''یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو لکھ دیا ہے اور جن کی تائید اپنی روح سے کی ہے......''۔

اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ قرآن وحدیث میں جس قدر زور دِل کے عمل پر دیا گیا ہے اتنا زور کسی دوسرے عمل پر نہیں دیا گیا' کیونکہ اگر دل کا عمل درست اور صحیح رہا تو دوسرے عمل لازماً صحیح ہوں گے'بشرطیکہ دِل بغض وحسد اور ہوا اور ہوس کی بیماری سے پاک ہو۔اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

((ألا اِن في الجَسَد لَمُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّہُ وَاِذَ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہُ أَلا وَھِيَ الْقَلبُ))(۲)

ایک اور حدیث میں اسی چیز کو اس طرح واضح فرمایا:

((لَا یَسْتَقِیْمُ اِیْمَانُ عَبْدٍ حَتّٰی یَسْتَقِیْمَ قَلْبُہُ)) (۳)

بندے کا ایمان اُس وقت تک درست نہیں ہوگا جب تک اس کا دل درست نہ ہو جائے۔''

---

(۳) مسند احمد ۱۹۸/۳ ، وکتاب الصمت لابن ابی الدنیا: ۹' بروایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ دیکھئے صحیح الترغیب والترھیب :۲۵۵۴۔

(۱) اس موضوع کو تفصیل سے دیکھئے:نواقض الایمان الاعتقادیة مؤلفہ ڈاکٹر محمد بن عبداللہ الوھیبی ۱/۱۳۸ اور اس کے بعد

(۲) صحیح البخاری:۵۲ الایمان ، وصحیح مسلم :۱۵۹۹ المساقاة بروایت النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ

ان دونوں حدیثوں سے واضح ہوتا ہے کہ انسان کے دل اور دل کے عمل کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور زبان واعضائے ظاہریہ کے اعمال اس کے تابع ہیں اور اعمال کی صحت وقبولیت دل کے اعمال کی صحت وقبولیت پر منحصر ہے۔

علمائے اسلام دل کے اعمال کو اعتقاد، عقیدہ اور ایمان وغیرہ کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کی اہمیت کے پیش نظر ہمیشہ سے علمائے اسلام اس کی اصلاح، تقویت اور حفاظت پر توجہ دیتے رہے ہیں جو اس عقیدے کی کمزوری یا اس کے فساد کا سبب بنیں۔ قرونِ اُولیٰ میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں یہ نکتہ بہت ہی صاف اور ظاہر ہے۔

دین اسلام کے ثابت شدہ اور متفق علیہ عقائد میں ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ دینِ اسلام اس دنیا کا آخری دین ہے' اس کی آمد کے بعد کسی بھی فرد بشر کو اس سے روگردانی کرنے کی اجازت نہیں ہے' اس کے علاوہ جتنے دوسرے اَدیان ومذاہب اس دنیا میں پائے جاتے ہیں وہ سبھی باطل، منسوخ اور مسخ شدہ ہیں۔ اسلام کی آمد کے بعد ان میں سے کسی دین کی پیروی تو دور کی بات ہے ان کے بارے میں صحت کا تصور کرنا بھی انسان کے دین وایمان کے لئے خطرہ ہے۔ اور یہ کہ نبی ﷺ اس دنیا میں اللہ کے آخری رسول ہیں، آپ کی بعثت سے سلسلۂ نبوت ورسالت کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کالے گورے، عربی وعجمی اور قیامت تک پیدا ہونے والے تمام جن وانس کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے۔

آپ کی بعثت کے بعد کسی بھی شخص کو کسی بھی شکل میں آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین سے اعراض کی اجازت نہیں ہو سکتی۔ ذرا اس فرمان ربّانی پر غور کریں:

﴿ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا...... (الأعراف:١٥٨)

(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔''

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَاۤفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا...... ﴾ (سبأ:٢٧)

''اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔''

اسی بات کو آپ ﷺ نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے:

((وَالَّذِی نَفْسِی بِيَدِهِ لَايَسْمَعُ بِي اَحَدٌ مِنْ هٰذِهِ الاُمَّةِ يَهُودِيٌّ وَلَا نَصْرَانِيٌّ ثُمَّ يَمُوْتُ وَلَا يُؤْمِنُ بِي وَبِالَّذِي اُرْسِلْتُ بِهِ اِلَّا كَانَ مِنْ اَصْحَابِ النَّارِ)) (٢)

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' اِس اُمت کا کوئی بھی شخص خواہ یہودی ہو یا نصرانی' میرے بارے میں سنتا ہے پھر اس حال میں مرتا ہے کہ میرے اوپر اور میری لائی ہوئی تعلیم پر ایمان نہیں لاتا' تو وہ جہنمی ہے۔''

ان دلائل سے یہ بات واضح ہوتی ہے اور یہی ہر مومن کے عقیدے میں داخل ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت کے بعد دنیا کے سارے مذاہب (خواہ وہ اَدیان سماویہ ہوں یا دنیاوی فلسفے اور نظریات) سب کے سب باطل اور مردود ہیں۔ ان میں سے کسی اور دین کی پیروی کو نجات کا ذریعہ سمجھنا یا اس سلسلے میں شک وشبہ سے کام لینا کفر اور دین سے خروج کا سبب ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ڈنکے کی چوٹ پر اعلان کیا ہے اور اس اعلان کو قیامت تک کے لئے اپنی آخری کتاب میں محفوظ کر دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ **وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ** ﴾ (آل عمران: ٨٥)

''جو شخص اسلام کے سوا اور دین تلاش کرے اس کا دین قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہوگا۔''

انہی دلائل کی بنیاد پر علمائے امت کا ہمیشہ سے اتفاق ہے کہ دین اسلام ہی وہ دین ہے جس کی اتباع کے بغیر جن وانس کی نجات ناممکن ہے' لہٰذا اسلام کے علاوہ اور کوئی دین کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ نیز یہ کہ اسلام تمام سابقہ شریعتوں کا ناسخ ہے اور اسے کوئی بھی دین منسوخ نہیں کر سکتا' اور جو شخص اس عقیدے سے ہٹ کر

---

(٢) صحیح مسلم: ١٥٣ الایمان ۔ و مسند احمد ٣/٣٥' بروایت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ۔

عقیدہ رکھے وہ علماء نزدیک متفقہ طور پر کافر اور اسلام سے خارج ہے۔

بنابریں جو شخص ویدوں پران اور توراۃ وانجیل کی تعلیم پر عمل کرے یا ان کے علاوہ کسی دوسری ملت کی پیروی کرے اور قرآن کی اتباع نہ کرے یا دوسری شریعتوں پر عمل کرنے والوں کو نجات پانے والا تصور کرے یا ان کی ضلالت وگمراہی کے بارے میں شک وشبہ کا شکار ہو تو ایسا شخص گمراہ اور صراطِ مستقیم سے بھٹکا ہوا ہے۔ (۵)

اسی بنیاد پر ماضی قریب کے بہت سے علماء نے بھی جہاں اسلام کے منافی امور کا ذکر کیا ہے یا انہیں مستقل رسالہ کی شکل میں جمع کیا ہے تو انہی چیزوں میں زیر بحث مسئلہ کا ذکر کیا ہے۔

چنانچہ مجدد وقت شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ اپنے ایک مختصر اور مفید رسالہ ''نواقض الاسلام'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''جو مشرکوں کو کافر نہ سمجھے یا ان کے کفر میں شک کرے یا ان کے مذہب کو صحیح سمجھے تو ایسا شخص بھی کافر ہے۔''

لیکن چونکہ عصرِ حاضر میں مسلمان ایک طرف دینِ حنیف کی تعلیمات سے ناواقف ہیں' صحیح اسلامی تعلیم سے محروم ہیں' حتیٰ کہ علوم شرعیہ کے طالب علم بھی عقیدے سے متعلق باریک اور دقیق مسائل سے ناواقف ہیں' علمائے ربانی ایک ایک کر کے اس دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں' دوسری طرف کافروں کی مادی ترقی سر چڑھ کر بول رہی ہے، سیاسی واقتصادی قیادت انہی کے ہاتھ میں ہے' دنیاوی تعلیم نے مسلمانوں کو بھی سیکولر بنا دیا ہے' نتیجتاً کافروں کو کافر ماننے اور ان کے ساتھ صحیح تعلقات کا مسئلہ غبار میں گم ہوتا جا رہا ہے' بلکہ اپنے ایک تجربے اور تجزیئے کی بات کر رہا ہوں کہ دعوت تبلیغ کے میدان میں کام کرنے والے متعدد فارغ التحصیل حضرات کے سامنے جب ہم نے اس موضوع کو چھیڑا تو یہ حضرات اس کے بنیادی اصول سے بھی ناواقف تھے' حتیٰ کہ علمائے عقیدہ نے اس مسئلہ کو جو نام دیا ہے اس کے مدلول سے بھی ناواقف تھے یعنی ''ولاء وبراء'' یا ''موالات ومعادات''۔ (وفاداری وبیزاری)

اس موضوع کی اہمیت کا اندازہ اس وقت مزید ہو رہا ہے جبکہ ساری طاغوتی طاقتیں خصوصاً جنوبی ایشیاء میں جمع ہو کر مسلمانوں کا صفایا کرنے پر تلی ہوئی ہیں' خصوصاً ہندوستان میں قریب دنوں میں جو کچھ مسلمانوں پر گزری وہ بیان سے باہر ہے' جس کی وجہ سے بہت سے کمزور ایمان مسلمانوں کے نظریئے بدلنے شروع ہو گئے ہیں۔ (۶)

حتیٰ کہ بعض اہلِ علم نے بھی ان حالات سے متأثر ہو کر کچھ ایسی تحریریں لکھ ماری ہیں جن سے ان کے احساسِ کمتری کا شبہ ہوتا ہے' یا یہ کہا جائے کہ وہ حالات سے سمجھوتہ کرنے پر مجبور ہیں' حالانکہ اگر غور وتدبر سے کام لیا جائے اور اسلامی تعلیمات کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ عقیدہ اسلام کے ان بنیادی عقائد میں سے ہے جنہیں اسلام میں محکمات کا مقام حاصل ہے اور قیامت تک ان میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس عقیدے کی حفاظت اور لوگوں کے دلوں میں اسے خوب راسخ کرنے کے لئے متعدد اسلوب اختیار کئے ہیں' کاش کہ ہمارے نوجوان خصوصاً طلبہ کا طبقہ اس پر توجہ دے' اس پر غور کرے اور اسے عام مسلمانوں میں عام کرنے کی کوشش کرے۔ غیر مناسب نہ ہوگا اگر ان میں سے بعض اصولوں کی طرف مختصراً اشارہ کر دیا جائے۔

وہ بعض اصول یہ ہیں۔ (۷)

---

(۵) مراتب الاجماع لابن حزم ص ۱۶۷،۱۷۳۔ المحلی ۶/۱۴۴ رقم المسألة:۱۰۵۸۔فتح الباری ۸/۔موسوعة الاجماع ۱/۹۶۔

(۶) ابھی چند دنوں کی بات ہے کہ ایک ڈاکٹر صاحب نے ٹیلی فون پر مجھ سے رابطہ کیا۔ آواز سے پریشان محسوس ہو رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو اپنے بعض نظریات سے اب بدلنا چاہئیں۔ مثال میں انہوں نے جہاد کا نام لیا' کیونکہ اس وقت مسلمان کمزوری کی حالت میں ہیں' اگر وہ غیر مسلموں سے عداوت ونفرت اور معادات کا اظہار کریں تو غیر قومیں انہیں کچل کر رکھ دیں گی' جیسا کہ ابھی حال میں بعض مسلم جماعتوں اور تنظیموں کا حشر ہوا۔ یہ تھے ایک پڑھے لکھے ڈاکٹر صاحب (جو بقول ان کے بہت سے پڑھے لکھوں کی ترجمانی کر رہے تھے) شبہات اسلام اور اسلامی عقائد کے بارے میں! ان لوگوں کے دلوں میں معلوم نہیں اور کیسے کیسے شبہات پوشیدہ ہوں گے' لیکن سوال یہ ہے کہ نبی ﷺ کی دعوت کے مکی دور میں مسلمانوں کو جہاد کا حکم نہیں تھا اور نہ ہی ان کی دشمنی اعلانیہ تھی' حتیٰ کہ اُس وقت تک مسلم وکافر میں شادی جیسے اہم تعلقات کی بھی اجازت تھی' لیکن سوچنے کی بات ہے کہ کیا کافروں کی عداوت مسلمانوں کے بارے میں کم ہو گئی؟ یا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مسلسل بڑھتی چلی گئی' حتیٰ کہ مسلمانوں کو اپنا وطن' جائداد اور عزیز واقارب کو چھوڑ کر اپنا ایمان اور اپنی جان لے کر مدینہ منورہ ہجرت کرنی پڑی۔

(۷) التدابیر الواقیة من التشبة بالکفار تالیف ڈاکٹر عثمان دوکوری ۱/۴۳۶ اور اس کے بعد

قرآن مجید اس بات کا دعوے دار اور طلب گار ہے کہ غلبہ' سربلندی' عزت اور سرخروئی صرف اسلام اور مسلمانوں کو حاصل ہونی چاہئے۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ هُوَالَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَلَوْکَرِهَ الْمُشْرِکُوْنَ ۝﴾ (التوبة:۳۳' الصف:۹)

''وہ (اللہ) ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ اسے پوری جنسِ دین پر غالب کردے' خواہ مشرکین کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔''

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴾ (آل عمران:۱۳۹)

''نہ سستی کرو اور نہ ہی غمگین ہو' تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان دار ہو۔''

اور جو لوگ اپنی کمزور ایمانی اور کوتاہیٔ اعمال کی وجہ سے کافروں سے مرعوبیت کے شکار ہیں انہیں متنبہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ مَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ﴾ (فاطر:۱۰)

''جو شخص عزت حاصل کرنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہی کی ساری عزت ہے۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَلٰکِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴾ (المنافقون:۸)

''سنو! عزت تو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے اور اُس کے رسول کے لئے اور ایمان داروں کے لئے ہے' لیکن یہ منافق جانتے نہیں۔''

ان آیات پر ایمان کا تقاضا ہے کہ ایک بندۂ مومن خواہ کہیں بھی ہو' کسی بھی حالت میں ہو' کسی بھی ماحول میں رہ رہا ہو' احساسِ کمتری اور شکست خوردگی کا شکار نہ ہو۔

۲- قرآن مسلمانوں میں ایک شعور واحساس یہ پیدا کرنا چاہتا ہے کہ کافر و مشرک چونکہ اللہ تعالیٰ کا باغی اور نافرمان ہے لہٰذا نفرت و کراہیت کا مستحق ہے' بلکہ وہ تو ذلت کے اس مقام تک پہنچا ہوا ہے کہ ایک حیوان سے بھی بدتر ہے' کیونکہ حیوان تو اپنے محسن کا اطاعت گزار ہوتا ہے جبکہ کافر و مشرک اپنے مربّی و محسن کا باغی ہے ۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ ط اَفَاَنْتَ تَکُوْنُ عَلَیْهِ وَکِیْلًا ۝ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَکْثَرَهُمْ یَسْمَعُوْنَ اَوْ یَعْقِلُوْنَ ط اِنْ هُمْ اِلَّا کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا ۝﴾ (الأنفال:۳۲،۳۳)

''یقیناً اللہ کے نزدیک بدترین قسم کے جانور وہ بہرے گونگے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔اور اگر اللہ کو معلوم ہوتا کہ ان میں کچھ بھی بھلائی ہے تو ضرور انہیں (دل کے کانوں سے) سننے کی توفیق دیتا' لیکن بھلائی کے بغیر اگر وہ سنواتا تو بے وہ بے رخی کے ساتھ مُنہ پھیر جاتے''۔

مذکورہ بالا آیات پر جو مؤمن ایمان رکھتا ہوگا اور اسے منزل من اللہ تسلیم کرتا ہوگا تو وہ کافروں اور اللہ کے باغیوں کے بارے میں محبت و مودّت کا جذبہ کیسے رکھے گا!

۳- قرآن مجید مومنوں کے دل میں یہ احساس بھی زندہ کرتا ہے کہ دُنیا کا ہر کافر اللہ کا دشمن' اللہ کے رسول کا دشمن حتیٰ کہ اللہ کے ہر نیک بندے کا دشمن ہے۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ کَفَرُوْا بِمَا جَآءَکُمْ مِّنَ الْحَقِّ یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاکُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّکُمْ...... ﴾ (الممتحنة:۱)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ' تم ان کے ساتھ دوستی کی طرح ڈالتے ہو حالانکہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے اس کو ماننے سے یہ انکار کر چکے ہیں' اور ان کی روش یہ ہے کہ رسول کو اور خود تم کو صرف اس قصور میں جلاوطن کرتے ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان لائے ہو۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ج لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ج اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ط ﴾

''اورتم لوگ جتنا تمہارا بس چلے زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کیلئے مہیا رکھو تاکہ اس کے ذریعہ اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اوران دوسرے اعداء کو خوف زدہ کرو جنہیں تم نہیں جانتے' مگر اللہ جانتا ہے۔'' (الانفال:۶۰)

ذرا ایک آیت کے اس حصے پر بھی غور کریں:

﴿ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴾ (النساء:۱۰۱)

''یقیناً کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں۔''

پھر وہ مومن جس کے ایمان کا جزوِلازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ' اس کے رسول اور اہل ایمان سے محبت رکھے' اس کے لئے کس طرح یہ ممکن ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اولیاءاللہ کے دشمنوں کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھے اورانہیں کسی بھی معنی میں راہِ حق پر سمجھے۔

۴- جب تک اہل ایمان اپنے دین پر قائم ہیں اہل کفر انہیں کسی بھی صورت میں برداشت نہیں کرسکتے' اللہ تعالیٰ نے یہ خبر پیشگی دے دی تھی:

﴿ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِىْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴾ (البقرة:۱۲۰)

''آپ سے یہود ونصاریٰ ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک آپ ان کے مذہب کے تابع نہ بن جائیں۔آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے۔اوراگر آپ نے باوجود اپنے پاس علم آجانے کے پھر ان کی خواہشوں کی پیروی کی تو اللہ تعالیٰ کے پاس آپ کا نہ تو کوئی ولی ہوگا اور نہ مددگار۔''

ایک اور جگہ ارشاد ربانی ہے:

﴿ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ط ﴾

''یقیناً آپ ایمان والوں کا سب سے زیادہ دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پائیں گے۔''

اہلِ کفر کی باطل نیتوں کا انکشاف ایک جگہ ان الفاظ میں فرمایا:

﴿ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً...... ﴾ (النساء:۸۹)

''ان کی تو چاہت ہے کہ جس طرح وہ کافر ہیں تم بھی ان کی طرح کفر کرنے لگو اور پھر سب یکساں ہوجاؤ۔''

کافروں اور مشرکوں کے غلط ارادوں کا ذکر ایک جگہ یوں فرمایا:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ط وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ج قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِم ج وَمَا تُخْفِىْ صُدُوْرُهُم اَكْبَرُ ط قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾ (آل عمران:۱۱۸)

''اے ایمان والو! تم اپنا ولی ودوست ایمان والوں کے سوا کسی اور کو نہ بناؤ' تم تو نہیں دیکھتے دوسرے لوگ تمہاری تباہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔وہ تو چاہتے ہیں کہ تم دکھ میں پڑ جاؤ' ان کی دشمنی تو خود اُن کی زبان سے ظاہر ہوچکی ہے' اور جو کچھ ان کے سینوں میں پوشیدہ ہے وہ بہت زیادہ ہے۔ہم نے تمہارے لئے آیتیں بیان کردیں اگر تم واقعی سمجھ بوجھ رکھتے ہو۔''

عصرِ حاضر میں ملّتِ کفر کی اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ دشمنی اس قدر کھل کر سامنے آگئی ہے کہ اس کے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔مسلمانوں کے بارے میں جن اقوام کے اس طرح کے ارادے اور پروگرام ہوں ایک مسلمان ان کی طرف دلی طور پر کس طرح مائل ہوسکتا ہے اور کیسے انہیں اپنا دوست تصور کرسکتا ہے؟

۵- اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک شعور یہ بھی دیا ہے کہ کفار مادّی طور پر چاہے جس قدر بھی ترقی کرجائیں مسلمان ان کی مادّی ترقی سے مرعوب نہ ہوں' کیونکہ ان کی تمام ظاہری ترقیوں کا فائدہ دُنیوی ہے۔

ارشادباری تعالیٰ ہے:

﴿ وَعْدَاللّٰهِ ؕ لَايُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَايَعْلَمُوْنَ ، يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۖ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ﴾

(الروم:٧،٦)

''اللہ کا وعدہ ہے (کہ اپنے بندوں کو غالب کرے گا)۔اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا' لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔وہ تو صرف دنیوی زندگی کے مظاہر کو ہی جانتے ہیں اور آخرت سے بالکل بے خبر ہیں۔''

ذرا درجِ ذیل الٰہی فیصلے کو بھی پڑھئے:

﴿ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ط اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴾

(التوبة:٥٥)

''آپ کو ان کے مال واولاد تعجب میں نہ ڈالیں' اللہ کی چاہت یہی ہے کہ اس سے انہیں دنیا کی زندگی میں ہی سزا دے اور ان کے کفر ہی کی حالت میں ان کی جانیں نکلیں۔''

جو مؤمن ان آیات پر ایمان رکھے وہ کافروں کی مادّی ترقیوں سے کیسے متأثر ہوسکتا ہے؟ سچ ہے۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے اُفکار کی دُنیا میں سفر کرنہ سکا
جس نے سورج کی شعاؤں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر نہ کرسکا

چشمِ عبرت رکھنے والا مومن اس دورِ ترقی میں یہ دیکھتا ہے کہ انسان مادّی طور پر جس قدر ترقی کر رہا ہے اُخلاقی طور پر اُسی قدر پستی کی طرف گامزن ہے اور جدید ایجادات انسان کے اخلاق،صحت اور دین وایمان پر ایک ایسی یلغار ہیں کہ اس کا اندازہ ایک مسلمان ہی کرسکتا ہے' کیونکہ یہ ساری ترقی کسی ٹھوس بنیاد پر قائم نہیں ہے۔سچ کہا علامہ اقبال نے:

تمہاری تہذیب اپنے ہاتھوں سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا!

یہ چند اصولی باتیں تھیں جن کو دلائل کی روشنی میں آپ کے سامنے رکھا گیا' جن پر غور کرنے کے بعد ایک مسلمان اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ کفر وشرک جہاں کہیں بھی ہو اور جس شکل میں بھی ہو ہر حال میں قابل ردّ اور لائق نفرت ہے۔کیونکہ کفر وشرک کو ماننے والے اللہ کے باغی اور دشمن ہیں اور اہل ایمان اللہ کے دوست' لہٰذا اللہ پر ایمان کا تقاضا ہے کہ اللہ کے باغیوں اور دشمنوں کو ہر حال میں اور ہر صورت میں اپنا دشمن سمجھا جائے اور دیکھا جائے کہ ہمارا محبوب ومعبود کافروں کے بارے میں ہمیں کس قسم کے تعلقات کی اجازت دیتا ہے اور کس قسم کے تعلقات سے منع فرماتا ہے۔

اس کتاب میں ہم نے اسی نکتے کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے اور کوشش یہ رہی ہے کہ ہر بات قرآن وحدیث کے نصوص اور علماءِ امت کے اقوال کی روشنی میں دیکھی جائے۔

اس راہ میں مشکلات:

میرے دل میں یہ موضوع کافی دنوں سے کھٹکتا رہا اور خواہش تھی کہ کاش کوئی صاحبِ علم اس موضوع کو تفصیل سے اُمت کے سمجھ دار طبقے کے سامنے رکھتا کیونکہ میں اپنے اندر اس اہم موضوع پر تفصیل سے لکھنے کی صلاحیت نہ پا رہا تھا۔لیکن محترم دوست شیخ ابوعبدالرحمٰن شبیر بن نور کے اصرار پر جب اس بارے میں کچھ لکھنے کی ہمت کی تو مطالعہ کے لئے کتاب وسنت کے بعد موضوع سے متعلق مستند کتابوں کا مسئلہ سب سے اہم تھا۔عربی زبان میں تو الحمدللہ اس موضوع پر قدیم وجدید ہر قسم کی کتابیں

موجود ہیں اور ائمہ دعوت نے اس موضوع پر کافی کام کیا ہے اور فی الواقع وہ اس کے حق دار بھی ہیں' البتہ میں چاہتا تھا کہ اپنے ہم زبان علماء کی کوئی تالیف یا مقالہ اس سلسلے میں مل جائے تو بہتر ہوگا' لیکن جب تلاش بسیار اور بعض اہل علم سے استفسار کے باوجود اس موضوع سے متعلق کوئی کتاب نہ مل سکی تو قدیم مراجع اور علماء دعوت کی کتابوں پر اعتماد کر کے اس موضوع پر کچھ لکھنا شروع کیا اور تفصیلی مطالعے کے نتیجے میں مضمون کافی طول پکڑ گیا، البتہ کوشش یہ رہی کہ کوئی غیر ضروری بات مضمون میں داخل نہ ہونے پائے۔

اس کتاب کی تیاری کے بعد اس موضوع پر اردو میں تالیف شدہ ایک کتاب نظر سے گزری۔ اس کے مطالعہ کے بعد حیرت کی انتہاء نہ رہی کہ بعض تجربہ کار مؤلفین اور وسیع مطالعہ رکھنے والے حضرات پر کافروں کی مادّی ترقی' ان کے پڑوس میں رہنے اور ان سے اجتماعی و اقتصادی تعلقات نے ایسا اثر ڈالا ہے جس سے ان کی مجبوری اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ انہوں نے متعدد آیات و احادیث کو جو کافروں کی دوستی و دشمنی کے بارے میں حدِ فاصل تھیں ایک وقتی حکم قرار دے دیا ہے۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ماضی قریب میں اسلام دشمنوں نے علماء کو کچھ ایسے مسائل میں الجھا کر رکھ دیا جس سے وہ اس مسئلہ کی طرف توجہ نہ دے سکے یا پھر وقتی طور پر اس کی اہمیت کو محسوس نہ کیا' جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ چھوٹے علماء اور طالبانِ علومِ شرعیہ بھی اس سے غافل رہے' حالانکہ تقریر و تحریر دونوں اعتبار سے یہی لوگ معاشرہ پر چھائے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ یہ مسئلہ مسلمان عوام کی نظروں سے اوجھل ہو گیا اور اپنی اہمیت کھو بیٹھا' خصوصاً مسلمانوں کے اس طبقے میں جو تہذیب یافتہ اور عصر علوم سے وابستہ سمجھا جاتا ہے۔

پھر بات یہاں تک پہنچی کہ بعض فاضل مصنفین نے (ابھی ابھی جن کی طرف اشارہ ہوا) غیر مسلموں کے اجتماعی و معاشرتی تعلقات کو صرف فقہ کا ایک فروعی مسئلہ قرار دیا ہے اور اسی اعتبار سے اس پر بحث کی ہے' حالانکہ غیر مسلموں سے تعلقات قلبی و جسمانی دونوں اعتبار سے ایک اصولی مسئلہ ہے' جس کا اندازہ قارئین کو آئندہ سطور سے ہوگا۔

ناچیز نے اس مسئلے پر اسی ناحیے سے بحث کی ہے' اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ کتاب و سنت کے ساتھ ساتھ آپ کو عقائد پر لکھی ہوئی کتابوں کے حوالے زیادہ دکھائی دیں گے۔

اس کتاب کی تالیف کے بعد' جو آج سے تقریباً تین سال پہلے مکمل ہو چکی تھی' سب سے اہم مسئلہ طباعت کا تھا۔ محترم دوست شیخ ابوعبدالرحمٰن نورانی اور مکتب الدعوۃ الغاط کے مدیر شیخ عبدالرحمٰن حفظہما اللہ اس کے لئے اوّلین فرصت میں تیار تھے۔

محترم دوست ابوعبدالرحمٰن نے اس کتاب کے پورے مباحث کا بہت ہی دلجمعی سے مطالعہ کیا' متعدد جگہ لغوی اور فنی اصطلاح فرمائی اور مفید علمی مشوروں سے نوازا اور بغیر کسی تاخیر کے فوری طور پر اسے طباعت کے لئے بھیجنا چاہا۔ جزاہ اللہ خیراً۔ لیکن میری خواہش تھی کہ طباعت سے پہلے اسے اگر کسی صاحبِ علم پر پیش کر دیا جائے تو مزید اطمینان کا باعث ہوگا۔ چنانچہ اس کے لئے میری نظر فضیلۃ الدکتور شیخ وصی اللہ حفظہ اللہ پر پڑی' اور جب میں نے موصوف کے سامنے اپنی درخواست پیش کی تو مشغولیت کے باوجود انہوں نے اسے بڑی فراخدلی سے قبول کر لیا اور بڑے اطمینان سے اس کتاب کے تمام موضوعات پر علمی اور تنقیدی نظر ڈالی اور جہاں مناسب سمجھا ترمیم کا مشورہ دیا اور میری توقع سے زیادہ اس بحث کو سراہا۔

مزید برآں بعض احباب کے مشورے کے بعد اس بحث کو مشہور محقق شیخ ابوالأ شبال صغیر احمد شاغف حفظہ اللہ پر بھی پیش کیا گیا۔ موصوف نے بھی اس بحث کو لفظاً لفظاً پڑھا اور کئی جگہ ترمیم کا مشورہ دیا اور فرمایا کہ یہ بحث اس وقت بڑی اہم اور ضروری ہے۔ نیز فرمایا کہ میری نظر سے اس موضوع پر اتنی مفید معلومات یک جا نہیں گزریں' اور یہ بھی فرمایا کہ اس بحث کو آج سے چند مہینے پہلے کتابی شکل میں آ جانا چاہئے تھا۔ اپنے دونوں بزرگوں کا دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر اس کتاب کو پڑھا۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس عمل کو ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین

اگرچہ ان دونوں محققین نے کتاب پر ایک گہری تنقیدی نظر ڈال لی' لازمی بات ہے کہ مجھے قدرے اطمینان نصیب ہو گیا' پھر بھی ناظرین سے گزارش ہے کہ اس بحث میں جہاں کہیں کوئی غلطی نظر آئے یا بات سمجھ میں نہ آئے تو اس سے مطلع کر دیں' تاکہ اگلے ایڈیشن میں اس کی اصلاح کر دی جائے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اگر ہماری یہ کوشش کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی صحیح تعبیر ہے تو اسے قبول فرمائے اور اپنے بندوں کے دلوں میں اس کی قبولیت

ڈال دے، اور اگر ہم سے لغزش ہوگئی ہے تو ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرمائے اور اپنے بندوں کو اس کے شر سے محفوظ فرمائے۔ آمین!

خیر اندیش

ابو کلیم مقصود الحسن فیضی

جمعیۃ الغاط الخیریہ۔ سعودی عرب ۱۰ ذوالقعدۃ ۱۴۲۳ھ۔

حرفِ آغاز

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

۱۔ جو شخص کافر کو کافر نہ سمجھے، یا ان کے کفر میں شک کرے یا اُن کے مذہب کو صحیح سمجھے وہ شخص کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

۲۔ جو مشرکین کی مدد کرے اور مسلمانوں کے خلاف اُن سے تعاون کرے وہ شخص بھی کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے ان دونوں باتوں کو الگ الگ بیان کیا ہے۔ چونکہ ان دونوں کا باہمی ربط اور آپس کا تعلق بہت گہرا ہے اس لئے انہیں ایک ساتھ بیان کیا جارہا ہے۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص کافروں کو حتمی طور پر کافر نہ سمجھے، بلکہ ان کی حالت سے مطمئن ہو، یا ان کے کسی بھی کفر والے عمل سے راضی ہو اور کفر وشرک کے پھیلانے میں ان کی مدد کرے، مسلمانوں اور اسلام کے خاتمے یا نقصان پہنچانے کے لئے کوشاں رہے تو ایسا شخص اسلام کے منافی کام کا مرتکب شمار ہوگا اور کافر سمجھا جائے گا۔

عصرِ حاضر میں مسلمانوں کی سیاسی کمزوری اور دنیاوی علوم کی پس ماندگی کی وجہ سے یہ برائی بہت عام ہو رہی ہے اور دانستہ یا نادانستہ بہت سے لوگ اس میں ملوث ہیں ، خصوصاً وہ طبقہ جس کے پاس شرعی علم تو برائے نام ہوتا ہے البتہ یہ لوگ جدید علوم مثلاً سائنس وغیرہ کے ماہر ہوتے ہیں۔

کافر اور مشرک سے کیا مراد ہے؟

یہاں اس چیز کی وضاحت ضروری ہے کہ مذکورہ مسئلہ میں مشرک اور کافر سے ہماری مراد کیا ہے؟ کیونکہ کسی چیز پر صحیح حکم اس وقت تک نہیں لگ سکتا جب تک کہ اس کی صحیح پہچان نہ ہوجائے۔

نصوصِ قرآن وسنت پر نظر رکھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ کافر تین قسم کے ہیں:

۱۔ وہ لوگ جو اصلاً ونسلاً کافر ومشرک ہیں، جیسے یہود، نصاریٰ، مجوس، ہندو، کمیونسٹ اور اس قسم کے دوسرے لوگ جنہوں نے یا تو سرے سے دینِ اسلام قبول ہی نہیں کیا یا قبول کرنے کے بعد اس سے مرتد ہوگئے ہیں، یا پھر ان کے یہاں مذہب کا کوئی تصور ہے ہی نہیں۔

۲۔ وہ لوگ جو مسلمان ہونے کے دعوے دار تو ہیں لیکن کسی ایسے کام کا ارتکاب کرتے ہیں جس کا کفر وشرک ہونا علماءِ اُمت کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ جیسے غیر اللہ کو سجدہ کرنا، دین کی بنیادی باتوں کا انکار کرنا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ یا احکامِ اسلام کا مذاق اڑانا، بشرطیکہ وہ خود باخبر ہوں یا ان پر حجت قائم ہوچکی ہو۔

۳۔ وہ لوگ جو کسی ایسے کام کا ارتکاب کریں جس کا کفر یا شرک ہونا علمائے اہلِ سنّت وجماعت میں مختلف فیہ ہو، جیسے نماز کا چھوڑنا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو بُرا بھلا کہنا وغیرہ۔

زیرِ بحث مسئلہ میں ہماری مراد پہلی دو قسموں سے ہے، یعنی جن کے کفر وشرک میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں، البتہ جن کاموں کا کفر وشرک ہونا علماء کے نزدیک مختلف فیہ ہے وہ لوگ ہمارے زیرِ نظر موضوع بحث سے خارج ہیں۔

وباللّٰہ التوفیق!

دینِ اسلام کا مقام و مرتبہ

دینِ اسلام ہی وہ نظام زندگی ہے جس کے علاوہ کوئی بھی دوسرا نظام زندگی اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ﴾ (آل عمران:١٩)

''بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک (مقبول) دین اسلام ہی ہے۔''

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان ہے کہ اس کے ہاں دینِ اسلام کے علاوہ دوسرا دین قبول نہیں کیا جائے گا۔ یہ دینِ اسلام وہی دین ہے جس کی تبلیغ کے لئے ہر زمانے میں انبیاء علیہم السلام تشریف لاتے رہے ہیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرما کر اِس سلسلۂ رشد و ہدایت کو مکمل کر دیا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے سارے سابقہ راستے بند ہیں۔ صرف اور صرف ایک طریقہ باقی ہے اور وہ ہے محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے طریقے کی پیروی۔ لہٰذا اگر کوئی شخص کسی دوسری شریعت کی پیروی کر کے اللہ کے حضور حاضر ہو تو اللہ تعالیٰ اسے ہرگز قبول نہ کرے گا۔ (۱)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ (آل عمران:٨٥)

''جو شخص اسلام کے سوا اور دین تلاش کرے اس کا دین قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہوگا۔''

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام کے علاوہ دنیا کے سارے دین منسوخ ہو چکے ہیں۔ اب دینِ اسلام قبول کئے بغیر کسی بھی فرد بشر کی نجات ممکن نہیں ہے اور اس دین اسلام کو حشر کے میدان میں لوگوں کے اعمال کی قبولیت کا معیار بنایا جائے گا۔ اگر اعمالِ صالحہ کے ساتھ اسلام ہے تو مقبول ورنہ سارے اعمال مردود (نا قابل قبول) قرار پائیں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((وَالَّذِىْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَا يَسْمَعُ بِىْ اَحَدٌ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ يَهُوْدِىٌ وَلَا نَصْرَانِىٌّ ثُمَّ يَمُوْتُ وَلَايُؤْمِنُ بِىْ وَبِالَّذِىْ اُرْسِلْتُ بِهٖ اِلَّا كَانَ مِنْ اَصْحَابِ النَّارِ)) (۲)

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! اس اُمت کا کوئی بھی فرد خواہ یہودی ہو یا نصرانی، جو میرے بارے میں سن لے، پھر جب تک مجھ پر اور میری لائی ہوئی شریعت پر ایمان نہ لائے وہ جہنمی ہے۔''

ایک دوسری حدیث ہے جو اصل موضوع کو مزید واضح کرتی ہے:

((تَجِئُ الْاَعْمَالُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَتَجِئُ الصَّلَاةُ فَتَقُوْلُ: يَارَبِّ اَنَا الصَّلَاةُ، فَيَقُوْلُ: اِنَّكَ عَلٰى خَيْرٍ، فَتَجِئُ الصَّدَقَةُ فَتَقُوْلُ: يَارَبِّ اَنَا صَدَقَةُ، فَيَقُوْلُ: اِنَّكَ عَلٰى خَيْرٍ، ثُمَّ تَجِئُ الصِّيَامُ فَيَقُوْلُ: يَارَبِّ اَنَا الصِّيَامُ، فَيَقُوْلُ: اِنَّكَ عَلٰى خَيْرٍ، ثُمَّ تَجِئُ الْاَعْمَالُ عَلٰى ذٰلِكَ، فَيَقُوْلُ اللّٰهُ الْيَوْمَ آخُذُ وَبِكَ اُعْطِىْ، فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَزَّوَجَلَّ فِىْ كِتَابِهٖ ﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾)) (۳)

''اعمال خیر قیامت کے دن اللہ کے حضور پیش ہوں گے۔ نماز آئے گی اور کہے گی: اے میرے ربّ! میں نماز ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو اچھی چیز ہے۔ پھر زکوٰۃ و صدقہ آئے گا اور کہے گا: اے میرے ربّ! میں صدقہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو اچھی چیز ہے۔ پھر روزہ آئے گا اور اللہ کے سامنے کھڑا ہو کر عرض پرداز ہوگا: اے میرے ربّ! میں روزہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو اچھی چیز ہے۔ پھر اسی طرح سارے اعمال خیر آئیں گے اور اللہ تعالیٰ ہر ایک سے یہی فرمائے گا ''اِنَّكَ عَلٰى خَيْرٍ'' (تو اچھی چیز ہے) پھر اسلام آئے گا اور کہے گا: اے ربّ! تو سلام ہے اور میں اسلام ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا

---

(۱): تفسیر ابن کثیر ١/٢٧٢۔ الصحیحة للالبانی ١/٢٩٢، ج ١٥٧۔ (۲) صحیح مسلم: ١٥٣ کتاب الایمان باب وجوب الایمان برسالة نبیّنا محمد صلی اللّٰه علیه وسلم ......الخ۔ ومسند احمد ٢/٣٥٠۔ والایمان لابن منده: ١/٤٠١، ٥٠٨۔ (۳) مسند الامام احمد ٢/٣٦٢۔ ومسند ابو یعلی: ٦٢٣١، ١١/١٠٤۔ والطبرانی الاوسط: ٨٦٠٧، ٨/٢٩٦۔

:تو اچھی چیز ہے' آج تجھی کو بنیاد بنا کر کسی کو دوں گا۔ کیونکہ اپنی کتاب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ ''اور جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرتا ہے تو اس سے وہ قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت کے دن نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔''

مذکورہ بالا آیات واحادیث سے واضح ہوتا ہے کہ جو شخص دین اسلام کا پابند نہ ہو وہ کافر ہے۔ ایسے آدمی کے کفر میں شک کرنا یا اسے ناجی (نجات پانے والا) قرار دینا اس کے مذہب کی سچائی کا اقرار کرنے کے برابر ہے' لہٰذا دین اسلام سے ارتداد کا موجب ہے۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی آمد کے ساتھ ہی سارے مذاہب کو منسوخ کر دیا ہے۔ اب کسی بھی مذہب کی پیروی جائز نہیں' بلکہ صاف لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ دین اسلام کے علاوہ دنیا کے سارے اَدیان ومذاہب گمراہی وضلالت اور جہنم کے راستے ہیں۔

یہ ایک ایسی چیز ہے جسے قرآن واحادیث میں بڑی وضاحت اور پوری صراحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے جس میں نہ تو کسی شک وشبہ کی گنجائش ہے اور نہ ہی اس بارے میں کوئی عذر عنداللہ مقبول ہوگا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَاۤ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۚ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۚ لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴾ (البقرۃ:۲۵۶)

''دین کے قبول کرنے میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ حق اور ہدایت کو ناحق اور ضلالت سے واضح کر دیا گیا ہے۔ پس جو کوئی طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے تو اس نے مضبوط سہارا پکڑ لیا' جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے۔ اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

غور کریں تو واضح ہوگا کہ اس آیت میں تین بنیادی باتیں بیان ہوئی ہیں:

۱۔ ہر شخص کو اختیار ہے کہ وہ اسلام قبول کرے یا کفر پر باقی رہے۔ کسی بھی شخص کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے حق وباطل سے اور رُشد وہدایت کو گمراہی وضلالت سے کھول کر بیان کر دیا ہے کہ جنت کا راستہ کیا ہے اور جہنم کا راستہ کدھر ہے!

۳۔ صرف رشد وہدایت کو قبول کر لینا ہی کافی نہیں ہے' بلکہ ضلالت وگمراہی کا انکار' نیز کفر اور کافر سے لاتعلقی بھی ضروری ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ﴾ (المائدۃ:۴۸)

''اور ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ یہ کتاب نازل فرمائی ہے جو اپنے سے اگلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان کی محافظ ہے۔ اس لئے آپ ان کے آپس کے معاملات میں اسی اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کے ساتھ فیصلہ کریں اور اس حق سے ہٹ کر اُن کی خواہشوں کے پیچھے نہ جائیں۔''

اس سے ماقبل آیات میں تورات وانجیل کا ذکر ہے اور یہود ونصاریٰ کو تاکید کی گئی ہے کہ انہیں اپنے فیصلے انہی کتابوں کی روشنی میں کرنے چاہئیں تھے' کیونکہ حکم الٰہی کو چھوڑ کر دوسرے قوانین کو اپنانا کفر اور ظلم وفسق ہے۔

اس آیت میں تین بڑی اہم باتیں بیان کی گئی ہیں:

۱۔ یہ کتابِ مجید اُن کتابوں سے الگ کوئی چیز نہیں ہے' بلکہ اسی سلسلے کی آخری کڑی ہے' جو مذکورہ کتابوں کی تردید نہیں بلکہ ان کی تصدیق کرتی ہے۔

۲۔ یہ مقدس کتاب نہ صرف اپنے سے پہلے نازل شدہ کتابوں کی تصدیق کر رہی ہے' بلکہ ان کی محافظ اور نگہبان کی حیثیت بھی رکھتی ہے۔ وہ اس طرح کہ یہود ونصاریٰ نے ان کتابوں میں تحریفات وباطل تاویلات کا جو کھیل کھیلا ہے اور اس کی تفسیر وتاویل میں جس من مانی سے کام لیا ہے یہ کتاب ان کے ان کھیلوں کا

علامہ احمد شاکرؒ نے مسند احمد کی شرح میں اس حدیث کو صحیح اور مجمع البحرین کے محقق نے حسن قرار دیا ہے۔ دیکھئے شرح مسند احمد ۳۰۲/۱۶ و مجمع البحرین ۸......۹۹۔ بہر حال حدیث قابل اعتماد اور حجت ہے۔

پول بھی کھول دے رہی ہے۔اس لئے پچھلی کتابوں کی حقیقت پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ جو کچھ اس کتاب کے موافق ہے وہ قابل قبول ہے اور جو اس کے خلاف ہے وہ نا قابل قبول۔

امام ابوجعفر الطبری رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

القرآن امینٌ علی الکتبا المتقدمة قبله، فما وافقه منها فهو حقٌ وما خالفه منها فهو باطلٌ (۴)

''قرآنِ مجید اپنے سے پہلی کتابوں پر نگہبان ہے، ان کتابوں کا جو حصہ اس کتاب کے موافق ہے وہ حق اور جو اس کے خلاف ہے وہ باطل ہے۔''

۳۔ اللہ کے رسول ﷺ کو خطاب کر کے کہا گیا کہ اس کتاب کے آجانے کے بعد اب جو فیصلہ ہوگا وہ اسی کتاب کی ہدایات کے مطابق ہوگا، خواہ لوگ اس پر ایمان لائیں یا نہ لائیں۔ ہر ایک کو اسی کتاب کا فیصلہ ماننا ہوگا۔

اسی لئے تو اس کتابِ مقدس میں ہر اُس جماعت، قوم اور فرد کو کافر کہا گیا ہے جو اس پر ایمان نہ لائے اور اللہ کے رسول ﷺ کی پیروی نہ کرے۔ چنانچہ یہود سے متعلق ارشاد ہے:

﴿ **هُوَالَّذِیۡ اَخۡرَجَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَهۡلِ الۡکِتٰبِ مِنۡ دِیَارِهِمۡ لِاَوَّلِ الۡحَشۡرِ** ط﴾ (الحشر:۲)

''وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے کافروں کو اُن کے گھروں سے پہلے حشر کے وقت نکالا۔''

یہ آیت خصوصی طور پر یہود کے قبیلۂ بنونضیر کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو توریت کو پڑھتے پڑھاتے اور اس وقت تک یہودیت پر قائم تھے۔ چونکہ قرآن اور رسول ﷺ کو پہچاننے کے بعد بھی ایمان نہیں لائے تھے اس لئے صراحتاً انہیں کافر کہا گیا ہے۔

اسی طرح نصاریٰ سے متعلق ارشاد ہے:

﴿ **لَقَدۡ کَفَرَالَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَالۡمَسِیۡحُ ابۡنُ مَرۡیَمَ** ط ﴾ (المائدہ:۱۷و۷۲)

''جن لوگوں نے یہ کہا کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے انہوں نے کفر کیا۔''

مزید ارشاد ہے:

﴿ **لَقَدۡ کَفَرَالَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ** ﴾ (المائدة:۷۳)

''جن لوگوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے بلاشبہ انہوں نے کفر کیا۔''

ان دونوں آیتوں میں عیسائیوں کے دونوں فرقوں کو صراحتاً کافر کہا گیا ہے، جو اقانیمِ ثلاثہ کے قائل تھے انہیں بھی اور جو عیسیٰ علیہ السلام کے عین اللہ (اللہ کی ذات) ہونے کے قائل تھے انہیں بھی۔

اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ دین اسلام کو اگر بیت اللہ شریف کے متولی اور مجاور بھی نہ مانیں تو انہیں بھی کافر قرار دے دیا گیا ہے۔اسی لئے مشرکین مکہ کو خطاب کر کے فرمایا گیا:

﴿ **قُلۡ یٰۤاَیُّهَاالۡکٰفِرُوۡنَ ، لَاۤاَعۡبُدُمَاتَعۡبُدُوۡنَ** ط **وَلَاۤاَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤاَعۡبُدُ** ط **وَلَاۤ اَنَاعَابِدٌمَّاعَبَدۡتُّمۡ ، وَلَاۤاَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤاَعۡبُدُ ، لَکُمۡ دِیۡنُکُمۡ وَلِیَ دِیۡنِ** ﴾ (الکافرون)

''کہہ دو کہ اے کافرو! میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔اور نہ میں ان کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی عبادت تم نے کی ہے۔اور نہ تم اُس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں۔تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین۔''

اس قسم کی آیات سے قرآنِ مجید بھرا پڑا ہے، جسے معمولی پڑھا لکھا انسان بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

احادیث نبویہ میں بھی یہ حکم بڑے واضح الفاظ میں بیان ہوا ہے۔ذرا غور فرمائیں۔

حضرت ابو مالک اشجعیؒ اپنے والد رضی اللہ عنہ کے واسطے سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ قَالَ لَااِلٰـهَ اِلَّااللّٰهُ وَكَفَرَ بِمَايُعْبَدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَرُمَ مَالُهُ وَدَمُهُ وَحِسَابُهُ عَلَى اللّٰهِ)) (۵)

''جس شخص نے لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کیا اور اللہ کے علاوہ سارے معبودوں کا انکار کیا تو اس کے جان و مال حرام (محترم و قابل حفاظت) ہو گئے اور اس کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔''

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد ان الفاظ میں ہے:

((اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَا اِلٰـهَ اَلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَيُقِيمُوْا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّیْ دِمَاءَ هُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ)) (۶)

''مجھے لوگوں سے اُس وقت تک قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک کہ لَااِلٰـهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه کی گواہی نہ دیں، نماز قائم نہ کریں اور زکوٰۃ نہ دیں۔ پھر جب وہ یہ کام کرنے لگ جائیں تو انہوں نے اپنے خون اور مال کو مجھ سے محفوظ کر لیا، اِلَّا یہ کہ کوئی حقِ اسلام ہو۔ (اسلامی قانون کی خلاف ورزی پر اُن کے جان و مال غیر محفوظ ہو جائیں گے) اور اُن کا حساب اللہ کے ہاں ہے۔''

یہ دونوں حدیثیں اس بات پر صراحتاً دلالت کرتی ہیں کہ دنیا و آخرت میں صرف وہی دین قابل قبول ہے جو اِس قرآن اور سنتِ نبوی ﷺ کے مطابق ہوگا۔

چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ صحیح مسلم میں باب باندھتے ہیں:

الامر بقتال الناس حتی یقولوا لااله الاالله محمدٌ رسول الله ویقیموا الصلاة ویؤتوا الزکاة ویؤمنوا بجمیع ماجاء صلی الله علیه وسلم (۷)

''لوگوں سے قتال کا حکم ہے یہاں تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کر لیں، نماز قائم کریں، زکاۃ دیں اور جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں اس پر ایمان لائیں۔''

اس حقیقت کو حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی درج ذیل حدیث مزید واضح کر رہی ہے:

''اللہ کے رسول ﷺ ایک بار سو رہے تھے کہ چند فرشتے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ تمہارے اس ساتھی کی ایک مثال ہے جسے بیان کرو۔ دوسرے فرشتے نے کہا وہ سو رہے ہیں۔ ایک فرشتے نے کہا کہ آنکھیں تو ضرور سو رہی ہیں لیکن دل جاگ رہا ہے۔ فرشتے نے کہا کہ ان کی مثال اس انسان جیسی ہے جس نے ایک گھر تعمیر کیا اور اس میں کھانے کا انتظام کیا اور ایک دعوت دینے والے کو بھیجا کہ لوگوں کو بلا لائے۔ تو جس نے داعی (پکارنے والے) کی آواز پر لبیک کہا وہ گھر میں داخل ہوا اور ضیافت کے لئے تیار شدہ کھانا بھی کھایا اور جس نے داعی کی بات نہ مانی وہ نہ گھر میں داخل ہوا اور نہ ہی ضیافت کا کھانا کھایا۔

اس کے بعد کسی اور فرشتے نے کہا کہ اس کی تعبیر بھی بیان کر دو، تو فرشتے نے کہا کہ وہ سو رہے ہیں۔ ایک فرشتے نے جواب دیا کہ ان کی آنکھیں سو رہی ہیں لیکن دل جاگ رہا ہے۔ فرشتے نے کہا کہ گھر سے مراد جنت ہے اور بلانے والے محمد ﷺ ہیں، تو جس نے محمد ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ ((وَمُحَمَّدٌ فَرْقٌ بَيْنَ النَّاسِ)) ''محمد ﷺ لوگوں کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔'' (۸)

---

(۵) صحیح مسلم: ۲۳، الایمان، باب ۸۔ و مسند الامام احمد ۳/۴۷۲۔ (۶) صحیح البخاری: ۲۵، الایمان، باب فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوْ الصَّلٰوةَ۔ و صحیح مسلم: ۲۲، الایمان، باب ۸۔ (۷) شرح صحیح مسلم مع شرح الأبی ۱/۱۷۰۔ (۸) صحیح البخاری: ۷۲۸۱، الاعتصام، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ۔

اس حدیث کا آخری جملہ ''وَمُحَمَّدٌ فَرْقٌ بَیْنَ النَّاسِ''خصوصی طور پر قابل غور ہے کہ محمد ﷺ لوگوں کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔اب مسلم وکافر کے درمیان بدعتی وسنی کے درمیان، جنتی وجہنمی کے درمیان اور ہدایت یافتہ اور گمراہ کے درمیان آپ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے ذریعے فرق واضح ہوگا۔

کافر کے کفر پر شک کرنا

سلف صالحین کے زمانے سے اُمت کا اجماع چلا آرہا ہے کہ اگر کوئی شخص آپ ﷺ کی بعثت کے بعد آپ ﷺ پر ایمان نہیں لاتا یا کافر ومشرک کے بارے میں شک کرتا ہے تو وہ خود کافر اور اسلام سے خارج ہے، کیونکہ اس نے دین میں واضح طور پر معلوم اور متفق علیہ حکم کے بارے میں توقف یا شبہ سے کام لیا۔

چنانچہ قاضی عیاضؒ اپنی کتاب ''الشِّفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ''میں تحریر فرماتے ہیں:

ولهٰذا نكفر من يكفر من دان بغير ملّة المُسلمين من الملل او وقف فيهم او شكّ او صحّح مذهبهم وان اظهر مع ذلك الاسلام واعتقده واعتقد ابطال كل مذهب سواه فهو كافرٌ باظهار ما اظهر من خلاف ذلك (۹)

''اس لئے ہم ہر اُس شخص کو کافر قرار دیتے ہیں جو اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب کی پیروی کرنے والوں کو کافر نہ سمجھے، یا ان کے کفر میں توقف سے کام لے، یا ان کے کفر میں شک کرے، یا ان کے مذہب کو صحیح قرار دے، اگرچہ وہ اس کے ساتھ ساتھ اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرتا ہے، اسلام کے مطابق اس کا عقیدہ بھی ہے اور دل سے اسلام کے سوا سارے مذاہب کے باطل ہونے کا عقیدہ بھی رکھتا ہے، پھر بھی اپنے عقیدہ کے خلاف اظہار کی وجہ سے وہ کافر ہے۔''

مشہور امام ابو محمد بن حزم ؒ (معروف علمی وفقہی کتاب المحلیٰ کے مؤلف) فرماتے ہیں کہ:

واتّفقوا علٰی تسمية اليهود والنصاری كفّارا (۱۰)

''یہود ونصاریٰ کو کافر کہنے پر علماء کا اتفاق ہے۔''

واتّفقوا علٰی ان ماعداهم من اهل الحرب يسمُّون مشركين (۱۱)

اور علماء کا اتفاق ہے کہ یہود ونصاریٰ کے علاوہ جو اہل حرب ہیں انہیں مشرک کہا جائے گا۔''

قرآن وسنّت اور اجماع اُمّت سے ماخوذ ان صریح دلائل کے باوجود اُمتِ مُسلمہ میں کافروں کو کافر کہنے کا عقیدہ ماند پڑتا جارہا ہے جس کے مختلف مظاہر ہمارے درمیان پائے جاتے ہیں، جیسے:

۱۔ وحدتِ ادیان کا نظریہ۔

۲۔ ولاء وبراء کا فقدان۔

۳۔ قوانین الٰہیہ سے اعراض اور من گھڑت قوانین کی پیروی۔

۴۔ اللہ اور اس کے رسول کی باتوں کی ناپسندیدگی۔

۵۔ اللہ ورسول اور احکامِ شرعیہ کا مذاق اڑانا۔

آخر کے تین مظاہر کا ذکر مستقل بحث کی شکل میں آرہا ہے۔ یہاں ہم صرف پہلے اور دوسرے مظہر پر قدرے تفصیل سے گفتگو کرتے ہیں۔

---

(۹) الشفاء ۲/۶۱۰ وشرحه لملا علی القاری ۲/۵۲۰)۔(۱۰) مراتب الاجماع، ص ۱۱۹۔(۱۱) مراتب الاجماع، ص ۱۲۰۔

وحدتِ ادیان کا نظریہ

''وحدتِ ادیان'' ایک جدید اصطلاح ہے جس کو اسلام دشمن تنظیموں نے ایجاد کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ:

''منزل ایک ہو تو راستوں کے اختلاف سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سارے مذاہب کا سرچشمہ ایک ہی بزرگ و برتر ذات ہے جسے مسلمان اللہ' ہندو ایشور اور انگریز گاڈ (God) کہتے ہیں۔ یہ مختلف مذاہب عبادتِ الٰہی کے مختلف طریقے ہیں۔ نیز مذہب حق و انصاف' خدمتِ خلق' دوستی و بھائی چارے اور ایک دوسرے کے احترام کی تعلیم دیتا ہے۔ تمام انسانوں کو تمام مذاہب کا احترام کرنا چاہئے اور ان کے ماننے والوں سے حسنِ سلوک اور محبت رکھنی چاہئے۔'' آخرت میں نجات کسی ایک مذہب کی پیروی میں منحصر ہے'' ایسا کہنا بے جا تعصب اور تشدد ہے۔''

یہ ہے وحدتِ ادیان کا نظریہ اور اس کی تعلیم کا خلاصہ جس کے لئے آج دنیا کے گوشے گوشے سے آوازیں اٹھ رہی ہیں اور مختلف ملکوں میں کانفرنسیں منعقد کی جا رہی ہیں' بلکہ صورتِ حال اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ بہت سے مسلمان نہ صرف یہ کہ اس فکر سے متاثر ہیں بلکہ اس کی کامیابی کے لئے تن من دھن سے کوشاں ہیں' حالانکہ یہ نظریہ اسلام کے خلاف ایک گہری سازش ہے جو اپنے اندر بے شمار خرابیاں لئے ہوئے ہے۔

چونکہ عصرِ حاضر کے فتنوں میں سے یہ ایک بڑا اہم اور خطرناک فتنہ ہے اس لئے مختصراً اس نظریئے کی تاریخ' شرعی نقطۂ نظر سے اس کا حکم اور اس کے نقصانات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جسے تفصیل درکار ہو وہ اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔ مثلاً ''وحدتِ ادیان کا نظریہ اور اسلام'' تالیف سلطان احمد اصلاحی اور ''**الابطال لنظرية الخلط بين الاديان**'' تالیف ڈاکٹر بن عبداللہ ابوزید حفظہ اللہ۔ خصوصاً آخری کتاب مختصر اور بہت ہی مفید ہے۔ کاش کوئی صاحبِ ذوق اس کتابچے کو اردو کا جامہ پہنا دے اکثر معلومات ہم نے اسی کتاب سے لی ہیں۔ (۱۲)

تاریخی پس منظر

یہ نظریہ کوئی نیا نہیں ہے اور نہ ہی اس صدی کی پیداوار ہے' بلکہ بطورِ نظریہ بہت پرانا ہے' بلکہ یہ اسلام کے خلاف وہ ہتھیار ہے جو یہود و نصاریٰ اور اسلام دشمن کارخانوں میں تیار ہو کر نکلا ہے۔

فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر بکر بن عبداللہ ابوزید حفظہ اللہ نے اس نظریئے کے تاریخی پس منظر پر بحث کرتے ہوئے اسے چار مراحل میں تقسیم کیا ہے۔ انہی پر اعتماد کرتے ہوئے ہم اس نظریئے کی تاریخ ذیل میں تحریر کرتے ہیں:

پہلا مرحلہ' عہد نبوی ﷺ میں:

دین اسلام اور اس کے ماننے والوں کے خلاف عہدِ نبوی ﷺ سے ہی سازشیں شروع ہو گئیں تھیں اور دشمنانِ اسلام نے' خواہ وہ یہود و نصاریٰ کی شکل میں ہوں یا بُت پرست و توہّم پرست مشرکین کی شکل میں' دونوں نے مل کر عوام کو اسلام سے دُور رکھنے کے لئے دو حربے استعمال کئے ہیں۔ اوّلاً تکلیف و سزا اور زبردستی۔ ثانیاً سودے بازی اور ملمع سازی۔

سیرت نبوی ﷺ سے شغف رکھنے والے اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ عہد نبوی ﷺ کے دونوں مرحلوں میں مسلمانوں کو' بشمول نبی رحمت ﷺ دل و جان کو ہلا دینے والے مصائب و آلام سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ اور جب دشمنانِ اسلام اس میں کامیاب نہیں ہوئے تو سودے بازی پر اتر آئے جس کی طرف قرآن مجید میں متعدد جگہ ارشادات موجود ہیں' بلکہ عام طور پر کتب تفسیر و سیرت میں سورۃ الکافرون کا سبب نزول اسی سودے بازی کو قرار دیا گیا ہے۔ محترم استاذم مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری حفظہ اللہ اپنی کتاب ''تجلیات نبوت'' میں تحریر فرماتے ہیں:

---

(۱۲) بڑی خوشی کی بات ہے کہ مولانا مشتاق احمد کریمی حفظہ اللہ نے اس کتاب کا ترجمہ مکمل کر دیا ہے اور ابھی چند ہی روز قبل اس کا مسودہ میرے پاس بھیجا ہے۔ کوشش ہے کہ جلد ہی اسے منظر عام پر لایا جائے۔

''تحریص وترغیب میں اس ناکامی کے بعد مشرکین نے سوچا کہ دین کے بارے میں سودے بازی کی جائے ۔ چنانچہ انہوں نے آپ ﷺ سے کہا: ہم آپ پر ایک بات پیش کرتے ہیں جس میں آپ کی درستگی ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی پوجا کریں اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں۔ اب اگر ہم حق پر ہیں تو آپ نے اس سے ایک حصہ لے لیا اور اگر آپ حق پر ہیں تو ہم نے اس سے ایک حصہ لے لیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ نازل فرمائی (کہ آپ کہہ دیں: اے کافرو! جسے تم پوجتے ہو اُسے میں نہیں پوجتا، اور نہ جسے میں پوجتا ہوں اُسے تم پوجتے ہو، اور نہ جسے تم پوجتے ہو اسے میں پوج سکتا ہوں اور نہ جسے میں پوجتا ہوں اُسے تم پوج سکتے ہو۔ تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین۔)

یہ بھی نازل فرمایا:

﴿ قُلْ اَفَغَیْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْنِیْٓ اَعْبُدُ اَیُّھَا الْجٰھِلُوْنَ ﴾ (الزمر: ٦٤)

اے جاہلو! کیا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ میں اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کروں؟''

اور یہ بھی نازل فرمایا:

﴿ قُلْ اِنِّیْ نُھِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ ﴾ (الانعام: ٥٦)

''آپ کہہ دیں مجھے منع کیا گیا ہے کہ اللہ کے سوا جن کو تم پکارتے ہو میں ان کی عبادت کروں۔'' (تجلیات نبوت، ص ۱۱۹، ۱۲۰۔ نیز دیکھئے سیرت ابن ہشام ۲/ ۱۰۔)

دین کے بارے میں آپ ﷺ کے ساتھ سودے بازی کے خواہش مند حضرات جب مزید بضد ہوئے اور آپ ﷺ چچا بھی نرم پڑنے لگے تو آپ ﷺ کا وہ دوٹوک جواب جسے کتبِ حدیث وسیرت نے ہمارے لئے محفوظ رکھا ہے، اس میں وحدیت ادیان کے نظریہ سے متاثر حضرات کے لئے وافر سامانِ عبرت ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی عقیل رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ قریش کا وفد ابوطالب کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کیا آپ احمد (ﷺ) کو نہیں دیکھتے وہ ہماری مجلسوں اور مسجد میں ہمیں پریشان کرتا ہے اور برا بھلا کہتا ہے۔ اس لئے آپ اسے اس حرکت سے روکیں۔ ابوطالب نے مجھ سے کہا کہ جاؤ محمد ﷺ کو بلالاؤ۔ میں گیا اور بلالایا۔ آپ تشریف لائے تو ابوطالب نے کہا: اے بھتیجے! تیرے چچازاد بھائی کہہ رہے ہیں کہ تو اُنہیں ان کی مجلسوں میں اور مسجد میں تکلیف دیتا ہے، اس لئے تو اس کام سے رک جا۔ آپ ﷺ نے اپنی نظر مبارک کو آسمان کی طرف اٹھایا اور فرمایا:

((ما انا باقدر علٰی ان ادع لکم ذٰلک ان تشعلوا لی منها شعلة یعنی الشّمس)) (۱۴)

''اگر تم لوگ میرے لئے سورج سے ایک شعلہ توڑ لاؤ تو بھی میں تم لوگوں کی خاطر اس کام کو نہیں چھوڑ سکتا۔''

مدینہ منورہ منتقل ہونے کے بعد اہل کتاب نے بھی مخالفت میں ایذاء و پریشانی اور تحریص ولالچ کے دونوں حربے استعمال کئے۔ اور جب پہلے حربے میں کامیاب نہیں ہوئے تو خود اللہ کے رسول ﷺ کو یہودیت ونصرانیت کی دعوت دینے لگے، جس کے ردّ میں:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَدَّ کَثِیْرٌ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ لَوْ یَرُدُّوْنَکُمْ مِّنْ بَعْدِ اِیْمَانِکُمْ کُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِھِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَھُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾ (البقرۃ: ۱۰۹)

ان اہل کتاب کے اکثر لوگ باوجود حق واضح ہو جانے کے محض حسد وبغض کی بنا پر تمہیں بھی ایمان سے ہٹا دینا چاہتے ہیں ۔ تم بھی معاف کرو اور چھوڑو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندوں کو اہل کتاب کافروں سے متنبّہ کر رہا ہے اور انہیں ان کی ظاہری وباطنی دشمنی اور مسلمانوں کے بارے میں ان کے دلوں میں جو حسد ہے اس کی اطلاع دے رہا ہے، حالانکہ ان اہلِ کتاب کو اس اُمت کی افضلیت کا بھی علم ہے۔ (۱۵)

---

(۱۴) سلسلة الاحادیث الصحیحة: ۹۳ ۔ نیز دیکھئے المعجم الاوسط للطبرانی: ۸۵٤۸، ۹/ ۲۹ ۔ والمعجم الکبیر للطبرانی: ۱۹۱، ۱۹۲ ۔ (۱۵) تفسیر ابن کثیر۔ آیت مذکورہ کی تفسیر میں۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿ وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ (البقرة:١٣٥)

''اور کہتے ہیں کہ تم یہودی یا نصرانی بن جاؤ تو ہدایت پاؤ گے۔ تم کہو: بلکہ صحیح راہ پر ملّت ابراہیمی والے ہیں' اور ابراہیم (خالص اللہ کے پرستار تھے اور) مشرک نہ تھے۔''

یہود ونصاریٰ کی ان تمام کوششوں کے باوجود اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں مجبور کیا کہ وہ ذلیل وخوار بن کر جزیہ دینا قبول کریں۔ اسی طرح آپ کے بعد خلفائے راشدین نے بھی اہل کتاب سے جہاد کیا اور انہیں مجبور کیا کہ وہ ذلیل وخوار بن کر رہیں اور جزیہ دیں۔ (١٦)

دوسرا دور:

جب خیر القرون کا دور ختم ہوا' مسلمانوں میں فلسفیانہ مذاہب رائج ہونے لگے اور اہل علم سے دُوری اور متاعِ دنیا کی کثرت نے علم تصوف کو رواج دیا تو وحدتِ ادیان کے فتنے نے پھر سر اُٹھایا اور یہاں تک کہا گیا کہ یہودیت ونصرانیت اور اسلام کی حیثیت باہم وہی ہے جو حیثیت اسلام میں مذاہب اربعہ کو حاصل ہے۔ کسی بھی ایک مذہب پر عمل کر کے انسان اللہ تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے۔ (١٧) اس کے لئے یہود ونصاریٰ نے بعض وثیقے بھی گھڑے جن کے اندر یہ ظاہر کیا گیا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے یہود کو ایک عہد نامہ لکھ کر دیا تھا کہ ان کے اوپر جزیہ نہیں ہے۔ جب یہودیوں نے چوتھی صدی ہجری کے شروع میں اس عہد نامہ کو ظاہر کیا تو امام ابو جعفر الطبر ی رحمہ اللہ نے اس کا جھوٹا اور من گھڑت ہونا ثابت کیا۔ پھر اسی قسم کا ایک اور وثیقہ پانچویں صدی ہجری میں امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ کے زمانے میں ظاہر کیا گیا جسے امام موصوف نے دلائل سے باطل اور من گھڑت قرار دیا۔ پھر آگے چل کر اسی قسم کا ایک وثیقہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے زمانے میں ظاہر کیا گیا جسے شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے جھوٹا ثابت کیا۔ (١٨)

وحدت الوجود کے قائلین صوفیاء حضرات یہاں تک کہہ گئے کہ اگر انسان محقق بن جائے (یعنی وحدت الوجود کا قائل ہو جائے) تو اس کے لئے یہودیت اور نصرانیت قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (١٩)

اس دور میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس بدعت کا قلع قمع کیا اور متعدد کتابیں تالیف فرمائیں۔ آپ کے فتاویٰ میں اس موضوع سے متعلق کافی مواد موجود ہے۔

تیسرا دَور:

چودھویں صدی ہجری کے شروع میں تقریباً سارے عالم اسلام پر یہودیت ونصرانیت یا ان کے ایجنٹوں کا قبضہ ہو گیا' اسلام کو ہر طرح سے مسخ کر دینے کی کوشش ہونے لگی' لیکن نتیجہ اس کے برعکس رہا کہ زمین اور جسموں پر تو اسلام دشمنوں کا قبضہ ہو گیا لیکن کسی حد تک قلب وروح اس سے متاثر نہیں۔ (٢٠) اور ہر سمت کچھ ایسے لوگ ضرور نظر آتے رہے جو قولاً وعملاً ایمان واسلام کی روح کو زندہ رکھنے میں کوشاں تھے۔ (٢١)

---

(١٧) مجموع الفتاویٰ ٤/٢٠٤۔ (١٨) احکام اهل الذمة ١/٥'٨۔ (١٩) الصقدية ١/٩٨'٩٩'٢٦٨۔ (٢٠)

ہمارے اس قول کی سب سے بڑی دلیل یہ واقعہ ہے۔ الجزائر پر تسلط کے زمانے میں فرانس نے جزائر کی دس لڑکیوں کو فرانسیسی اسکول میں داخل کیا' انہیں فرانسیسی زبان سکھلائی اور فرانسیسی تہذیب میں رنگ دیا جس سے وہ بالکل فرانسیسی لیڈیاں معلوم ہوتی تھیں۔ فرانس نے اپنی اس کامیابی پر کچھ دنوں کے بعد ایک جشن منانا چاہا تا کہ اس جشن میں ان جزائری لڑکیوں کو فراغت کی سند دی جائے۔ اس تقریب میں بڑے بڑے عہدیداروں کو دعوت دی گئی جس میں بہت سے نامہ نگار بھی شامل تھے۔ بھرے مجمع میں جب ان لڑکیوں کو اسٹیج پر آنے کا وقت آیا تو سارا مجمع یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ وہ لڑکیاں فرانسیسی لباس کے بجائے جزائری لباس میں ملبوس ہیں۔ یہ دیکھ کر فرانسیسی اخبارات نے واویلا مچایا کہ آج ١٢٨ سال سے فرانس نے کیا کیا؟ جس کے جواب میں الجزائر کے اندر فرانس کے نمائندے نے کہا کہ: ''اگر قرآن فرانس سے زیادہ طاقتور ہو تو میں کیا کروں؟'' (مجلّہ الدعوة ١١٦٩' مورخہ ٢٦/٤/١٤٠٩ھ)

(٢١) اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَاتَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِیْ قَائِمَةٌ بِاَمْرِاللّٰهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَاْتِیَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ ظَاهِرُوْنَ عَلَى النَّاسِ))[صحيح البخارى:٣٤٤٢' كتاب المناقب

چنانچہ ماسونیت (فری میسنری تحریک) نے وحدت ادیان کا نعرہ بلند کیا تا کہ یہودیت ونصرانیت کے بارے میں جونفرت مسلمانوں میں پائی جارہی ہے وہ کم ہو جائے اور جدید عالمی نظام کے تحت انہیں سارے ملکوں اور خصوصاً عالم اسلام پر قابض ہونے میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے' جس کے لئے اس جماعت نے کچھ مسلمانوں کو استعمال کیا جن میں جمال الدین افغانی (۲۲) اور محمد عبدۂ (۲۳) کے نام سرفہرست ہیں۔حتٰی کہ محمد عبدہ نے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ مل کر بیروت میں ایک سوسائٹی قائم کی جس کا نام ''جمعية التأليف و التقريب'' رکھا۔اور دلچسپ بات یہ کہ اس سوسائٹی کے ممبروں میں شیعہ' عیسائی اور یہودی بھی شامل تھے۔ (۲۴)

لیکن اللہ کے فضل وکرم اور اس کے بعد علمائے حق کی کوششوں سے دشمنانِ اسلام اپنے اس ناپاک ارادے میں کامیاب تو نہ ہو سکے البتہ کمزور ایمان والے مسلمانوں کے دلوں میں اس تحریک کا اثرات ضرور باقی رہ گئے۔

چوتھا دور:

وحدت ادیان کا چوتھا اور آخری مرحلہ چودھویں صدی ہجری کے آخر سے شروع ہوتا ہے جس کو عالمی یہودی تحریک ماسونیت نے تیزی سے ابھارا' کیونکہ اسلام کے دشمنوں' اور اللہ کے باغیوں اور شیطان کے شاگردوں کو یہ وقت بہت ہی مناسب محسوس ہوا' جس کی وجہ ظاہر ہے کہ عام طور پر اسلام کے حاکم ومحکوم اپنے داخلی اور خارجی نظام میں مغرب کے تابع ہو گئے تھے۔عام مسلمانوں میں دینی علم مفقود ہو گیا' اسلام کی غربت عہد اوّل کی عکاسی کرنے لگی' عوام کی تو بات ہی کیا' پڑھے لکھے لوگ خصوصاً جدید تعلیم یافتہ لوگوں کو اسلام کے منافی امور کی پہچان ہی ختم ہو گئی' علماء کا میدانِ محنت وجستجو چند گنے چنے مسئلے رہ گئے جن پر وہ اپنی تحریر وتقریر کا سارا زور صرف کرتے رہے۔خصوصاً ولاء وبراء (وفاداری وبیزاری) کا معاملہ تو بالکل ہی نظرانداز ہو گیا۔درج ذیل واقعہ میں ہر غیرت مند داعیٔ اسلام اور مخلص مسلمان کے لئے سامانِ عبرت موجود ہے۔۱۹۸۲ء کی بات ہے' محترم استاذ مولانا صفی الرحمٰن صاحب ﷾ کے ساتھ شہر سیونی' صوبہ مدھیہ پردیش (انڈیا) کے کسی جلسے میں شرکت کا موقع ملا۔عصر ومغرب کے درمیان استاذ محترم سے ایک صاحب ملاقات کے لئے آئے۔وہ حضرت کسی اسکول میں ٹیچر تھے' اپنے ظاہر سے کافی حد تک شرع کے پابند لگ رہے تھے' چہرے پر داڑھی بھی تھی۔استاذ محترم سے اِدھر اُدھر کے کچھ سوالات کئے۔منجملہ سوالات کے ایک سوال یہ بھی تھا کہ کیا ہندوستان میں کوئی نبی نہیں آیا تھا؟ محترم استاذ نے جواب دیا: ضرور آیا ہوگا' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

'باب ٣٤ وصحیح مسلم '١٠٣٧ 'کتاب الامارة' باب ٥٣ ' واللفظ له (۴) احکام اهل الذمة ١/٥' ۸۔

''میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ اللہ کے حکم کو لے کر کھڑا رہے گا' جو ان کو ذلیل کرنا چاہے یا مخالفت کرے وہ انہیں کوئی نقصان نہیں دے پائے گا' یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے' اور یہ گروہ ہمیشہ لوگوں پر غالب رہے گا''۔

اس معنی میں متعدد حدیثیں متعدد صحابہ ﷺ سے مروی ہیں۔جن میں سے نو صحابہ ﷺ کی روایات امام السیوطی ﷺ نے الجامع الصغیر میں نقل کی ہیں جن کو علامہ البانی ﷺ کی کتاب ''صحیح الجامع الصغیر'' میں دیکھا جا سکتا ہے۔

(۲۲) محمد جمال الدین بن صفدر الافغانی ۱۲۵۴ھ موافق ۱۸۳۸ء میں ایران کے ایک شہر اسد آباد میں پیدا ہوئے۔ان کے والد شیعوں کے عالم اور استاد تھے۔ابتدائی تعلیم اپنے باپ سے حاصل کی۔تعلیم عالی کے لئے نجف کا قصد کیا جہاں چار سال رہ کر اُس وقت کے مشہور اساتذہ سے اپنی تعلیم مکمل کی' جن میں آغا خان' الشیخ مرتضٰی اور علی قاضی وغیرہ کا نام خصوصی طور پر قابل ذکر ہے۔عقیدہ اور فقہ کے اعتبار سے شیعہ تھے۔افغانی کی ذات ایک مبہم اور غیر واضح شخصیت رہی ہے۔بہت سے لوگوں کو ان کی جعلی نسبت یعنی افغانی اور ان کی سیاسی کوششوں سے شبہ ہوا ہے جس میں ہمارے پاک وہند کی بعض اہم شخصیات بھی شامل ہیں۔حالانکہ یہ بات کھل کر سامنے آگئی ہے کہ اس شخص نے افغانی لقب اور نسبت کا اظہار صرف تقیہ (اصل حقیقت چھپانے کی خاطر کسی مغالطے کا سہارا لینا) کے طور پر کیا' ورنہ وہ عقیدہ وفقہ کے اعتبار سے شیعہ جعفری' اثنا عشری اور اس سے بڑھ کر عالمی یہودی تحریک فری میسنری کے ایجنٹ (ماسونی) تھے۔۱۳۱۴ھ میں ان کا انتقال ہوا۔تفصیل کے لئے دیکھئے: دعوة جمال الدين افغانى فى الميزان۔

(۲۳) محمد بن عبدۂ بن حسن نام ہے اصلاً ترکستانی ہیں۔۱۲۶۶ھ موافق ۱۸۴۹ء میں مصر میں پیدا ہوئے۔جامع ازہر سے تعلیم حاصل کی۔متعدد اہم مناصب پر فائز رہے' جیسے قاضی' سیشن جج اور مفتی عام۔بہت سی کتابوں کے مؤلف ہیں۔۱۳۲۳ھ موافق ۱۹۰۵ء میں انتقال ہوا۔دیکھئے: الاعلام لزرکلی ٦/٢٥٢،

(۲۴) دیکھئے تاریخ الاستاذ الامام ۱/ ۸۱۷' ۸۲۹' تالیف الشیخ محمد رشید رضا مصری۔

﴿ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴾ (فاطر: ٢٤)

''اور کوئی امت ایسی نہیں گزری جس میں کوئی متنبہ کرنے والا نہ آیا ہو۔''

ان کا اگلا سوال یہ تھا کہ کیا یہ ممکن نہیں کہ ہندو مذہب کی کتابیں جیسے ویدٗ پران وغیرہ آسمانی کتابیں ہوں یا آسمانی کتابوں سے ماخوذ ہوں' خصوصاً جبکہ ان کتابوں میں بہت سی ایسی باتیں پائی جاتی ہیں جن میں ایسی مستقبل کی خبروں کا تذکرہ ہے جن کی تائید قرآنِ مجید سے ہوتی ہے' لہٰذا ہندوؤں کو کافر ومشرک کہنے کی بجائے اہل کتاب کیوں نہ کہا جائے؟ اس لئے کہ کافر کہنے سے وہ ہم سے چڑتے ہیں اور ہمارے اور ان کے مابین نفرت پیدا ہوتی ہے۔

ابھی ان سوالات پر حضرت استاذ کچھ سوچ ہی رہے تھے کہ میں نے فوراً جواب دیا کہ قرآن میں صراحت کے ساتھ اہلِ کتاب کو کافر ومشرک کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴾ (البينة : ١)

''اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ کافر تھے وہ اپنے کفر سے باز آنے والے نہ تھے جب تک کہ ان کے پاس روشن دلیل نہ آ جائے۔''

﴿ هُوَ الَّذِيْۤ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ﴾ (الحشر: ٢)

''وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے کافروں کو اُن کے گھروں سے پہلے حشر کے وقت نکالا۔''

اس واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دین پر عامل حضرات بھی دشمنوں کے پروپیگنڈے سے کس قدر متاثر اور اصولِ دین سے کس قدر غافل ہیں۔ یہ صرف ہندوستان کی بات نہیں ہے بلکہ سارے عالم اسلام کی یہی کیفیت ہے' بلکہ بعض علاقے تو اس سے بھی زیادہ متاثر ہیں۔

اس ماحول میں ماسونیت نے اپنی حرکت تیز کر دی۔ یہود و نصاریٰ نے وحدتِ ادیان کی طرف دعوت پر کافی زور دیا۔ کبھی اسے ''تقارب بین الادیان'' اور کبھی ''دینی تعصب کا خاتمہ'' کا نام دیا اور کبھی ''دینی بھائی چارے'' کے لئے مصر میں کھولے گئے' حتیٰ کہ ''مجمع الادیان'' کے نام سے بعض جگہ سنٹر قائم کئے گئے۔ متعدد شعارات اور نعرے ایجاد کئے گئے اور معاملہ یہاں تک پہنچا کہ اس بات کی دعوت دی جانے لگی کہ ایک ہی چہار دیواری اور احاطے میں مختلف مذاہب کی عبادت گاہیں بنائی جائیں۔ مسجد' کنیسہ' گرجا گھر اور مندر ایک ساتھ ہوں' ایک ہی کتاب میں تمام مذہبی کتابوں کو جمع کر دیا جائے۔ اور پھر معاملہ یہاں تک پہنچا کہ تمام مذاہب والے ایک ساتھ' ایک ہی جگہ اور ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھیں' حتیٰ کہ اسے عملی جامہ بھی پہنایا گیا اور ۲۷ / اکتوبر ۱۹۹۶ء کو اٹلی میں پوپ کی امامت میں تمام مذاہب کے پیروکاروں نے مشترکہ نماز پڑھی۔ یہ تاریخ کا وہ پہلا واقعہ تھا کہ مسلمانوں کی امامت کوئی کافر کر رہا تھا۔ پھر بعد میں بھی جاپان کے اندر کیٹو پہاڑی کی چوٹی پر یہ نماز ادا کی گئی اور بڑے افسوس کا مقام ہے کہ اس بار نماز میں بعض مشہور اسلامی جماعتوں کے نمائندے بھی شامل تھے۔ آخر کفر سے عملی رضامندی کی اس سے واضح مثال اور کہاں مل سکتی ہے! (تفصیل کے لئے دیکھئے بکر ابوزید کی کتاب الابطال' ص ۲۳' ۲۵)

وحدت ادیان کے نظریہ کی یہ مختصر تاریخ تھی۔ جسے تفصیل درکار ہو وہ اس سلسلے میں تالیف شدہ کتابوں کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔ بلکہ ایک غیرت مند مسلمان داعی کے لئے ان کتابوں کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔

شریعت کا حکم

''وحدتِ ادیان'' کے نظریہ کی تاریخ اور اس کی غرض و غایت جان لینے کے بعد اب جو اہم سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس نظریئے سے متعلق شریعت کا حکم کیا ہے؟ کیا شریعت اسلامیہ میں اس کی گنجائش ہے؟ اور کیا دین اسلام اس نظریہ کو قبول کر سکتا ہے؟

یہ متعدد سوالات ہیں جو ایک مسلمان بلکہ ایک طالب علم کے سامنے آتے ہیں' جن کا جواب بھی معلوم ہونا وقت کا تقاضا اور زمانے کی اشد ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ اس سوال کا مختصر جواب تو سورۃ الکافرون میں موجود ہے:

''کہہ دو: اے کافرو! میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی عبادت تم کرتے ہو۔ نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ اور نہ میں ان کی

عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو۔اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں ۔تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین۔''

یہ ہے شریعت کا دوٹوک فیصلہ جس کے بعد ایک مسلمان کے لئے اس نظریئے کے قبول کرنے کا کوئی جواز نہیں رہ جاتا' بلکہ اس نظریہ کا قبول کرنا سراسر کفر وارتداد اور دین اسلام کے خلاف ایک بغاوت ہے' جس کی متعدد وجوہات ہیں۔

ا۔ یہ نظریہ دین اسلام سے اصولاً وفروعاً ٹکراتا ہے' کیونکہ اسلام دین کامل ہے جس کی تکمیل کے بعد دنیا کے سارے ادیان منسوخ ہو چکے ہیں ۔اب کوئی بھی دوسرا مذہب کسی بھی اعتبار سے قابل قبول نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ (آل عمران:۸۵)

''جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں ناکام ونامراد ہوگا۔''

اللہ تعالیٰ نے اسلام کے حق میں دلائل واضح کر دینے کے بعد اب صاف الفاظ میں یہ اعلان فرما دیا کہ جو لوگ اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کے طالب بنیں گے یا اس پر جمے رہیں گے' اس سے غرض نہیں کہ وہ یہودیت ہو یا نصرانیت یا کوئی اور دین' وہ اللہ کے ہاں مقبول نہ ہوگا۔ایسے لوگ آخرت میں محروم ونامراد ہوں گے۔

مذکورہ بالا آیت میں دو اہم باتیں ایسی ہیں جو قابل غور ہیں:

ا : ''اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا''یعنی وہ دین قطعاً مقبول نہ ہوگا' نہ اس دنیا میں اور نہ آخرت میں ۔

ب: وہ کامیاب اور کامران ہونے کے بجائے ناکام ونامراد ہوگا اور دنیا وآخرت کا خسارہ اس کا مقدر ہوگا۔

۲۔ قرآنِ حکیم دنیا کی ساری مذہبی کتابوں پر حاکم اور ان کو منسوخ کرنے والا ہے۔اس کی موجودگی میں کسی دوسری کتاب کی نہ ضرورت ہے اور نہ ہی اسے قرآن کے ساتھ ملایا جا سکتا ہے۔اسے قرآن کے ساتھ ایک کتاب میں لکھنا اور لوگوں میں پھیلانا ایک طرح سے منسوخ کتاب کی باطل تعلیمات کو برحق تسلیم کرنے کے برابر ہے اور اس سے بڑا ارتداد اور کیا ہوسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ط﴾ (المائدة:٤٨)

''اور (اے نبی ﷺ) ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب بھیجی جو حق لے کر آئی ہے اور 'الکتاب' میں سے جو کچھ اس کے آگے موجود ہے اس کی تصدیق کرنے والی اور اس کی محافظ ونگہبان ہے۔لہٰذا تم اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو اور جو حق تمہارے پاس آیا ہے اس سے مُنہ موڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔''

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تورات کے چند اوراق لے کر خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور فرمایا: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! یہ تورات کے چند اوراق ہیں ۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس بات پر آپ خاموش رہے۔آپ ﷺ کی خاموشی سے فائدہ اٹھا کر حضرت عمرؓ ان اوراق کو پڑھنے لگے۔آپ ﷺ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔یہ کیفیت دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے عمر! اللہ تیرا بھلا کرے' اللہ کے رسول کے چہرے کی طرف نہیں دیکھ رہے ہو کہ وہ کس طرح غصے میں ہیں؟ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپؐ کے پُرغضب چہرے کی طرف دیکھا تو آپ ﷺ کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر کہنے لگے:

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَغَضَبِ رَسُوْلِهِ ' رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَ بِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا

''میں اللہ کے غضب اور اُس کے رسول کے غضب سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں ۔میں اللہ کے ربّ ہونے' اسلام کے دین ہونے اور محمد (ﷺ) کے نبی ہونے پر راضی ہوا۔''

اس موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ بَدَا لَكُمْ مُوْسٰى فَاتَّبَعْتُمُوْهُ وَتَرَكْتُمُوْنِيْ لَضَلَلْتُمْ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيْلِ ' وَلَوْ كَانَ حَيًّا وَّاَدْرَكَ نُبُوَّتِيْ

لَاتَّبَعَنِیْ)) (۲۵)

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! اگر تمہارے سامنے موسیٰ (علیہ السلام) آ جائیں اور مجھے چھوڑ کر تم ان کی اتباع کرنے لگو تو صحیح راستے سے بھٹک جاؤ گے' اور اگر موسیٰ زندہ ہوتے اور میری نبوت کا زمانہ پا لیتے تو وہ بھی میری اتباع کرتے۔''

مسند احمد کے ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ:

''موسیٰ علیہ السلام کو بھی میری اتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔''

مذکورہ بالا آیت اور حدیث کو ایک بار پھر غور سے پڑھیں اور جواب دیں کہ قرانِ مجید اور دین اسلام کی موجودگی میں کسی اور کتاب اور دین کی ضرورت باقی ہے اور اس کتابِ مبارک کو کسی اور کتاب کے ساتھ ملایا جا سکتا ہے؟ نہیں' ہرگز نہیں!

۳۔ وحدت ادیان کا نظریہ قبول کر لینے کا لازمی نتیجہ ہے کہ دین اسلام کے بہت سے ارکان معطل ہو کر رہ جائیں گے' بلکہ اُن کے اظہار کی گنجائش بھی باقی نہ رہے گی ۔مثال کے طور پر معروف ومنکر کا معاملہ ہے' جسے بعض علماء نے اسلام کا چھٹا رکن قرار دیا ہے۔اگر وحدتِ ادیان کا نظریہ قبول کر لیا جائے تو اس فریضہ کی ادائیگی کا امکان باقی نہ رہ جائے گا' کیونکہ معروف میں سرفہرست توحید وایمان اور منکر میں سرفہرست شرک وکفر ہے۔اب جب اس نظریئے کو قبول کر لیا گیا تو اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ کسی کافر کو کافر نہ کہا جائے اور نہ ہی اسے اسلام وتوحید کی دعوت دی جائے۔

۴۔ ''وحدتِ ادیان'' کا نظریہ عقیدۂ موالات معادات (وفاداری وبیزاری کے منافی ہے۔حالانکہ ''لا الٰہ الا اللہ'' کے شرائط ولوازمات میں سے عقیدۂ موالات ومعادات بھی ہے۔وحدتِ ادیان کا نظریہ قبول کر لینے کا صاف مفہوم یہ ہے کہ ہماری موالات اللہ ورسول اور اہلِ ایمان کے ساتھ ساتھ کُفّار ومشرکین اور منافقین سے بھی ہے' حالانکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ، وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ، يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ (المائدة:۵۵-۵۷)

''مسلمانو! تمہارا دوست اللہ' اس کا رسول اور ایمان والے ہیں' جو نمازوں کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ رکوع کرنے والے ہیں۔اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے' اُس کے رسول سے اور مسلمانوں سے دوستی کرے وہ یقین مانے کہ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہی غالب رہے گی۔اے ایمان والو! ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جو تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنائے ہوئے ہیں' خواہ وہ ان میں سے ہوں جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے تھے یا کفار ہوں اگر تم مؤمن ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو۔''

مذکورہ بالا تین آیتوں میں تین باتیں بڑی اہم بیان ہوئی ہیں:

① مسلمانوں کی دوستی اور تعلق صرف اللہ' اس کے رسول اور مؤمنین کے ساتھ ہونا چاہئے۔

② غلبہ وکامیابی صرف اللہ' اس کے رسول اور مسلمانوں کے لئے ہے۔

③ یہود ونصاریٰ اور کافروں کو اپنا دوست بنانا جائز نہیں ہے۔

اسی طرح کے متعدد دلائل سے پتہ چلتا ہے کہ کفار ومشرکین سے موالات (وفاداری) اسلام منافی اور ارتداد ہے' جس کی تفصیل مستقل بحث میں آ رہی ہے۔

۵۔اس نظریئے کا قبول کرنا اس لئے بھی جائز نہیں کہ اسے قبول کر کے گویا ہم نے یہ ثابت کر دیا کہ لوگوں کے لئے یہ جائز ہے کہ شریعت محمدیہ سے ہٹ کر کسی دوسری شریعت پر بھی عمل کر سکتے ہیں' حالانکہ متعدد آیات واحادیث اس سے قبل گزر چکی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بعثتِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کسی دوسرے نبی کی اتباع اور کسی دوسری شریعت کی پیروی کسی بھی صورت میں جائز نہیں۔

---

(۲۵) سنن الدارمی' باب مایتقی من تفسیر حدیث النبی ﷺ ص ۱۲۶' ح ۴۳۵ ۔ ومسند احمد ۳/۳۸۷ ۔امام الالبانیؒ نے حدیث کو حسن کہا ہے۔ملاحظہ ہو تعلیق المشکاۃ ۱/۶۳۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''دین میں یہ بات بدیہی طور پر معلوم ہے اور اس پر مسلمانوں کا اتفاق بھی ہے کہ جس نے دین اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین یا شریعت محمدیہ کے علاوہ کسی دوسری شریعت کی اتباع کو جائز سمجھا وہ کافر ہے اور اس کا کفر ایسا ہی ہے جیسا کہ قرآن کی بعض باتوں کو ماننا اور بعض کا انکار کرنا''۔ (۲۶)

نظریۂ وحدتِ ادیان کے اسلام اور مسلمانو پر غلط اثرات

ہماری پچھلی گفتگو سے یہ واضح ہو گیا کہ وحدتِ ادیان کا نظریہ ایک کافرانہ نظریہ ہے' اور اس کا قبول کرنا اسلام کے منافی امر کا ارتکاب اور اسلام سے ارتداد کا سبب ہے ۔اس خرابی کے ساتھ ساتھ اس نظریہ کے اسلام اور مسلمانوں پر بہت سے غلط اثرات مترتب ہوتے ہیں۔ بعض اثرات عصرِ حاضر میں کھل کر سامنے آ گئے ہیں' ان میں سے چند اثرات کا ذکر ہم یہاں پر کرتے ہیں۔ جسے تفصیل درکار ہو وہ فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر بکر بن ابو زید کی کتاب کا مطالعہ ضرور کر لے۔

۱۔ اس نظریئے کا سب سے خطرناک اثر یہ ہوا کہ اسلام کو فوقیت و برتری حاصل رہنے کی بجائے (۲۷) عالمی قیادت مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل کر یہود و نصاریٰ کے ہاتھ میں چلی گئی ہے۔ جس کی سب سے واضح مثال یہی ہے کہ پوپ نے اِس تحریک کا روحِ رواں اور تمام مذاہب کا روحانی پیشوا اپنے آپ کو ثابت کیا ہے' اس لئے کہ جب بشمول مسلمانوں کے تمام مذاہب والوں نے مل کر ایک ساتھ ایک امام کے پیچھے نماز پڑھی تو امامت کا شرف اُسی کو حاصل رہا' جبکہ اللہ کے رسول ﷺ نے تو اس کی بھی اجازت نہیں دی کہ کسی کافر جماعت کے رہنما کا نام کسی عام مسلمان سے پہلے لیا جائے۔ چنانچہ فتح مکّہ کے دن اسلام لانے سے قبل ابوسفیان جو اہل مکّہ کے سردار تھے' عائذ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے ساتھ خدمتِ نبوی ﷺ میں حاضری کے لئے آئے۔ آپ ﷺ کی موجودگی میں کسی صحابی نے کہا کہ **'هٰذا ابو سفيان و عائذ بن عمرو '**' (یہ ابوسفیان اور عائذ بن عمرو آ رہے ہیں۔) آپ ﷺ نے اس جملے کی تصحیح کی اور فرمایا کہ **((هٰذَا عَائِذُبْنُ عَمْرٍو وَابُوْسُفْيَانَ))** (یہ عائذ بن عمرو اور ابوسفیان آ رہے ہیں!)

پھر آپ ﷺ نے رہتی دنیا تک کے لئے مسلمانوں کو یہ اصول دے دیا کہ:

((اَلاِسْلَامُ اَعَزُّ مِنْ ذٰلِکَ ' اَلاِسْلَامُ يَعْلُوْ وَلَا يُعْلٰى)) (۲۸)

''اسلام کا مقام اس سے کہیں اونچا ہے (کہ کسی مسلمان سے پہلے کافر کا نام لیا جائے) اسلام بلند ہے' اس پر کوئی دوسرا مذہب اونچا نہیں ہو سکتا۔''

عالمی قیادت غیر قوم کے ہاتھوں میں جانے کی دوسری واضح مثال یہ ہے کہ ''وحدتِ ادیان'' کے داعیوں نے جس دن کو تمام مذاہب کی مشترکہ عید قرار دیا ہے وہ یکم جنوری کا دن ہے' جبکہ یہ بات ہر قسم کے شبہات سے بالاتر ہے کہ یکم جنوری کا دن یہود و نصاریٰ کے سال کا پہلا دن ہے جسے وہ عید کا دن قرار دیتے ہیں اور مسلمانوں کے لئے اس دن کو عید کا دن قرار دینا یا اسلامی تاریخ کو چھوڑ کر غیر اسلامی تاریخ پر اعتماد کرنا جائز نہیں۔ (۲۹) تفصیل آگے آ رہی ہے۔

۲۔ ''وحدتِ ادیان'' کا نظریہ قبول کرنے کا دوسرا خطرناک اثر یہ ہے کہ یہ عقیدہ قبول کر لینے کے بعد شریعت میں ولاء و براء (وفاداری و بے زاری) نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہ سکتی' بلکہ وہ ملت ابراہیمی جس کی اساس ہی ولاء و براء پر ہے' ایک غیر مقبول ملت بن کر رہ جائے گی اور قرآن کی وہ آیات جن میں وضاحت ہے کہ ولاء (وفاداری) صرف اللہ' رسول اور مؤمنین کے لئے اور براء (بیزاری) اللہ کے دشمنوں اور کافروں کے لئے ہے' ان پر عمل ممکن نہیں رہے گا' بلکہ ہر مسلمان یہود

---

(۲۶) مجموع الفتاوى ۵۲۴/۳۸۔ نیز دیکھئے الاقناع اور اس کی شرح کشاف القناع ۱۷۰/۶۔ اس چیز کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں اس طرح واضح کیا ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ، اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا﴾ (النساء: ۱۵۰-۱۵۱)

''جو لوگ اللہ کے ساتھ اور اُس کے پیغمبروں کے ساتھ کفر کرتے ہیں' اور جو لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق رکھیں' اور جو لوگ کہتے ہیں کہ بعض پر تو ہمارا ایمان ہے اور بعض پر نہیں' اور چاہتے ہیں کہ اس (اسلام) کے اور اس (کفر) کے بین بین کوئی راہ نکالیں۔ یقین مانو کہ یہ سب لوگ اصلی کافر ہیں' اور کافروں کے لئے ہم نے اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے۔''

(۲۸) سنن الدارقطنی: ۳۹۵' سنن کبریٰ بیہقی ۲۰۵/۶۔ یہ الفاظ بیہقی کے ہیں۔ دیکھئے فتح الباری ۵/۳۷' ارواء الغلیل ۱۰۶/۵۔ امام الالبانیؒ نے حدیث کو حسن کہا ہے۔ اس حدیث کے بعض اجزاء بخاری شریف میں بصیغۂ جزم وارد ہیں۔ (۲۹) التشبه المنهى عنه ص ۵۴۳۔

ونصاریٰ اور ہندوؤں کو اپنا دوست ورفیق بنانے پر مجبور ہوگا۔شاید یہی وجہ ہے کہ ترکی کے صدر نے دینی امور کے وزیر سے فتویٰ صادر کرنے کا مطالبہ کیا کہ قرآن مجید سے ایسی تین سو (۳۰۰) سے زائد آیتیں حذف کردی جائیں جن پر اس زمانے میں عمل نہیں کیا جاسکتا۔ (۳۰)

۳۔''وحدتِ ادیان'' کا نظریہ قبول کر لینے کا ایک بُرا اثر یہ بھی ہے کہ اسلام میں جہاد نام کی کوئی چیز باقی نہ رہے گی' کیونکہ جہاد کی اصل فرضیت اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے ہے۔دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس مبارک دین کی تبلیغ میں اگر کوئی جماعت اور قوم رکاوٹ بنتی ہے تو اس پر جہاد فرض ہے۔اب جب کہ سارے مذہب ایک دوسرے کی حقانیت قبول کرلیں تو کسی کو اسلام کی طرف دعوت دینے کی ضرورت ہی باقی نہ رہے گی اور نہ ہی جہاد کی ضرورت پیش آئے گی' حالانکہ جہاد اسلام کی کوہان ہے۔(جس طرح کہ اونٹ کا سب سے نمایاں حصہ کوہان ہوتا ہے اسی طرح اسلام کا اشرف ترین کام جہاد ہے)۔جہاد وہ مضبوط اور بلند پہاڑی ہے جس کی چوٹی پر بیٹھ کر اسلام نما گھر کی حفاظت کی جاتی ہے۔جہاد وہ عمل خیر ہے جس کا باقی رکھنا مسلمانوں کے باعزت زندہ رہنے کی ضمانت ہے اور اس کا ترک کردینا ذلت کی ہولناک کھائی میں گرنے کے مترادف ہے۔اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے

((بُعِثْتُ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ حَتّٰى يُعْبَدَ اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَجَعَلَ رِزْقِيْ تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِيْ وَجُعِلَ الذِّلَّةُ وَالصَّغَارُ عَلٰى مَنْ خَالَفَ اَمْرِيْ ' وَمَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ)) (۳۱)

''مجھے قیامت سے پہلے تلوار دے کر بھیجا گیا ہے حتیٰ کہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی جائے'اور میرے رزق کو نیزے کی چھاؤں میں رکھا گیا ہے(مسلسل جہاد کا جھنڈا لہراتا رہے۔ملاحظہ ہو فتح الباری)اور جس نے میرے حکم کی نافرمانی کی اس کے نصیب میں ذلت اور رسوائی رکھ دی گئی ہے۔اور جو آدمی جس قوم کا رنگ ڈھنگ اختیار کرے گا وہ اسی قوم کا حصہ شمار ہوگا۔''

ایک اور حدیث میں ہے:

((اِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِيْنَةِ وَاَخَذْتُمْ اَذْنَابَ الْبَقَرِ وَرَضِيْتُمْ بِالزَّرْعِ وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَايَنْزِعُهُ حَتّٰى تَرْجِعُوْا اِلٰى دِيْنِكُمْ))(۳۲)

''جب تم عینہ[۱] تجارت میں مشغول ہوجاؤ'اور بیلوں کی دُموں[۲] کو پکڑلو اور کھیتی باڑی پر خوش ہوجاؤ اور اللہ کی راہ میں جہاد چھوڑ بیٹھو تو اللہ تعالیٰ تم پر اُس وقت تک ذلت مسلط کردے گا جب تک کہ تم اپنے دین کی طرف نہیں پلٹ آتے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

الجهادُ في سبيلِ اللّٰهِ بابٌ مِن الجنَّةِ ' ومَن تركَ الجهَادَ اَلْبَسَهُ اللّٰهُ الذِّلَّةَ وشمله البلاء وديت الصّغار وسيم بالخَسف ومنع النّصف يعني الانتصاف (۳۳)

''اللہ کے راستے میں جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے'اور جس نے جہاد ترک کردیا تو اللہ تعالیٰ اسے ذلت کا لباس پہنائے گا' بلاء ومصیبت کی چادر اوڑھائے گا' رسوائی اس کی ساتھی بن جائے گی' اُسے ناپسندیدہ کام مجبوراً کرنے پڑیں گے اور وہ انصاف سے محروم رہے گا۔''

۴۔ اس نظریہ کے قبول کرنے کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ مسلمان خصوصاً عرب یا وہ مسلمان جو کسی بھی جگہ غیر مسلموں سے نبرد آزما ہیں اور ظالموں نے ان کی زمین

---

(۳۰) دیکھئے جریدۃ الریاض ۲۷/۷/۱۴۲۰ھ موافق ۵/۱۱/۱۹۹۹ء۔اور یہی بات اس وقت امریکہ اور دوسرے ملکوں سے اٹھ رہی ہے اور مسلمانوں سے ان کے منہج تعلیم میں تبدیلی کا مطالبہ کیا جارہا ہے۔سچ کہا ہے اکبر الہ آبادی نے ع

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

(۳۲)سنن ابی داؤد:۳۴۶۲۔البیوع'باب ۵۴۔سنن کبریٰ بیھقی ۵/۳۱۶۔عن ابن عمر رضی اللہ عنہ دیکھئے شرح مسند لاحمد شاکر ۷/۳۳۔(۳۳)شارع الاشواق لابن النحاس ۱/۱۰۰

[۱]''عینہ''تجارت کی ایک صورت ہے جس میں ادھار مال کو نقد کے مقابلے میں زیادہ قیمت پر فروخت کیا جاتا ہے۔ [۲]بیلوں کی دُم پکڑنے سے مراد کھیتی باڑی میں مصروف رہنا ہے۔یعنی جہاد چھوڑ بیٹھنا۔

جائیداد ہڑپ کر رکھی ہے اب مسلمان ان سے اپنا تنازعہ ختم کر دیں، فلسطین پر ظالم یہودیوں کا قبضہ تسلیم کر لیں، فلسطین اور بیت المقدس کا مطالبہ ترک کر دیں، ہندوستانی مسلمان ہندوستان میں اپنا تشخص چھوڑ کر ہندوستانی تہذیب میں ضم ہو جائیں، اور مسلمانانِ عالم کشمیر، بوسنیا ہرزگوینا، کوسوو اور چیچنیا کے مسلمانوں کی مدد غذا ولباس وغیرہ کے ذریعہ انسانی جذبے سے تو کریں، لیکن جہاد کا نام باقی نہ رہ جائے۔

وحدتِ ادیان کے نظریہ کی تاریخ، اس کا حکم اور اس کے غلط اثرات پر یہ مختصر گزارشات پیش کی گئیں ہیں۔ اس سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ یہ نظریہ اسلام دشمن تحریکوں اور ان کے سرپرست ممالک کی پارلیمنٹوں میں پاس کیا گیا ہے جس کا قبول کرنا اسلام سے ارتداد بلکہ انسلاخ کے ہم معنی ہیں، بلکہ اسلام کو دفن کر دینے کے مترادف ہے۔

واللہ المُستعان!

وَلاء اور براء/موالات ومعادات

(وفاداری وبے زاری)

مسئلہ ولاء وبراء کی حقیقت تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ ان دونوں لفظوں کے لغوی اور شرعی مفہوم کو سمجھ لیا جائے۔

''ولاء'' لغت میں

''وَلــیٌ'' کے معنی لغت میں ''قرب اور نزدیکی'' کے آتے ہیں۔(۳۴) اسی لفظ سے ''وَلــیٌّ'' اسم کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں: قریب' نزدیک' محبوب' دوست اور مددگار۔(۳۵) اسی طرح لفظ بول کر منعم' پڑوسی اور چچازاد بھائی وغیرہ بھی مراد لیتے ہیں۔(۳۶)

ولاء' ولایت اور موالات کے معنی ہوتے ہیں: محبت' نصرت' ملکیت اور متابعت۔

ولاء' ولی اور موالات شرعی اصطلاح میں

یہ الفاظ قران مجید میں قریب قریب لغوی معنی میں مستعمل ہیں۔(۳۷) اس طرح شرعی اصطلاح کے لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ولایت اور ولاء یا موالات کا مفہوم یہ ہے کہ بندے کی محبت' مدد' اکرام' احترام اپنے اقوال وافعال کے لحاظ سے اللہ' اس کے رسول اور مؤمنین کے لئے ہو' یا یہ کہا جاسکتا ہے کہ بندہ اقوال وافعال اور ذات کی محبت میں اللہ کی محبت کے تابع اور موافقت میں ہو۔ اور اللہ کے ولی کی پہچان یہ ہے کہ وہ انہی چیزوں سے محبت کرے جن سے اللہ محبت کرتا ہے' ان اعمال واقوال اور اشخاص سے راضی ہو جن سے اللہ راضی ہے۔(۳۸)

براء لغت میں

براء کے لغوی معنی ہیں: دُوری' چھٹکارا اور بچاؤ۔

اسی کے ساتھ ساتھ اس میں ایک اور معنی شامل ہے۔ وہ یہ کہ عذر پیش کر دینے کے بعد ایسی لاتعلقی کا اظہار جس میں انذار کا پہلو شامل ہو' جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (التوبة: ۱)

''اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے اعلانِ براءت (لاتعلقی) ہے ان مشرکوں کے بارے میں جن سے تم نے عہد و پیمان کیا ہے۔''(۳۹)

براء شرعی اصطلاح میں

اس لغوی معنی کی روشنی میں ''براء'' کی تعریف میں کہا جاسکتا ہے کہ حجت قائم کر دینے کے بعد اللہ اور اس کے رسول کے مخالفین سے بے زاری' دُوری اور بغض کے اظہار کا نام براء ہے۔(۴۰)

بالفاظ دیگر جو اقوال' افعال اور اشخاص وذات اللہ تعالیٰ کو ناپسندیدہ ہیں ان کے ساتھ بغض رکھنے میں بندہ اپنے ربّ کی موافقت اور متابعت کرے۔ اس طرح براء کی علامت یہ ہوگی کہ جو چیزیں اللہ کو مبغوض اور ناپسندیدہ ہیں بندہ مکمل طور پر ان سے بغض رکھے اور انہیں ناپسند کرے۔(۴۱)

ان تعریفات کا خلاصہ یہ ہے کہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کر لینے کے بعد ایک مسلمان کے لئے دوستی' محبت' انسیت اور قربت صرف اللہ' اس کے رسول اور مؤمنین کے لئے ہو اور دشمنی' بغض' نفرت اور دُوری کافر' منافق' فاسق اور ان کے اعمال واقوال سے ہو۔ یہی چیز ہے جسے علماء کی اصطلاح میں ولاء وبراء کہا جاتا ہے۔ ہم اسے ''موالات'' یا ''معادات'' یا ''دوستی ودشمنی'' یا ''وفاداری وبے زاری'' سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

---

(۳۴) تهذيب اللغة' ۱۵/۴۴۷_القاموس المحيط 'مادة "و ل ی"_ (۳۵) القاموس المحيط (۳۶) الصحاح للجوهری ۲۵۲۹/۶_لسان العرب' مادہ "ول ی" ودیگر کتب لغت (۳۷) مفردات القران للراغب' ص ۵۳۳_ (۳۸) المدخل لدراسة العقيدة الاسلامية' ص ۲۲۴_ نیز دیکھئے الایمان نعیم یاسین' ص ۱۹۰' شرح عقيدة الطحاوية' ص ۴۰۳_ (۳۹) تهذيب اللغة ۱۵/۲۶۷'۲۶۸_مفردات القرآن' ص ۴۵_ (۴۰) الولاء والبراء للقحطانی' ص ۹۰_

ولاء وبراء کی اہمیت

موالات ومعادات اسلامی عقیدہ کی اساس اور ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کے لوازمات اور شرائط میں سے ہے، حتیٰ کہ بعض علماء کا کہنا ہے کے اثباتِ توحید اور ردّ شرک کے بعد قرآنِ مجید میں جتنا زور ولاء وبراء پر دیا گیا ہے اتنا زور کسی دوسرے مسئلہ پر نہیں ہے۔ اگر غور وفکر سے کام لیا جائے تو قرآنِ مجید کا ایک بہت بڑا حصہ احکامِ ولاء وبراء پر مشتمل ہے۔ حتیٰ کہ بعض مستقل سورتیں ہی اس مسئلے کے اثبات کے لئے نازل ہوئی ہیں، جیسے سورۃ التوبہ، الممتحنہ اور الکافرون وغیرہ۔ لیکن بدقسمتی سے علماءِ حق کی سرد مہری اور دشمنوں کی چالاکی نے اس مسئلے کی اہمیت کو ختم کر دیا ہے۔

کچھ تو غیروں کا تعصب کچھ تو اپنی بھول چوک
بس اسی ضد میں وقار وفر وفن جاتا رہا

حالانکہ اگر بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہی وہ ملت ابراہیمی ہے جس کی اتباع کا اُمت مسلمہ کو حکم دیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَدۡ كَانَتۡ لَكُمۡ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ فِيۡۤ اِبۡرٰهِيۡمَ وَالَّذِيۡنَ مَعَهٗ ۚ اِذۡ قَالُوۡا لِقَوۡمِهِمۡ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنۡكُمۡ وَمِمَّا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ كَفَرۡنَا بِكُمۡ وَبَدَا بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمُ الۡعَدَاوَةُ وَالۡبَغۡضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَحۡدَهٗۤ.........﴾ (الممتحنة:٤)

تم لوگوں کے لئے ابراہیم اور اس کے ساتھیوں میں ایک اچھا نمونہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا کہ ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو، قطعی بیزار ہیں۔ ہم نے تم سے کفر کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت ہوگئی اور بیر پڑ گیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔''

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَوۡثَقُ عُرَى الۡاِيۡمَانِ الۡمُوَالَاةُ فِى اللّٰهِ وَالۡمُعَادَاةُ فِى اللّٰهِ وَالۡحُبُّ فِى اللّٰهِ وَالۡبُغۡضُ فِى اللّٰهِ)) (۴۲)

''ایمان کا سب سے مضبوط کڑا اللہ کی رضا کی خاطر موالات ومعادات (وفاداری وبے زاری) اور اللہ ہی کی رضا کی خاطر محبت ودشمنی رکھنا۔''

مذکورہ بالا آیت وحدیث عقیدۂ ولاء وبراء کی اہمیت کو واضح کرتی ہیں۔ مزید وضاحت کے لئے ہم اس موضوع کو قدرے تفصیل سے بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

عقیدۂ ولاء وبراء قرآن میں (۴۳)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱ ۔ ﴿لَا يَتَّخِذِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الۡكٰفِرِيۡنَ اَوۡلِيَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۚ وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ فَلَيۡسَ مِنَ اللّٰهِ فِىۡ شَىۡءٍ اِلَّاۤ اَنۡ تَتَّقُوۡا مِنۡهُمۡ تُقٰٮةً ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفۡسَهٗ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الۡمَصِيۡرُ﴾ (آل عمران:٢٨)

''مؤمنین اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق اور یار ومددگار ہرگز نہ بنائیں جو ایسا کرے گا اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہاں یہ معاف ہے کہ تم اُن کے ظلم سے بچنے کے لئے بظاہر ایسا طرزِ عمل اختیار کر جاؤ، مگر اللہ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے، اور تمہیں اللہ ہی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مؤمنین کو اس بات سے منع فرمایا ہے کہ وہ کافروں سے موالات ودوستی رکھیں یا مسلمانوں کو چھوڑ کر انہیں

---

(۴۱) المدخل لدراسة العقيدة الاسلامى ، ٢٢٥۔ (۴۲) الطبرانى الكبير : ١١٥٣٧، ١١/١٧٢۔ علامہ البانیؒ نے اس حدیث کے طرق پر نظر رکھتے ہوئے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے صحیح الجامع الصغير : ٢٥٣٩، ١/٤٩٧، الصحيحة ١٧٢٨۔ بغض دلی کیفیت کا نام ہوتا ہے اور ناپسندیدگی دلی کیفیت کے بعد عمل سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس طرح براء کے دو مرتبے ہوئے، دلی کیفیت اور عمل سے اظہار (نورانی) (۴۳) ولاء وبراء سے متعلق جملہ آیات واحادیث کا بیان ممکن نہیں۔ صرف چند آیات واحادیث دلیل کے طور پر پیش کیجا رہی ہیں تفصیل کے لئے قرآن مجید سے لفظ ولاء وبراء اور ان کے مشتقات کو دیکھا جاسکتا ہے۔ الدرر السنية فى الاجوبة النجدية ٨/١٢٢-١٤١ کا مطالعہ بھی اہل علم کے لے ضروری ہے جس میں سے زائد آیات سے اس موضوع پر استدلال کیا گیا ہے۔ (نورانی)

اپنا دوست بنائیں اوران سے دوستی کا اظہار کریں۔اوراس حکم عدولی پر یہ دھمکی بھی دی ہے کہ اگر کسی نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ اس سے بری ہے۔(۴۴)

امام فخر الدین رازی اس آیت کی تائید میں متعدد آیات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ بات دھیان میں رہے کہ کسی مؤمن کی کافر کے ساتھ موالات کی تین صورتیں ہیں:

ا: مؤمن کافر کے کفر سے راضی ہواور اسی وجہ سے اس سے محبت ودوستی کرتا ہوتو یہ منع ہے' کیونکہ جس نے بھی ایسا کیا گویا اُس نے اس مذہب کو ٹھیک قرار دیا 'اور کفر کو ٹھیک قرار دینا کفر ہے اور کفر سے راضی ہونا کفر ہے۔ایسا کرنے کے بعد ناممکن ہے کہ کوئی مسلمان' مسلمان رہ جائے۔

ب: دنیا میں ظاہری طور پر کافروں سے حسن سلوک رکھے' یہ ممنوع نہیں ہے۔

ج: دونوں صورتوں کے بیچ کی راہ ہے کہ وہ کافروں کی طرف مائل ہواور یہ اعتقاد رکھتے ہوئے کہ ان کا دین باطل ہے' صرف قرابت یا دوستی کی بنیاد پران کی کچھ مدداور تائید وغیرہ کرے تو یہ کفر نہیں ہے لیکن یہ بھی ممنوع ہے' کیونکہ اس معنی میں موالات آہستہ آہستہ ان کے راہ ورسم اور اورطور طریق کو اچھا سمجھنے اوران کے دین سے رضامندی کا سبب بنے گی اوراس طرح وہ اپنے مذہب ے خارج ہوجائے گا۔(۴۵)

۲- ﴿ يٰـاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ط اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴾ (النساء:۱۴۴)

''اے ایمان والو! مؤمنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ' کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی صاف حجت قائم کرلو؟''

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور تفسیر معالم فی التنزیل میں فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو کافروں کے ساتھ موالات (وفاداری) سے روکا ہے اور یہ دھمکی دی ہے کہ کیا کافروں کے ساتھ موالات کر کے اللہ تعالیٰ کے عذاب کے نزول کے لئے اپنے اوپر حجت قائم کرنا چاہ رہے ہو؟(۴۶)

۳- ﴿ يٰـاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰى اَوْلِيَاءَ ؁ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ط وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ط ﴾ (المائدة:۵۱)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا رفیق نہ بناؤ۔یہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔اوراگر تم میں سے کوئی اِن کو اپنا رفیق بناتا ہے تو اس کا شمار بھی انہی میں ہے۔یقیناً اللہ ظالموں کو اپنی راہنمائی سے محروم رکھتا ہے۔''

۴- ﴿ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ط فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴾ (المائدة:۵۲)

''آپ دیکھیں گے کہ جن کے دلوں میں بیماری (نفاق) ہے وہ دوڑ دوڑ کر اُن میں گھس رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں خطرہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ کوئی حادثہ ہم پر پڑ جائے۔بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح دے دے یا اپنے پاس سے کوئی چیز لائے تو پھر یہ اپنے دلوں میں چھپائی ہوئی باتوں پر نادم ہونے لگیں گے۔''

علامہ عبدالرحمٰن سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کے حالات اوران کی عادات کے ذکر کے بعد اپنے مؤمن بندوں کو یہ ہدایت دے رہا ہے کہ انہیں اپنا دوست اور رفیق نہ بنائیں' کیونکہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست اور دوسروں کے مقابلہ میں ایک دوسرے کے حلیف و مددگار اور دست و بازو ہیں۔چونکہ وہ تمہارے حقیقی دشمن ہیں اس لئے انہیں اپنا رفیق ودوست نہ بناؤ۔انہیں تمہارے نقصان کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی' بلکہ وہ تمہیں بھٹکا دینے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے۔ان سے دوستی وہ شخص رکھے گا جو انہی کی طرح ہوگا۔اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان ﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُم ﴾ (تم میں سے جو اُن کو اپنا دوست بنائے وہ انہی میں سے ہے) سے اسی چیز کو واضح کیا ہے' کیونکہ کافروں کے ساتھ مکمل رفاقت ودوستی دین سے خروج ہے اور تھوڑی دوستی آہستہ آہستہ زیادہ دوستی کی طرف لے جاتی ہے' جس سے انسان انہی کی طرح ہوجاتا ہے۔(۴۷)

مشہور تابعی محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عتبہ بن عبداللہ بن مسعود رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

ليتّق احدُكم ان يكون يهوديّا نصرانيّا وهو لايشعره

---

(۴۴) تفسیر ابن کثیر ۱/۴۷۶ - (۴۵) تفسیر کبیر مذکورہ آیت کی تفسیر - (۴۶) تفسیر معالم التنزیل ۱/۴۹۲ - (۴۷) تفسیر الکریم الرحمن' ص ۱۹۷ -

''تم اس سے بچو کہ کہیں لاشعوری طور پر یہودی یا نصرانی بن جاؤ۔''

ابن سیرین رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ ہم نے سمجھ لیا کہ ہمارے استاذ کا اشارہ اسی آیت ﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ...... ﴾ کی طرف تھا۔(۴۸)

زیرِ نظر مضمون میں مذکورہ آیتوں کی تفسیر جو امام ابن کثیر رحمۃ اللہ نے کی ہے اس کا مطالعہ ہر طالب علم کے لئے ضروری اور مفید ہے۔

۵- وَلَا تَرْکَنُوْٓا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّکُمُ النَّارُ وَمَالَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ اَوْلِیَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴾ (ھود:۱۱۳)

''دیکھو! ظالموں کی طرف ہرگز نہ جھکنا' ورنہ تمہیں بھی دوزخ کی آگ لگ جائے گی اور اللہ کے سوا کوئی تمہارا مددگار نہ ہوگا اور نہ تم مدد دیئے جاؤ گے۔''

اس آیت میں کفار کی خواہشات کی پیروی' ان کی طرف رجحان' ان کی صحبت' ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے' ان کی زیارت' ان کی خوشامد' ان کے کارناموں سے رضامندی' ان کے ساتھ مشابہت' ان کی دُنیوی نعمتوں کو للچائی نظروں سے دیکھنے اور بطورِ تعظیم ان کے ذکر سے روکا گیا ہے۔(۴۹)

۶- ﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْھِمْ بِالْمَوَدَّۃِ وَقَدْ کَفَرُوْا بِمَا جَآءَ کُمْ مِّنَ الْحَقِّ ج یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاکُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ رَبِّکُمْ ط اِنْ کُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِھَادًا فِیْ سَبِیْلِیْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِیْ تُسِرُّوْنَ اِلَیْھِمْ بِالْمَوَدَّۃِ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَیْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ط وَمَنْ یَّفْعَلْہُ مِنْکُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ﴾ (الممتحنۃ:۱)

''اے ایمان والو! میرے اور خود اپنے دشمنوں کو اپنا دوست نہ بناؤ' تم تو دوستی سے ان کی طرف پیغام بھیجتے ہو اور وہ اس حق کے ساتھ جو تمہارے پاس آ چکا ہے کفر کرتے ہیں۔ پیغمبر کو اور خود تمہیں بھی محض اس وجہ سے جلاوطن کرتے ہیں کہ تم اپنے ربّ پر ایمان رکھتے ہو۔ اگر تم میری راہ میں جہاد کے لئے اور میری رضامندی کی طلب میں نکلتے ہو (تو ان سے دوستیاں نہ کرو) تم ان کے پاس محبت کا پیغام پوشیدہ پوشیدہ بھیجتے ہو' اور مجھے خوب معلوم ہے جو تم نے چھپایا اور وہ بھی جو تم نے ظاہر کیا۔ تم میں سے جو بھی اس کام کو کرے گا وہ راہِ راست سے بھٹک جائے گا۔''

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بہت ہی واضح طور پر یہ بیان فرما دیا کہ جو شخص بھی کافروں سے' جو اللہ کے بھی دشمن ہیں اور مسلمانوں کے بھی دشمن ہیں' دوستی ورفاقت رکھے گا وہ صراطِ مستقیم سے بھٹک کر گمراہی وضلالت کی راہ پر چل پڑے گا' خواہ یہ دشمن مؤمنین کے رشتہ دار اور عزیز دار ہی کیوں نہ ہوں۔

اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں جن میں سے بعض آیات حسب موقع ومحل مضمون میں نظر آ جائیں گی۔

احادیثِ رسول ﷺ میں ولاء وبراء

۱۔ حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب میں ایمان لانے کے لئے خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ میرے اوپر جو شرط لگانا چاہیں لگائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((تَعْبُدُ اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُ بِہٖ شَیْئًا وَتُصَلِّی الصَّلَاۃَ الْمَکْتُوْبَۃَ وَتُؤَدِّی الزَّکَاۃَ الْمَفْرُوْضَۃَ وَتَنْصَحُ الْمُسْلِمَ وَتَبْرَأُ مِنَ الْکَافِرِ))(۵۰)

''اللہ کی عبادت کرو' اس کے ساتھ کچھ بھی شرک نہ کرو' فرض نماز پڑھو' فرض زکوٰۃ دو' مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کرو اور کافر سے براءت کا اظہار کرو۔''

۲۔ حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ جب اسلام لانے کے لئے خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوئے اور اسلام کی بنیادی باتوں کی معلومات چاہیں تو آپ ﷺ نے انہیں جو اصولی باتیں بتلائیں تھیں ان میں سے یہ بھی تھا کہ:

((لَا یَقْبَلُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ مِنْ مُشْرِکٍ بَعْدَ مَا اَسْلَمَ عَمَلًا اَوْ یُفَارِقُ الْمُشْرِکِیْنَ اِلَی الْمُسْلِمِیْنَ))(۵۱)

''اللہ تعالیٰ کسی مشرک کے اسلام لانے کے بعد اس کا کوئی عمل اس وقت تک قبول نہیں فرماتا جب تک کہ وہ مشرکین سے جدا ہو کر مسلمانوں کے پاس نہ آ جائے۔''

۳۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے سوال فرمایا کہ: ''ایمان کا سب سے مضبوط کڑا

---

(۴۸) تفسیر ابن کثیر ۲/۹۵۔ (۴۹) الدرر السنیۃ' ۱۵/۴۷۶۔ (۵۰) مسند احمد ۴/۳۵۷'۳۵۸۔ وسنن النسائی ۷/۱۴۸۔ الفاظ مسند احمد کے ہیں۔ نیز دیکھئے ارواء الغلیل: ۱۲۰۷۔ (۵۱) مسند احمد ۵/۴۔ وسنن النسائی ۵/۸۳' کتاب الزکاۃ۔ ومستدرک الحاکم ۴/۶۷۔ نیز دیکھئے السلسلۃ الصحیحۃ للالبانی' ج ۳۶۹۔

کیا ہے؟ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْمَوَالَاةُ فِی اللّٰهِ وَالْمُعَادَاةُ فِی اللّٰهِ وَالْحُبُّ فِی اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰهِ))(۵۲)

''اللہ کی رضا کی خاطر وفاداری‘ اللہ ہی کے لئے دشمنی و بےزاری‘ اور اللہ ہی کے لئے محبت اور اللہ ہی کے لئے دشمنی۔''

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَنَابَرِیءٌ مِنْ کُلِّ مُسْلِمٍ یُقِیْمُ بَیْنَ اَظْهُرِ الْمُشْرِکِیْنَ)) (۵۳)

''میں ہر اُس مسلمان سے براءت کا اظہار کرتا ہوں جو مشرکین کے ساتھ قیام پذیر ہے۔''

یعنی جو مشرکین سے اعلان براءت نہ کرے‘ بلکہ اسلام لانے کے بعد بھی اس کی موالات انہی کے ساتھ رہے اس سے اللہ کے رسول ﷺ بری ہیں۔

۵۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے:

من احبّ فی اللّٰه وابغض فی اللّٰه وعاد ووالی للّٰه فانّه لا تنال ولایة اللّٰه الا بذلک‘ ولا یجد رجلٌ طعم الایمان وان کثرت صلاته وصیامه حتی یکون کذلک‘ وقد صارت مواخاة الناس الیوم فی امر الدنیا وذلک لایجزی عن اهله شیئا یوم القیامة(۵۴)

''جس نے اللہ کے لئے محبت کی اور اللہ کے لئے دشمنی کی‘ اللہ ہی کے لئے عداوت رکھی اور اللہ ہی کے لئے موالات کی تو اس کے ذریعہ ولایت الٰہی تک پہنچ سکتا ہے۔ اور کوئی بھی بندہ اس وقت تک ایمان کی لذت اور چاشنی نہیں پاسکتا چاہے وہ کتنا ہی نماز وروزہ کا پابند ہو جب تک اس میں یہ صفات نہ پائی جائیں‘ لیکن اس وقت زیادہ تر لوگوں کی بھائی چارگی دنیاوی معاملات میں ہے جو قیامت تک ان کے کسی کام نہیں آسکتی۔''

علامہ فضیلۃ الشیخ ابن العثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ کوئی بھی انسان خواہ کتنا ہی نماز وروزہ کا اہتمام کرنے والا ہو‘ جب تک اس میں یہ صفات نہ پائی جائیں وہ ایمان کی مٹھاس اور لذت نہیں حاصل کرسکتا‘ کیونکہ کسی صاحب عقل سے‘ چہ جائیکہ وہ مسلمان ہو‘ یہ کیسے امید رکھی جاسکتی ہے کہ وہ اللہ کے دشمنوں سے موالات اور دوستی رکھے! وہ یہ دیکھ رہا ہے کہ یہ اللہ کا دشمن ہے‘ اپنے پالنہار کے ساتھ شرک وکفر کررہا ہے‘ وہ اس کے اندر عیب اور نقص کا دعوے دار ہے‘ پھر بھی وہ ایسے لوگوں سے محبت کرے اور موالات رکھے! یہ شخص تو چاہے ساری رات نماز پڑھتا رہے‘ سارا دن روزے کی حالت میں رہے تو بھی ایمان کی لذت سے محروم رہے گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ تمہارا دل اللہ کی محبت اور اس کے ساتھ موالات سے بھرا رہے اور اللہ کے دشمنوں کی دشمنی اور ان کے ساتھ بغض ومعادات سے پُر رہے۔(۵۵)

ان احادیث کے علاوہ متعدد احادیث وآثار میں ولاء وبراء کی اہمیت واضح کی گئی ہے‘ جن میں سے بہت سی احادیث اگلے صفحات میں اپنے اپنے موقع پر آرہی ہیں۔

موالاتِ محرّمہ کی بعض صورتیں

موالاتِ محرمہ کی متعدد صورتیں ہوسکتی ہیں اور اُن میں سے بہت سی ہمارے درمیان پائی جارہی ہیں۔ کچھ تو ان میں سے کفر اکبر ہیں اور کچھ کفر اصغر‘ اور کچھ صرف حرمت کا درجہ رکھتی ہیں۔ علّامہ شیخ سلیمان (۵۶) بن عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب رحمہم اللہ نے آیاتِ کریمہ اور احادیثِ شریفہ اور اقوالِ صحابہ وتابعین سے موالات ومعادات (وفاداری وبےزاری) کی حقیقت واضح کرنے کے بعد کافروں کے ساتھ موالات کی کل بیس صورتوں کا ذکر فرمایا ہے۔(۵۷)

---

(۵۲) الطبرانی الکبیر وغیرہ‘ قریب ہی اس کی تخریج گزر چکی ہے۔ (۵۳) سنن ابی داؤد: ۲٦٤٥‘ الجهاد‘ باب النهی عن قتل من اعتصم بالسجود۔ وسنن الترمذی: ١٦٠٥‘ السیر‘ باب ٤٣ عن جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ۔ (۵۴) الزهد لابن المبارک: ۳٥۳‘ ص ١٢٠‘ ١٢١۔ کتاب الاخوان لابن ابی الدنیا: ۲۲۔ تقریباً اسی مفہوم میں یہ روایت مرفوعاً بھی مروی ہے۔ (مسند احمد ۴۲۰/۳‘ حلیۃ الاولیاء ۳۱۲/۱) لیکن اس کی سند ضعیف ہے اس لئے اسپر اعتماد نہیں کیا گیا۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ یہ اثر موقوف ضرور ہے لیکن مرفوع کے حکم میں ہے۔ القول المفید ۵۷/۲۔ دوسرا ایڈیشن (۵۵) القول المفید علی کتاب التوحید ١٥٥/٢۔ پہلا ایڈیشن (۵۶) علامہ موصوف شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے پوتے ہیں۔ ۱۲۰۰ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی تفسیر وحدیث و ⇐

یہاں ان تمام صورتوں کو بالتفصیل اور دلائل کے ساتھ نہیں رکھا جا سکتا۔ صرف چند صورتیں جو ہمارے یہاں کثرت سے رائج ہیں' ان کو پیش کیا جا تا ہے۔ تفصیل کے لئے درج ذیل کتابوں کی طرف رجوع کریں:

العبرة مما جاء فی الغزو والشّھادة والھجرة کا آخری باب' تالیف: نواب صدیق حسن خان۔ **الدرر السنیة فی الاجوبة النجدیة** کی ۹'۸'۱۰ویں جلدیں اور **الولاء والبراء فی الاسلام**' تالیف: محمد سعید القحطانی وغیرہ۔

موالات کی بعض رائج صورتیں جنہیں ہم مستقل بحثوں کی شکل میں پیش کر رہے ہیں:

۱- نصرت و تائید۔

۲۔ محبت اور دوستی۔

۳۔ احترام اور تعظیم۔

۴۔ میل ملاپ اور سکونت۔

۵۔ مشابہت۔

۶۔ باہم رازداری۔

⇐ عقیدہ اور فقہ کے آپ امام تھے۔ آپ کی تالیفات اس کی شاہد ہیں' حالانکہ صرف ۳۲ سال ہی کی عمر میں آپ کی شہادت ہوئی ہے۔ اپنے دادا کی نادر روزگار کتاب التوحید کی آپ نے شرح لکھی جس کا نام تیسیر العزیز الحمید رکھا جس کے اندر توحید کے مقاصد کو کھول کھول کر رکھ دیا۔ ۱۲۳۳ھ میں ابراہیم پاشا مصری نے اسلامی قلعہ درعیہ کو جب اجاڑا تو شیخ موصوف کو توپ کے سامنے کھڑا کر کے اڑا دیا۔ رحمہ اللہ و برکاتہ علیہ (مشاہیر علماءِ نجد' ص ۴۴۔ الاعلام ۳/ ۱۲۹)۔ (۵۷) الدرر السنیة فی الاجوبة النجدیة ۸/ ۱۵۴' ۱۵۵۔ ڈاکٹر ابراہیم البریکان نے اپنی کتاب المدخل لدراسة العقیدة الاسلامیہ کے اندر حقوق الولاء کے عنوان سے موالات کی سولہ صورتوں کا ذکر کیا ہے اور اسی کے مقابل حقوق البراء کے نام سے معادات کی سولہ صورتوں کا ذکر کیا ہے۔ دیکھئے المدخل' ص ۲۳۲ سے ۲۳۷ تک۔

پہلی بحث

نصرت وتائید

موالات کے لغوی اور شرعی معنی سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کے ولی ہونے کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے معاون ومددگار رہوتے ہیں' جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ط وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَالَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ج وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ م بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ (الانفال:۷۲)

جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مال وجان سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے ان کو پناہ دی اور مدد کی یہ سب آپس میں ایک دوسرے کے ولی اور رفیق ہیں۔ اور جو ایمان تو لائے ہیں لیکن ہجرت نہیں کی تمہارے لئے ان کی کچھ بھی رفاقت نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں۔ ہاں' اگر وہ تم سے دین کے بارے میں مدد طلب کریں تو تم پر مدد کرنا ضروری ہے' سوائے ان لوگوں کے کہ تم میں اور ان میں عہد وپیان ہے ۔تم جو کچھ کررہے ہو اللہ خوب دیکھتا ہے۔''

اللہ کے رسول ﷺ نے اسی رشتہ کو اور مضبوط کرتے ہوئے فرمایا:

((اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا))

''اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔''

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا:

((مَامِنْ مُسْلِمٍ يَخْذُلُ امْرَاً مُسْلِمًا فِي مَوْطِنٍ يُنْتَقَصُ فِيْهِ مِنْ عِرْضِهِ وَيُنْتَهَكُ فِيْهِ مِنْ حُرْمَتِهِ اِلَّا خَذَلَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ مَوْطِنٍ يُحِبُّ فِيْهِ نُصْرَتَهُ ' وَمَا مِنْ اَحَدٍ يَنْصُرُ مُسْلِمًا فِيْ مَوْطِنٍ يُنْتَقَصُ فِيْهِ مِنْ عِرْضِهِ وَيُنْتَهَكُ فِيْهِ مِنْ حُرْمَتِهِ اِلَّا نَصَرَهُ اللّٰهُ فِيْ مَوْطِنٍ يُحِبُّ فِيْهِ نُصْرَتَهُ)) (۵۹)

''جو کسی مسلمان کو ایسی جگہ رُسوا کرے گا جہاں اس کی عزت پر حملہ کیا جارہا ہو اور احترام کو مٹی میں ملایا جارہا ہو تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو اس جگہ رسوا کرے گا جہاں اسے مدد درکار ہوگی' اور جو کسی مسلمان کی مدد اُس جگہ کرے جہاں اُس کی حرمت پامال اور عزت پر حملہ کیا جارہا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد اُس جگہ فرمائے گا جہاں اسے مدد عزیز ہوگی۔''

مذکورہ بالا آیت اور احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ ایک مؤمن کا دوسرے مؤمن کے لئے ولی ودوست ہونے کا مفہوم یہ بھی ہے کہ وہ اس کا معین ومددگار ہو۔
اس کے برعکس کافر سے معادات وبراء کا مفہوم یہ ہے کہ مؤمن کی نصرت ومدد کسی کافر کے لئے نہیں ہے۔ یہ حکم چونکہ مختصر اور مجمل ہے لہٰذا اس کی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

کافر ومشرک کی نصرت وتائید کی متعدد صورتیں ہوتی ہیں اور ہر صورت کا حکم دوسری صورت سے مختلف ہے۔ نصرت وتائید کی چند صورتیں درج ذیل ہیں:

۱۔ مسلمانوں کے مقابلے میں کافر کی مدد کرنا۔

۲۔ کافروں کے لئے جاسوسی کرنا۔

---

(۵۹) مسند احمد ۴/ ۳۰۔ وسنن ابی داؤد: ۴۸۸۴ الادب ' باب من ردّ عن مسلم غيبة ' بروایت جابر بن عبداللہؓ وابوطلحہ الانصاریؓ۔ امام البانیؒ نے حسن کہا ہے۔ صحیح الجامع الصغیر :۵۶۹۰۔

۳۔ کافروں کی مدد کافروں کے مقابلے میں کرنا (جب وہاں کوئی مصلحت پوشیدہ ہو)

۴۔ کافروں کی مدد کافروں کے مقابلے میں کرنا (جب وہاں کوئی مصلحت پوشیدہ نہ ہو)

پہلی صورت: مسلمانوں کے مقابلہ میں کافروں کی مدد کرنا

کافروں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنا اور اپنے مال و جان اور زبان و ہتھیار سے کافروں اور منافقوں کا دفاع کرنا اسلام کے منافی امور میں داخل ہے اور صریح کفر ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰہِ فِیْ شَیْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْھُمْ تُقٰۃً ط وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ ط وَاِلَی اللّٰہِ الْمَصِیْرُ ﴿ (آل عمران:۲۸)

’’مؤمنین اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق اور یار و مددگار ہرگز نہ بنائیں جو ایسا کرے گا اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہاں یہ معاف ہے کہ تم اُن کے ظلم سے بچنے کے لئے بظاہر ایسا طرزِ عمل اختیار کر جاؤ، مگر اللہ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے اور تمہیں اللہ ہی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔‘‘

امام المفسرین ابوجعفر الطبری رحمہ اللہ اس آیت میں فرماتے ہیں:

’’اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے مؤمنو! کافروں کو اپنا مؤید اور مددگار نہ بناؤ کہ ان کے دین میں ان سے تعاون رکھو، مسلمانوں کے خلاف ان کی مدد کرو اور مسلمانوں کے راز اُن پر فاش کرو، اس لئے کہ کسی نے اگر ایسا کیا تو ’’فَلَیْسَ مِنَ اللّٰہِ فِیْ شَیْءٍ‘‘ یعنی وہ اپنے دین سے پھر گیا اور کفر میں داخل ہو کر اللہ سے بری اور اللہ اُس سے بری ہو گیا، اِلَّا یہ کہ تم ان کی حکومت میں ہو تو اپنی زبان سے ان سے دوستی کا اظہار کرو لیکن دل میں ان کے لئے بغض و دشمنی چھپائے رکھو اور ان کے کفر یہ کاموں میں ان کی تائید نہ کرو اور نہ ہی مسلمانوں کے خلاف ان کی مدد کرو۔‘‘(۶۰)

۲۔ سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِھِمْ قَالُوْا فِیْمَا کُنْتُمْ قَالُوْا کُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَکُنْ اَرْضُ اللّٰہِ وَاسِعَۃً فَتُھَاجِرُوْا فِیْھَا فَاُولٰٓئِکَ مَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ﴿ (النساء:۹۷)

’’جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں جب فرشتے ان کی روحیں قبض کرتے ہیں تو پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے؟ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم اپنی جگہ کمزور اور مظلوم تھے۔ فرشتے کہتے ہیں: کیا اللہ تعالیٰ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ ہجرت کر جاتے؟ یہی وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ پہنچنے کی بری جگہ ہے۔‘‘

مفسرِ قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے شانِ نزول سے متعلق فرماتے ہیں کہ:

’’مکہ مکرمہ میں کچھ لوگ مسلمان ہو گئے، لیکن اسلام کو چھپائے ہوئے تھے۔ جب مشرکین مکہ غزوۂ بدر کے لئے نکلے تو انہیں بھی اپنے ساتھ لے نکلے۔ ان کا مقصد مسلمانوں سے لڑائی تو نہ تھا لیکن چونکہ اس سے کفار کی طاقت میں اضافہ اور تعداد میں زیادتی ہوئی تھی اس لئے یہ بات ضرور قابل گرفت تھی۔ ان میں کچھ لوگ غزوۂ بدر میں قتل بھی ہوئے جن سے متعلق مسلمانوں کو افسوس تھا اور کچھ لوگوں نے ان کے لئے استغفار کرنا چاہا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں صراحت کے ساتھ انہیں جہنمی قرار دیا گیا۔‘‘(۶۱)

ا۔ اسی سورت میں ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿ فَمَا لَکُمْ فِی الْمُنٰفِقِیْنَ فِئَتَیْنِ وَاللّٰہُ اَرْکَسَھُمْ بِمَا کَسَبُوْا ط اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَھْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰہُ ط وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَلَنْ تَجِدَ لَہٗ سَبِیْلًا ، وَدُّوْا لَوْ تَکْفُرُوْنَ کَمَا کَفَرُوْا فَتَکُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْھُمْ اَوْلِیَآءَ حَتّٰی یُھَاجِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ط فَاِنْ تَوَلَّوْا

---

(۶۰) تفسیر الطبری ۳/۲۲۷۔ (۶۱) تفسیر الطبری ۴/۲۵۳۔ فتح الباری ۸/۱۱۲، کتاب التفسیر، باب ۱۹، زیر شرح حدیث ۴۵۹۶۔ یہ حدیث بخاری شریف میں بھی ہے لیکن کچھ مختصر ہے اس لئے اس کی طرف صرف اشارے سے کام لیا گیا ہے۔

﴿فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْاهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُمُوْهُمْ ۖ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا﴾ (النساء:۸۸،۸۹)

''تمہیں کیا ہوگیا کہ منافقوں کے بارے میں دوگروہ ہورہے ہو؟ انہیں تو ان کے اعمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اندھا کردیا ہے۔ اب کیا تم یہ منصوبے باندھ رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے گمراہ کئے ہوؤں کو تم راہِ راست پر لا کھڑا کرو؟ جسے اللہ تعالیٰ راہ بھلا دیں تو آپ ہرگز اس کے لئے کوئی راہ نہ پائیں گے۔ ان کی تو چاہت ہے کہ جس طرح کے کافر وہ ہیں تم بھی اُن کی طرح کفر کرنے لگو اور پھر سب یکساں ہوجاؤ۔ پس جب تک یہ اسلام کی خاطر وطن نہ چھوڑیں ان میں کسی کو حقیقی دوست نہ بناؤ، پھر اگر یہ مُنہ پھیرلیں تو اُنہیں پکڑو اور قتل کرو جہاں بھی یہ ہاتھ لگ جائیں۔ خبردار اِن میں سے کسی کو اپنا رفیق اور مددگار نہ سمجھ بیٹھنا!''

ان دونوں آیتوں کے متعدد شانِ نزول امام طبری رحمہ اللہ نے نقل کئے ہیں، لیکن سیاق وسباق کو پیش نظر رکھتے ہوئے جسے راجح قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ:

مکّہ مکرمہ اور اسی طرح مدینہ منورہ کے اطراف کے کچھ لوگ مسلمان تو ہوگئے تھے لیکن انہوں نے ہجرت نہ کی تھی، بلکہ وہ مشرکین ہی کے ساتھ رہتے تھے اور مسلمانوں کے خلاف کاروائیوں میں بھی شریک ہوتے تھے اور کافروں کی مدد بھی کرتے تھے۔ پھر ہوا یہ کہ وہ لوگ کسی غرض سے مکہ سے باہر نکلے یہ سمجھتے ہوئے کہ ہم لوگ مسلمان ہیں، مدینہ کے مسلمان ہم سے تعرض نہ کریں گے۔ اس وقت مدینہ منورہ کے لوگوں کا اُن کے بارے میں اختلاف ہوا، کچھ لوگوں نے تو کہا کہ ہم ان سے لڑیں گے کیونکہ وہ ہمارے خلاف مشرکین کی مدد کرتے رہے ہیں، جبکہ دوسرے گروہ نے کہا کہ چونکہ وہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھ چکے ہیں اس لئے ان سے مقابلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (۶۲) کہ ان لوگوں کے بارے میں تمہارے بیچ اختلاف نہیں ہونا چاہئے، بلکہ اصل میں یہ لوگ منافق ہیں، کیونکہ اوّلاً تو انہیں اسلام قبول کرلینے کے بعد ہجرت کرنی چاہئے تھی تاکہ مسلمانوں کی قوت میں اضافہ ہوتا، ورنہ کم سے کم انہیں تمہارے خلاف تمہارے دشمنوں کی مدد نہیں کرنی چاہئے کہ یہ تو اور بہت بڑا جرم ہے۔''

قابل غور مقام ہے کہ اس آیت میں صراحت کے ساتھ ایسے لوگوں کو منافق کہا گیا ہے جو اسلام لانے کے باوجود دیارِ کفر میں رہ کر کافروں کی تعداد میں اضافہ اور مسلمانوں کے خلاف جنگی کاروائیوں میں شریک ہوا کرتے تھے، حالانکہ ان کی نیت وقصد مسلمانوں کو نقصان پہنچانا نہ تھا۔

۴۔ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ، فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَاۗىِٕرَةٌ ۭ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰي مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ﴾ (المائدۃ:۵۱،۵۲)

''اے ایمان والو! تم یہود ونصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ یہ تو آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ تم میں سے جو بھی اِن میں سے کسی سے دوستی کرے وہ بے شک انہی میں سے ہے۔ ظالموں کو اللہ تعالیٰ ہرگز راہِ راست نہیں دکھاتا۔ آپ دیکھیں گے کہ جن کے دلوں میں بیماری (نفاق) ہے وہ دوڑ دوڑ کر ان میں گھس رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں خطرہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ کوئی حادثہ ہم پر پڑ جائے۔ بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح دے دے یا اپنے پاس سے کوئی چیز لائے، پھر تو یہ اپنے دلوں میں چھپائی ہوئی باتوں پر بے طرح نادم ہونے لگیں گے۔''

پہلی آیت میں وارد جملہ ﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ﴾ (تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی ورفاقت کرے وہ بے شک انہی میں سے ہے) خصوصی طور پر قابل غور ہے۔ امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جو شخص ان سے محبت کرے اور مؤمنین کے مقابلے میں اُن کی مدد کرے وہ انہی کے دین میں اور انہی کی ملت میں شمار ہے، کیونکہ جب کوئی کسی سے موالات رکھتا ہے تو وہ اس کے دین وعمل سے بھی راضی ہوتا ہے، اور جو کسی سے اور اس کے دین وعمل سے راضی ہوا وہ اس کے مخالف کا دشمن اور مخالف ہوا اور ان دونوں کا حکم ایک ہوا۔''(۶۳)

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں: ''وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ'' (جو مسلمانوں کے مقابلے میں کافروں کی مدد کریگا تو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ وہ انہی میں سے ہے(۶۴)

---

(۶۲) تفسیر الطبری ۱۹۵/٤ ۔تفسیر قرطبی ۲۹۳/۵ ۔ وتفسیر ابن کثیر ۷۰۹/۱ ومسند احمد: ۱۹۲/۱ ۔ (۶۳) تفسیر الطبری ٦۱۷/٤ ۔ (۶۴) الجمامع لاحکام القرآن ۲۰٤/٦ ۔ نیز دیکھئے تفسیر بحر المحیط ٤٤۲/۱، شافی العلیل للنجری الیمانی ۳۹٦۱، ۳۹۷ ۔ (۶۵) المحلی ۱۲٦/۱۲، مسئلہ رقم ۲۲۰۲ ۔ (۶۶) فتاوی الشیخ ابن باز ⇦

مذکورہ آیات کی روشنی میں علماء نے ہر ایسے شخص کو کافر قرار دیا ہے جو مسلمانوں کے مقابلے میں کافروں کی مدد کرتا ہے۔امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فان کان هناک محاربًا للمسلمین معینًا للکافرین بخدمته او کتابه فهو کافر (٦٥)

''اگر کوئی شخص دیارِ کفر میں مقیم رہ کر مسلمانوں سے قتال کرے اور کسی بھی قسم کی خدمت کر کے یا صرف نظامِ کفر کا کلرک بن کر کافروں کی مدد کرے' تو وہ کافر ہے۔''

علامہ ابن باز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علمائے اسلام اس پر متفق ہیں کہ جو شخص مسلمانوں کے مقابلے میں کافروں کی مدد کرے' خواہ وہ مدد کسی قسم کی بھی ہو' تو وہ شخص بھی انہی کی طرح کافر ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰىٓ اَوْلِيَآءَ ؕ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ ﴾

''اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ یہ تو آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔تم میں سے جو بھی اِن میں سے کسی سے دوستی کرے وہ بے شک انہی میں سے ہے۔'' (٦٦)

ان آیات اور ان کی تفسیر سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے مقابلے میں کافروں کی مدد کرنا کفر وارتداد ہے' خواہ وہ مدد ملکی پیمانے پر ہو یا علاقائی پیمانے پر یا انفرادی پیمانے پر' حتیٰ کہ اگر کوئی عذر پیش کرتا ہے کہ میں مسلمان ہوں اور میں کافروں کی مدد کرنے پر مجبور تھا' تو بھی اسے دنیا کے ظاہری احکام سے چھٹکارا نہیں ہے' البتہ اس کا باطن اللہ کے حوالے ہے۔چنانچہ کتبِ تفسیر میں سورۃ الانفال کی آیت ۷۰ (٦٧) کی تفسیر میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ مشرکین مکّہ کے ساتھ غزوۂ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ گرفتار ہوئے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فدیہ کا مطالبہ کیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں مسلمان تھا اور ان کے ساتھ مجبور ہو کر نکلا ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا یہ عذر قبول نہیں فرمایا اور کہا:

((اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِسْلَامِکَ ' فَاِنْ یَکُنْ کَمَا تَقُوْلُ فَاِنَّ اللّٰہَ یُجْزِیْکَ وَاَمَّا ظَاهِرُکَ فَقَدْ کَانَ عَلَیْنَا ' فَافْتَدِ نَفْسَکَ وَابْنَیْ اَخِیْکَ نوفل بن حارث وعقیل بن ابی طالبٍ وحلیفکَ عتبة بن عَمْرٍو)) (٦٨)

''اللہ تعالیٰ آپ کے اسلام کے بارے میں بہتر جانتا ہے' اگر آپ کا یہ کہنا صحیح ہے تو اللہ آپ کو اس کا بدلہ دے گا' لیکن چونکہ آپ کا ظاہر ہمارے خلاف تھا اس لئے اپنا فدیہ ادا کریں۔نیز اپنے دونوں بھتیجوں نوفل بن حارث اور عقیل بن ابی طالب اور اپنے حلیف عتبہ بن عمرو کا بھی فدیہ ادا کیجئے۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ ''بیس اوقیہ'' سونا بھی لے کر آئے تھے تا کہ اس سے لوگوں کا خرچ چلائیں' اور جب گرفتار ہوئے اور وہ سونا بھی مسلمانوں کے ہاتھ آیا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اس بیس اوقیہ سونا پر اکتفا کیجئے۔لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''جو چیز لے کر ہمارے خلاف مدد کے لئے نکلے ہو اُسے تو کبھی معاف نہیں کروں گا۔'' (٦٩)

دوسری صورت: کافروں کے لئے جاسوسی کرنا

کافروں کی مدد اور اُن کے ساتھ تعاون کی دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی مسلمان کافروں کے مفادات کے تحفظ کی خاطر مسلمانوں کی جاسوسی کرے۔یہ عمل ایک بڑی خیانت اور نا قابل معافی جرم ہے جسے کسی بھی قانون میں قابل معافی نہیں سمجھا گیا۔

١/٢٧٤ (نواقض اسلام ' ص ٣٩١)۔

(٦٧) ﴿يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ''اے نبی اپنے ہاتھ تلے کے قیدیوں سے کہہ دو کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی نیک نیتی دیکھے گا تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تمہیں دے گا اور تمہارے گناہ بھی معاف فرمائے گا' اللہ بخشنے والا مہربان ہے''۔

اگر کوئی ایسا مسلمان مسلم معاشرے میں رہ کر کافروں کے لئے جاسوسی کر رہا ہے جس سے اس کا مقصد کافروں کی طاقت کو مضبوط کرنا اور مسلمانوں پر انہیں فتح یاب کرنا ہو تو یہ چیز ارتداد اور اسلام کے منافی امور میں داخل ہے' کیونکہ اس کے اس عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسے کفر سے محبت اور اسلام سے دشمنی ہے۔ لیکن اگر اس جاسوسی کا مطلب محض دنیاوی مصلحت کا حصول ہو اور مسلمانوں کی طاقت کو کمزور کرنا اس کا مقصد نہ ہو اور نہ ہی کافروں کی کامیابی پر اُسے خوشی حاصل ہوتی ہو تو پھر بھی یہ عمل گناہ کبیرہ میں شمار ہوگا' البتہ ارتداد کا حکم اس پر نہ لگے گا۔ (۷۰)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّىْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ؕ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِىْ سَبِيْلِىْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِىْ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ﴾ (الممتحنة: ۱)

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! میرے اور خود اپنے دشمنوں کو اپنا دوست نہ بناؤ' تم دوستی سے اُن کی طرف پیغام بھیجتے ہو اور وہ اس حق کے ساتھ جو تمہارے پاس آ چکا ہے کفر کرتے ہیں۔ رسول (ﷺ) کو اور خود تم کو بھی محض اس وجہ سے جلاوطن کرتے ہیں کہ تم اپنے ربّ پر ایمان رکھتے ہو۔ اگر تم میری راہ میں جہاد کے لئے اور میری رضامندی کے طلب میں نکلتے ہو (تو ان سے دوستیاں نہ کرو) تم ان کے پاس محبت کا پیغام پوشیدہ بھیجتے ہو اور مجھے خوب معلوم ہے جو تم نے چھپایا ہے اور وہ بھی جو تم نے ظاہر کیا ہے۔ تم میں سے جو بھی اس کام کو کرے گا وہ یقیناً راہِ راست سے بھٹک جائے گا۔''

اس سورت کی ابتدائی آیات کے شانِ نزول کے متعلق جو قصہ کتبِ تفسیر وحدیث میں مروی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول ﷺ اور قریش کے مابین جو صلح نامہ لکھا گیا تھا اس میں یہ معاہدہ تھا کہ بیچ کے دس سال کے لئے جنگ بندی رہے گی۔ جو شخص محمد (ﷺ) کا حلیف بننا چاہے بن سکتا ہے اور جو قریش کا حلیف بننا چاہے بن سکتا ہے۔ اس معاہدے کے تحت مشہور قبیلہ بنوخزاعہ مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو گئے اور بنوبکر کے لوگ کفارِ قریش کے معاہدے میں داخل ہو گئے' لیکن ادھر دو سال بھی نہ گزرے کے کفار نے اس معاہدے کی خلاف ورزی کی اور بنوخزاعہ کے خلاف بنوبکر کی مدد کی۔ قریش کی اس عہد شکنی کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے مکہ مکرمہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی غزوے کی تیاری کا حکم دیا' لیکن اس خبر کو آپ ﷺ نے پردۂ راز میں رکھا اور پوری کوشش رہی کہ قریش پر حملے کا معاملہ جاسوسوں اور خبر رسانوں کے ذریعے نہ پہنچ سکے' لیکن ایک بدری صحابی حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے قریش کو ایک رقعہ لکھ کر یہ اطلاع بھیجی کہ رسول اللہ ﷺ حملہ کرنے والے ہیں۔ انہوں نے یہ رقعہ ایک عورت کو دیا اور اسے قریش تک پہنچانے پر معاوضہ دیا۔

رسول اللہ ﷺ کو آسمان سے خبر آئی اور آپ ﷺ نے حضرات علیؓ' زبیرؓ' مقدادؓ اور ابومرثد غنوی رضی اللہ عنہم کو یہ کہہ بھیجا کہ روضۂ خاخ نامی جگہ پر جاؤ' وہاں ایک ہودج نشین عورت ہوگی جس کے پاس ایک رقعہ ہوگا' وہ اس سے لے لینا۔ انہوں نے جا کر عورت سے رقعہ طلب کیا لیکن اس نے کہا میرے پاس کوئی رقعہ نہیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ یا تو رقعہ نکالو یا ہم تمہیں برہنہ کر کے تلاشی لیں گے۔ اس پر اس نے اپنے بالوں کے جوڑے سے رقعہ نکالا۔ یہ لوگ اسے لے کر نبی ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''حاطب یہ کیا ہے؟ حاطب نے معذرت کی کہ مکّہ میں اُن کے اہل وعیال اور بال بچے ہیں اور قریش میں ان کی قرابت نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے وہ ان کے بال بچوں کی حفاظت کریں' ورنہ انہوں نے یہ کام نہ اسلام سے مرتد ہونے کے سبب کیا ہے نہ کفر سے راضی ہونے کے سبب۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! مجھے چھوڑ دیئے میں اس کی گردن ماردوں' کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول سے خیانت کی ہے اور منافق ہو گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ جنگ بدر میں حاضر ہو چکا ہے اور تمہیں کیا پتہ! ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر میں نمودار ہو کر کہا ہو کہ تم لوگ جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا'' یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھیں نم ہو گئیں اور کہا کہ: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ (۷۱)

---

(۶۸) تفسیر ابن کثیر ۴۳۲/۲۔ نیز دیکھئے اسباب النزول للواحدی' ص ۱۹۶۔ الحاکم فی المستدرک ۳۲۴/۳ وغیرہ۔ تفسیر البغوی ۳۷۸/۳'۳۸۹۔ معجم الطبرانی فی الاوسط میں بھی یہ روایت ہے لیکن مختصر ہے جس کی سند کو علامہ ہیثمی نے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے مجمع الزوائد ۲۸/۷۔ (۶۹) المصادر السابقة۔ (۷۰) الوالاء والبراء فی الاسلام محمد بن سعید القحطانی ص ۲۹۹ ⇦

آیت کے ترجمے اور سببِ نزول سے چند معلومات حاصل ہوتی ہیں:

۱۔ کفار و مشرکین سے موالات اور ان کی طرف دوستی کا پیغام اسلام کے منافی اور ملت ابراہیمی کے خلاف ہے۔

۲۔ چونکہ کفار و مشرکین اللہ اور اس کے دین کے دشمن ہیں اس لئے وہ مؤمنین کے بھی دشمن ہیں' کیونکہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ اللہ کی نازل کی ہوئی شریعت کا انکار کیا بلکہ اس کے ماننے والوں پر زندگی کی راہیں بھی تنگ کر دی ہیں' جس کے نتیجے میں رسول ﷺ اور مؤمنوں کو اپنا گھر اور ساری جائیداد چھوڑ کر ہجرت کرنا پڑی۔ پھر یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ ایک مؤمن ان سے دوستی و محبت کے تعلقات رکھے۔ یہ تو عقل و خرد کے قطعاً خلاف ہے۔

۳۔ مسلمانوں کو ہوشیار چاک و چوبند رہنا چاہئے کہ ان کی اولاد اور ان کے اقارب کہیں انہیں کفر کی طرف نہ لے چلیں' وہ اس طرح کہ ان کی محبت میں آ کر کوئی ایسی حرکت کر گزریں جو اسلام سے خارج ہونے کا سبب بن جائے۔

۴۔ دنیا کے سارے رشتے دنیا ہی میں رہ جائیں گے۔ آخرت میں جزاء و سزاء کا معیار صرف ایمان باللہ اور اعمالِ صالحہ ہوگا' اس لئے کسی مسلمان کو اس دنیا کے لئے آخرت کو برباد نہیں کرنا چاہئے۔ اس سورت کی آیت نمبر۲ اور ۳ میں یہ مفہوم صراحتاً مذکور ہے۔

۵۔ مسلمانوں کی جاسوسی کسی بھی صورت میں جائز نہیں' خواہ اپنے جان و مال اور قریب سے قریب عزیز و اقارب کو کتنا ہی خطرہ لاحق ہو۔

۶۔ مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کرنا' ان کے راز کو غیر مسلموں تک پہنچانا اور ان کے خلاف پلاننگ کرنا اسلام کے منافی امر ہے' اس سے ارتداد اور نفاق لازم آتا ہے اور ایسا شخص قتل کا مستحق ہے' جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور اللہ کے رسول ﷺ نے اس پر اُن کی تردید نہیں کی (۷۲) بلکہ صرف بدری صحابی ہونے کے ناطے ایک طرح کی رعایت دی یا اکرام کیا۔

۷۔ لیکن اگر ایسا کرنے والا شخص صحیح عقیدہ کا حامل رہا ہو' اس کا ماضی اور ماضی میں اس کی خدمات بتلا رہی ہوں کہ اسے جاسوسی میں اسے کفر و شرک کی محبت نہیں

۸۔ بلکہ کسی دنیاوی مصلحت نے ابھارا ہے' تو ایسا شخص اسلام سے خارج تو نہ ہوگا البتہ گناہ کبیرہ کا مرتکب سمجھا جائے گا۔ اور یہ گناہ نفاق بھی ہوسکتا ہے۔ (۷۳) بسا اوقات انسان کی گزشتہ نیکیاں اس کے کبیرہ گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہیں' جیسا کہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا معاملہ تھا۔

۹۔ مسلمان جاسوس کی سزا امام کی رائے پر ہے' چاہے تو اسے قتل کر دے یا کوئی اور سزا تجویز کرے اور چاہے تو معاف کر دے۔ (۷۴)

۱۰۔ جو لوگ معاشرے کی جان سمجھے جاتے ہوں اور ان کی خدمات سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہو تو بعض کوتاہیوں میں ان کی غلطیوں سے درگزر کیا جاسکتا ہے۔

جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ آپ اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَقِيْلُوا عَنْ ذَوِي الْهَيْئَاتِ عَثَرَاتِهِمْ اِلَّا الْحُدُوْدَ)) (۷۵)

''صاحبِ حیثیت[۱] لوگوں کی غلطیوں سے درگزر کر لیا کرو' البتہ حدود کے معاملے میں کسی رعایت کی گنجائش نہیں۔''

خلاصہ یہ کہ بدنیتی سے مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کرنا' ان کے بھیدوں کو دشمنوں تک پہنچانا' ان کے منصوبے کی خبر کافروں کو دینا اور مسلمانوں پر کافروں کے غلبہ کے لئے کوشاں رہنا اسلام کے منافی امور میں داخل ہے۔ (۷۶)

تیسری صورت: کافر کے مقابلے میں کافر کی مدد

یہ کافروں کی مدد کی تیسری صورت ہے۔ ایک کافر قوم کی مدد دوسری کافر قوم کے مقابلے میں کی جائے جس سے مقصد کافروں کی طاقت کو توڑنا اور کمزور کرنا ہو' تاکہ اس

---

(۷۱) تجلیات نبوت' ص۳۲۲ دیکھئے صحیح البخاری 'کتاب استتابة المرتدین' باب ماجاء فی المتأولین ح ٦٥٤٠۔ (۷۲) امام ذہبی رحمہ اللہ کتاب الکبائر میں میں فرماتے ہیں: اگر اس جاسوسی سے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچے' مسلمانوں کا قتل ہونا' لوٹا جانا مترتب ہو تو ایسا شخص زمین میں فساد اور حرث و نسل کی بربادی کے لئے کوشاں ہے' اس کا قتل متعین ہے اور سخت عذاب کا مستحق ہے۔ الکبائر' ص۲۱۶۔ (۷۳) دیکھئے الکبائر للذهبی' ص ٢١٦۔ (۷۴) زادالمعاد ٤٢٢/٣۔ (۷۵) الادب المفرد للامام البخاری: ٤٦٥' باب ٢١٧' باب الرفق۔ و مسند احمد ١٨١/٦۔ و سنن ابی داؤد: ٤٣٧٥' الحدود' باب الستر علی اهل الحدود (عن عائشہؓ) البانیؒ نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو سلسلة الاحادیث الصحیحة : ٦٨٣۔ [۱] صاحبِ حیثیت سے مراد مال دار نہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جن کا معاشرے میں خدمت کی وجہ سے ایک مقام بنا ہوا ہے اور لوگوں کو ان کی ذات سے فائدہ پہنچتا ہو۔ (نورانی) (۷۶) الایمان لنعیم بن یاسین' ص ١٩٢۔

طرح ان کی اجتماعی قوت کو نقصان پہنچے اور وہ اکھٹے ہو کر مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچا سکیں' ایسا کرنا جائز اور بسا اوقات مستحب ہوگا' خصوصاً جبکہ اس عمل سے مقصود کافروں کی طاقت کو توڑ کر مسلمانوں کی طاقت کو مضبوط کرنا ہو۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِئٍ مَا نَوٰی)) (۷۷)

''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر آدمی کو اس کے اعمال سے وہی کچھ ملے گا جس کی اس نے نیت کی۔''

یہیں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس مدد کا مقصد اگر کافروں کی جماعت سے تعلقات اور دوستی ہے تو یہ صورت جائز نہ ہوگی' کیونکہ اس سے اس کی نیت اسلام اور مسلمانوں سے محبت نہیں بلکہ کفر اور کافر سے تعلقات اور دوستی ہے۔

چوتھی صورت: کافر کے مقابلے میں کافر کی مدد (بغیر کسی مقصد کے)

کافروں کی مدد کی یہ چوتھی صورت ہے کہ کفار کی مدد دوسرے کافروں کے مقابلے میں کی جائے' لیکن اس میں مسلمانوں کے فائدے کی کوئی مصلحت پوشیدہ نہ ہو' بلکہ بغیر کسی فائدے کے صرف رواداری کی بنیاد پر کافروں کی مدد کی جارہی ہو' جیسا کہ اس وقت عالمی نظام کے جدید قوانین کے مطابق مسلم ممالک کی فوجیں اقوام متحدہ کی سرکردگی میں اِدھر اُدھر بھیجی جاتی ہیں' یہ صورت قطعاً ناجائز ہے' کیونکہ جہاد کا مقصد باطل کو سرنگوں اور اسلام کے جھنڈے کو بلند کرنا ہے' اور جہاں یہ مقصد نہ ہوگا وہاں مسلمانوں کے لئے اپنی طاقت کو داؤ پر لگانا جائز نہ ہوگا' اور اس لئے بھی کہ اس قسم کی لڑائی میں کچھ مسلمانوں کا خون بھی رائیگاں ہوگا' اور ظاہر ہے کہ کسی مسلمان کا خون اللہ کے ہاں اس قدر بے قیمت اور سستا نہیں کہ اسے کافروں کے ساتھ رواداری میں بہا دیا جائے' لہٰذا ایسا کرنا جائز نہیں۔ (۷۸)

---

(۷۷) صحیح البخاری، پہلی حدیث۔ صحیح مسلم: ۱۹۰۷' الامارة' باب ۳۵۔ (۷۸) از کیسٹ شرح نواقض اسلام شیخ عبداللہ عبدالرحمٰن السعد حفظہ اللہ

محبت اور دوستی

''ولاء'' کے لغوی اور شرعی مفہوم میں محبت اور دوستی بھی داخل ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ 'ولاء' کا تقاضا محبت و دوستی بھی ہے' یعنی جس سے ایک مؤمن کی موالات ہو اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ محبت و دوستی بھی اس سے ہو۔ چنانچہ کلمۂ اخلاص کی قبولیت کی شرائط میں علماء نے محبت کا بھی ذکر کیا ہے۔ یعنی یہ کلمہ بندے کے لئے سودمند اور نجات کا باعث اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ اس کلمہ اور جن اشیاء کی محبت کا یہ کلمہ تقاضا کرتا ہے' اُن سے محبت کی جائے۔ (۷۹)

یعنی ایک مسلمان کی محبت اور دوستی صرف اللہ' اس کے رسول ﷺ اور مؤمنین کے لئے ہونی چاہئے۔ اس چیز کو درج ذیل آیت میں بیان کیا گیا ہے:

﴿ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ ، وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴾ (المائدۃ:۵۵-۵۷)

''(ایمان والو!) تمہارے ولی و دوست تو صرف اللہ' اس کا رسول اور ایمان لانے والے ہیں' جو نماز قائم کرتے ہیں' زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ کے حضور جھکنے والے ہیں۔ اور جو شخص اللہ' اس کے رسول اور مؤمنوں کو دوست بنالے وہ یقین رکھے کہ اللہ کی جماعت ہی غالب ہو کر رہے گی۔''

غور کریں تو واضح ہوگا کہ ان دو آیتوں میں دو بڑی اہم باتیں بیان ہوئی ہیں:

۱۔ مسلمانوں کی دوستی' محبت اور رفاقت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ اور اس کی محبوب اشیاء کے ساتھ خاص ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ سے محبت کا نتیجہ یہ ہے کہ جو لوگ اپنا تعلق صرف اللہ سے جوڑے رہیں اور موالات کو اللہ اور اس کے محبوب اشیاء کے ساتھ خاص کرلیں تو بلاشبہ غلبہ اور کامیابی ان کا نصیب ہوگی۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ط وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا وَّ اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴾ (البقرۃ:۱۶۵)

''بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے شریک اوروں کو ٹھہرا کر اُن سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی محبت اللہ سے ہونی چاہئے' اور ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت سخت ہیں۔ کاش کہ مشرک لوگ جانتے جب کہ اللہ کے عذاب کو دیکھ کر جان لیں گے کہ تمام طاقت اللہ ہی کو حاصل ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے (تو ہرگز شرک نہ کرتے)۔''

اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے مؤمن کی ایک صفت یہ بیان کی ہے وہ اللہ سے محبت کرنے میں بہت سخت ہوتا ہے' اور اللہ سے محبت کا تقاضا ہے کہ ہر اُس چیز سے محبت کی جائے جس سے اللہ محبت کرتا ہے۔ متعدد احادیث میں بھی اس چیز کو واضح کیا گیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((ثَـلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ : اَنْ يَّكُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا' وَاَنْ يُحِبَّ الْمَرْأُ لَا يُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ ' وَاَنْ يَكْرَهَ اَنْ يَعُوْدَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ)) (۸۰)

''جس شخص میں تین خوبیاں پائی گئیں وہ ان کی بدولت ایمان کی چاشنی پالے گا:

۱۔ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اسے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوں۔

۲۔ صرف اللہ کی رضا کی خاطر وہ کسی سے محبت کرے۔

۳۔ کفر کی طرف پلٹ جانا اسے اسی طرح ناپسند ہو جس طرح آگ میں ڈالا جانا ناپسند ہوتا ہے۔

---

(۸۰) صحیح البخاری:۱۶'الایمام' باب ۹۔ و صحیح مسلم:۲۹'۴۳'الایمان' باب ۱۵۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بڑی عظیم اور دین کے اصولوں میں سے ایک ہے۔ (۸۱)

اس حدیث کے مفہوم کی تائید درج ذیل حدیث بھی ہوتی ہے:

((اَوثَقُ عُرِی الْاِیْمَانِ اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ)) (۸۲)

''ایمان کا سب سے مضبوط کڑا اللہ کی رضا کی خاطر محبت اور اللہ کی رضا کی خاطر بغض رکھنا ہے۔''

اس محبت کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو اللہ کو ناپسند اور مبغوض ہے اس سے نفرت اور دشمنی رکھے۔ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ سے متعلق فتح مکہ کے موقع پر جو آیات نازل ہوئیں، جن کا ذکر ابھی ابھی گزرا ہے، ان کے اندر بھی اللہ تعالیٰ نے اس اصول کو بڑے واضح انداز میں بیان کر دیا ہے کہ تم کافروں سے دوستی و محبت کے لئے رواداری کا جذبہ رکھتے ہو اور اس سلسلے میں محنت کرتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ جہاں کسی کے لئے محبت کا جذبہ پیدا ہوتو وہ بڑھ کر نصرت وموالات تک پہنچ جاتا ہے، نتیجتاً بندہ ایمان سے خارج ہو کر کفر کی حدود میں داخل ہو جاتا ہے۔ (۸۳)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَالَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ﴾ (ھود:۱۱۳)

''اور ظالموں کی طرف مائل نہ ہو جانا، ورنہ آگ میں مبتلا ہو جاؤ گے اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا اور نہ تمہیں مدد پہنچے گی۔''

اس آیت مبارکہ میں ظالموں کی طرف میلان کے لئے لفظ ''رکون'' استعمال ہوا ہے جس کی تفسیر امام بغوی رحمہ اللہ نے ان الفاظ سے کی ہے:

الرّكون هو المحبّة والميل القلب (۸۴)

''محبت اور دل کے میلان کو رکون کہتے ہیں۔''

امام سیوطی رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر ان الفاظ میں کی ہے:

وَلَا تَرْكَنُوْٓا (تميلوا) اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا (بمودّة مداهنة اورضا باعمالهم)(۸۵)

یعنی ظالموں کی طرف محبت، نرمی اور ان کے اعمال سے رضامندی ظاہر کر کے ان کی طرف مائل نہ ہو۔

مناظرِ اسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ نے اس آیت کے مفہوم کو اس طرح واضح کیا ہے:

''ایک اور ضروری بات بھی سنو کہ ظالموں کی طرف ذرا بھی میلان نہ کرو، ان کی محبت کو دل میں جگہ نہ دینا۔ ورنہ دوزخ کی آگ کے عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا اور نہ تمہیں کسی طرح سے کسی کی مدد پہنچے گی۔ ظالموں کی طرف جھکنے کے دو پہلو ہیں۔ ایک تو ان سے دلی محبت وچاہت رکھنا، دوسرا طریق یہ ہے کہ خود اُن کی چال اختیار کر لینا۔ اس لئے تجھ سے کہا جا رہا ہے کہ نہ تو تُو خود ان سے دلی چاہت کیجو اور نہ ہی ان کی طرح کی بدعملی اختیار کیجو''۔ (۸۶)

قابل غور مقام ہے کہ اس آیت میں کافروں اور ظالموں کی قلبی میلان سے نہ صرف روکا گیا ہے بلکہ اس پر دو قسم کی سزا کی دھمکی دی گئی ہے۔ ایک تو عذابِ جہنم کی اور دوسرے اللہ سے موالات ونصرت کے خاتمے کی۔ پھر اگر کوئی شخص مکمل طور پر کافروں سے محبت رکھے تو اس کے ایمان کا کیا حال ہوگا؟

سورۂ براءۃ میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی ایسی ہی کوتاہیوں پر تنبیہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ، قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

---

(۸۱)شرح صحیح مسلم للنووی ۱۳/۲۔ (۸۳،۸۲)مسند احمد ۲۸٦٤۔ الایمان لابن ابی شیبة: ۱۱۰ عن البراء رضی اللہ عنہ۔ وتفسیر السعدی، ص ۷۹۳۔ (۸۴)تفسیر البغوی ۴۰۴/۳۔ (۸۵)تفسیر جلالین، ص ۳۰۱۔ (۸٦)تفسیر ثنائی، ص ۲۷۹۔

الْفَاسِقِيْنَ ﴿ (التوبہ:٢٤)

''اے ایمان والو! اپنے باپوں کو اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ کفر کو ایمان سے زیادہ عزیز رکھیں۔تم میں سے جو بھی ان سے محبت رکھے گا تو پھر وہی لوگ ظالم ہیں۔آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے لڑکے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبے قبیلے اور تمہارے کمائے ہوئے مال اور وہ تجارت جس کے ماند پڑنے سے تم ڈرتے ہو اور وہ حویلیاں جنہیں تم پسند کرتے ہو'تمہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز ہیں تو تم انتظار کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنا عذاب لے آئے۔اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

اگر غور کیا جائے تو ان دونوں آیتوں میں چند بڑے اہم فائدے ہیں:

١۔ کافر سے محبت و دوستی کسی صورت میں جائز نہیں'خواہ وہ اپنے بیٹے'باپ'بھائی اور قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔

٢۔ جن لوگوں کے سامنے حق واضح ہو گیا لیکن پھر بھی انہیں کفر ہی پسند ہے تو وہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہیں'ان سے محبت و دوستی کا سلسلہ رکھنا صراحتاً ظلم ہے جو بہت بڑا گناہ ہے۔

٣۔ حتیٰ کہ خطرہ ہے کہ کہیں یہی دوستی اور محبت ایسے لوگوں کو کفر و شرک تک نہ پہنچا دے جیسا کہ مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ:''مَنْ تَوَلَّاهُمْ هُوَ مُشْرِكٌ مِثْلُهُمْ''(٨٧) ''جو ان مشرکوں سے دوستی کرے وہ انہی کی طرح مشرک ہے'' کیونکہ شرک پر رضامندی بھی شرک ہے۔

٤۔ ہر مسلمان پر اللہ'اس کے رسول اور ہر قسم کی عبادات اور نیک اشخاص کی محبت فرض ہے اور یہ جزوِ ایمان ہے۔اسی طرح اللہ اور اس کے رسول کے باغی لوگوں اور کفر و شرک و نافرمانی کے کاموں سے نفرت و بغض اور دشمنی واجب ہے اور یہ بھی ایمان کا جزو ہے۔

٥۔ جو لوگ اللہ کی اطاعت سے باغی اور ان آیات میں مذکور اشیاء کو اللہ کی محبت اور اس کے رسول کی محبت پر مقدم رکھتے ہیں وہ اصل میں فاسق ہیں جنہیں اللہ حق کی توفیق نہیں بخشتا۔(٨٨)

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ کفار و مشرکین اور اللہ کے باغیوں سے محبت ایمان کے منافی ہے۔اور عقلاً بھی یہ ناممکن ہے کہ ایمان باللہ کے ساتھ ایک ہی دل میں کفر و فسق اور کافر و فاسق کی محبت جمع ہو۔اسی چیز کو درج ذیل آیت میں واضح کیا گیا ہے:

لَاتَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَ هُمْ اَوْ اَبْنَآءَ هُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ط وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ط اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿ (مجادلة:٢٢)

''اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائیں گے'گو وہ اُن کے باپ'یا اُن کے بیٹے'یا اُن کے بھائی یا اُن کے کنبے قبیلے کے عزیز ہی کیوں نہ ہوں۔یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان لکھ دیا ہے (یعنی راسخ و مضبوط کر دیا ہے) اور جن کی تائید اپنی روح سے کی ہے۔(٨٩) اور جنہیں اُن جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں 'جہاں یہ ہمیشہ رہیں گے۔اللہ ان سے راضی ہے اور یہ اللہ سے خوش ہیں۔یہ اللہ کا لشکر ہے' آگاہ رہو کہ اللہ کے گروہ والے ہی کامیاب لوگ ہیں۔''

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اطلاع دی کہ کافروں کے ساتھ دوستی میں مؤمنین کا ایمان تباہ ہو جاتا ہے'اور جو مؤمن ہو گا وہ کافروں سے دوستی نہ کرے گا خواہ کافر لوگ اس کے اہل خاندان ہی کیوں نہ ہوں۔''(٩٠)

گویا اس آیت میں لوگوں کے سامنے ایک واضح کسوٹی رکھ دی گئی جس پر پیش کر کے حزب کے سپاہیوں اور حزب الشیطان کے کارندوں کو لوگ پرکھ لیں اور جس کا ساتھ

---

(٨٧) تفسیر الرازی ١٦/١٩'ایسر التفاسیر ٣٥٣/٢۔(٨٨) دیکھئے تفسیر السعدی'ص ٥٣٤'ایسر التفاسیر ٢٥٣/٢۔(٨٩) روح سے مراد اپنی نصرتِ خاص یا نورِ ایمان جو انہیں ان کی مذکورہ خوبی کی وجہ سے حاصل ہوا۔

دینا علیٰ وجہ البصیرت دیں، جس جماعت کے ساتھ رہنا ہو یا اس کی مدد کرنی ہو علی وجہ البصیرت کریں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ بیک وقت دونوں کے ساتھ چلیں۔ اسی چیز کو واضح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ناممکن ہے کہ کوئی قوم اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتی ہو اور ان لوگوں سے دوستی گانٹھے رکھے جو اللہ اور رسول سے جنگ کررہے ہوں۔ اگر کوئی جماعت اللہ و رسول کے مخالفین کے ساتھ دوستی بھی رکھے اور ساتھ ہی ایمان کا دعویٰ بھی کرے تو وہ اپنے دعوائے ایمان میں جھوٹی ہے، اس لئے کہ یہ دونوں باتیں دن اور رات کی طرح ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اور انسان کے پہلو میں ایک دل ہوتا ہے دو دل نہیں ہوتے، لہٰذا وہ دو متضاد و متحارب چیزوں کی محبت کو اپنے اندر جمع نہیں کرسکتا۔

دوسرے رشتے اور تعلقات تو دور کی بات ہے، باپ بھائی، بیٹے اور کنبہ وقبیلہ کے روابط جو سب سے زیادہ قریب ہوتے ہیں اور جن کے ساتھ انسان کو فطری وابستگی ہوتی ہے، وہ بھی یہ درجہ نہیں رکھتے کہ وہ ایمان کے مقابلے میں آئیں اور کوئی مؤمن ان کو اپنے دل میں جگہ دے۔ اس کی سب سے واضح مثال یہ ہے کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے غزوۂ اُحد میں اپنے باپ عبداللہ بن جراح پر تلوار چلائی، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بدر میں اپنے فرزند کو للکارا، مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو قتل کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو قتل کیا اور علی وحمزہ اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم نے اپنے اہل خانہ عتبہ، شیبہ اور ولید کو واصل جہنم کیا۔ (۹۱)

محبت کی حقیقت اور زندگی پر اثرات کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ مندرجہ ذیل باتیں سمجھ لی جائیں:

۱۔ محبت الٰہی کا مفہوم اور اس کی وسعت۔

۲۔ محبت کی قسمیں۔

۳۔ محبت کی علامات۔

محبت الٰہی کا مفہوم اور اس کی وسعت

محبت ایک خالص قلبی تعلق ہے، لغت میں اس کے معنی ہیں مرغوب چیز کی طرف طبیعت کا میلان۔ (۹۲) اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ جو چیز بھی دیکھنے سننے اور انسان کے باقی حواسِ خمسہ کو اچھی لگے یا اُس کی طرف سے کسی نفع کی امید ہو اُس چیز کی طرف طبیعت کے میلان کو محبت کہا جاتا ہے۔ (۹۳)

گویا محبت پر ابھارنے والی دو چیزیں ہیں:

۱۔ ظاہری خوبی وخوبصورتی۔

۲۔ احسان اور فائدہ۔

جب کوئی شخص کسی چیز سے محبت کرتا ہے تو اس کے پیچھے یہی دو سبب ہوتے ہیں کہ وہ چیز خوب صورت ہو، اس کا منظر آنکھوں کو بھلا محسوس ہو، اس کی آواز کانوں کو اچھی لگے اور چکھنے میں وہ لذیذ محسوس ہو یا اس چیز سے کسی نفع کی امید اور نقصان کا خوف ہو۔ اگر غور وتدبر سے کام لیا جائے تو ہر محبت کے پیچھے یہی دو عوامل کام کررہے ہیں۔ چونکہ یہ دونوں چیزیں بتمام وکمال صرف ذاتِ باری تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں اس لئے حقیقی محبت کی حق دار صرف وہی ذات ہے۔ اور جن لوگوں نے بھی غیر اللہ سے محبت کی ہے اُن سے ذاتِ باری تعالیٰ کی حقیقت کو سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ذی عقل کو دعوتِ تفکر دیتا ہے کہ ہمیں کس نے پیدا کیا ہے؟ وہ کون سی ذات ہے جس نے ہمیں ہر قسم کی نعمتوں سے نوازا؟ شکمِ مادر ہی سے ہماری روزی کا انتظام کس نے کیا؟ ہماری رگوں میں خون کے قطرات کس کے حکم سے دوڑ رہے ہیں؟ ساری دنیا کی نعمتیں کس نے بنائی ہیں؟ اس دنیا میں ایسی ایسی نعمتیں مہیا کی ہیں جو ہماری آنکھوں کو بھی بھاتی ہیں، کانوں کو بھی اچھی لگتی ہیں، چکھنے کا بھی مزہ ملتا ہے۔ آخر یہ نعمتیں کس کی طرف سے ہیں؟ اور مزید برآں ان گونا گوں نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کے لئے صحت وعافیت بھی کس ذات نے بخشی ہے؟ پھر اگر یہ سب کچھ کرنے والا صرف اللہ ہی ہے، اور یقیناً وہی ایک ذات ہے، تو اس سے محبت کیوں نہ کی جائے! بلکہ کیا کوئی اور ذات ہے جسے اپنی محبت کا وہ حصہ دیا جائے جو اِس قادر

---

(۹۰) تفسیر بغوی ٤/٢/٣١٢۔ (۹۱) تدبر قرآن ۸/۲۷۴، ۲۷۵، مختصراً۔ نیز دیکھئے تفسیر البغوی ۴/۳۲۲، ۳۱۳، تفسیر ابن کثیر ۴/۴۲۱، ۴۲۲۔ (۹۲) مصباح اللغات، مادۃ "ح ب ب" (۹۳) تفسیر التحریر والتنویر لابن عاشور ۲/۹۰۔

مطلق کے لئے ہونی چاہئے؟ یہ یقیناً شرکِ صریح اور ظلم عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمۡ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَیۡءٍ فَاعۡبُدُوۡهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیۡءٍ وَّكِیۡلٌ ، لَا تُدۡرِكُهُ الۡاَبۡصَارُ ۫ وَهُوَ یُدۡرِكُ الۡاَبۡصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ ﴾ (الانعام:۱۰۲،۱۰۳)

''یہ ہے اللہ تمہارا ربّ، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے، تو تم اُسی کی عبادت کرو۔ اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے۔ اس کو تو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہوسکتی اور وہ سب نگاہوں کو محیط ہو جاتا ہے۔ وہی بڑا باریک بین اور باخبر ہے''

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الۡحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعۡدَ الۡحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰى تُصۡرَفُوۡنَ ، كَذٰلِكَ حَقَّتۡ كَلِمَةُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِیۡنَ فَسَقُوۡۤا اَنَّهُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴾ (یونس:۳۲،۳۳)

''یہ ہے اللہ جو تمہارا ربّ حقیقی ہے، پھر حق کے بعد اور کیا رہ گیا بجز گمراہی کے؟ پھر کہاں پھرے جاتے ہو! اسی طرح آپ کے ربّ کی یہ بات کہ یہ ایمان نہ لائیں گے، تمام فاسق لوگوں کے بارے میں ثابت ہو چکی ہے۔''

یہ مقام بھی قابلِ غور ہے کہ اگر ہمیں سخت پیاس محسوس ہو رہی ہو، ٹھنڈے پانی کی طلب میں ہم سرگرداں ہوں، حلق خشک ہو گیا ہو، کہیں پانی ملنے کی امید نہ ہو، ایسے وقت میں ایک شخص ہمیں ٹھنڈے پانی کا گلاس پیش کر دے تو ہم زندگی بھر نہ صرف اس کے ممنون و مشکور رہیں گے بلکہ اپنی محبت کا ایک بڑا حصہ بھی اس کی نذر کر دیں گے۔ آپ ذرا غور کریں، جس ذات کی نعمتیں لامحدود ہیں اس کی طرف ہمارا دل کیوں نہ مائل ہو۔ [(۹۴)] بلکہ اس کے اوپر ایمان لانے کا تقاضا ہونا چاہئے کہ اس سے سچی محبت کی جائے اور جذبۂ محبت کے ساتھ اس کے مقرر کردہ احکام بجالائے جائیں۔ یہی محبت ہی عبادت کی روح ہے، اس محبت کے بغیر عبادت جسم بلا روح کے مانند ہے۔ اور جو بھی عبادت اس جذبے سے کی جائے گی عمل کرنے والے کے لئے بے حساب اجر و ثواب کا موجب ہوگی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ لِیَجۡزِیَهُمُ اللّٰهُ اَحۡسَنَ مَا عَمِلُوۡا وَیَزِیۡدَهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ یَرۡزُقُ مَنۡ یَّشَآءُ بِغَیۡرِ حِسَابٍ ﴾ (النور:۳۸)

''تاکہ اللہ ان کے بہترین اعمال کی جزا اُن کو دے اور مزید اپنے فضل سے نوازے اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب دیتا ہے۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظۡلِمُ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنۡ تَكُ حَسَنَةً یُّضٰعِفۡهَا وَیُؤۡتِ مِنۡ لَّدُنۡهُ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ﴾ (النساء:۴۰)

''اللہ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔ اگر کوئی نیکی کرے تو اللہ اسے دوچند کر دیتا ہے اور پھر اپنی طرف سے بڑا اجر عطا فرماتا ہے۔''

اور اگر عبادت میں کوتاہی رہی، حدود الٰہیہ پامال ہوتے رہے تو اس پر سخت ترین عذاب کی دھمکی بھی ہے۔

﴿ وَمَنۡ یَّعۡصِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَیَتَعَدَّ حُدُوۡدَهٗ یُدۡخِلۡهُ نَارًا خَالِدًا فِیۡهَا ۪ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِیۡنٌ ﴾ (النساء:۱۴)

''جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی مقرر کی ہوئی حدوں سے تجاوز کر جائے گا اسے اللہ آگ میں ڈالے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اور اس کے لئے رسوا کن سزا ہے''۔

اور فرمایا:

---

(۹۴) شاید یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جن نعمتوں کے متعلق سوال ہوگا اس میں صحت و عافیت اور ٹھنڈا پانی سرفہرست ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ: ((اِنَّ اَوَّلَ مَا یُسْاَلُ عَنْهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ یَعْنِی الْعَبْدَ مِنَ النَّعِیْمِ اَنْ یُقَالَ لَهُ: اَلَمْ نُصِحَّ لَكَ جِسْمَكَ وَنُرْوِیكَ مِنَ المَاءِ البَارِدِ)) الترمذی:۳۳۵۸، التفسیر سورة التکاثر ـ وصحیح ابن حبان:۲۵۸۵ ـ والموارد۲/۱۱۶۶ ـ والحاکم ۴/۱۳۸، بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔ اور یہی مفہوم ہے اس حدیث کا جس کی صحت علماء میں مختلف فیہ ہے کہ: ((اَحِبُّوا اللّٰهَ لِمَا یَغْذُوكُمْ بِهِ مِنَ النِّعَمِ وَاَحِبُّونِی بِحُبِّ اللّٰهِ......)) الترمذی:۳۷۸۹ المناقب والحاکم ۳/۱۵۰ بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

﴿ وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴾ (الاحزاب: ٣٦)

''اور کسی مؤمن مرد اور کسی مؤمن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو پھر اسے اپنے معاملہ میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے' اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔''

یہی وہ دو اصول ہیں' خوف و رجاء' رغبت و رہبت' محبت و ڈر' جن پر تمام انبیاء وصالحین کی عبادت کی بنیاد قائم ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴾ (الانبیاء:٩٠)

''یہ بزرگ لوگ نیک کاموں کی طرف جلد بازی کرتے تھے اور ہمیں لالچ وطمع اور ڈر وخوف سے پکارتے تھے' اور ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے۔''

اور جب بھی کسی میں یہ دونوں جذبے کسی اور کے لئے پائے گئے تو وہ شرک میں داخل ہو گیا۔ جیسا کہ مشرکین سے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ﴾ (البقرة:١٦٥)

''اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا اور معبود بناتے ہیں' ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے کرنی چاہئے۔ اور جو مؤمن ہیں وہ دلی لگاؤ سب سے زیادہ اللہ کے ساتھ رکھتے ہیں۔''

محبت الٰہی کے مفہوم میں وسعت

اللہ کی محبت کی حدود صرف اس کی ذات تک نہیں ہیں' بلکہ اس کی حدود بہت وسیع ہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا تقاضا ہے کہ:

١۔ ہر وہ کام جو اللہ کو محبوب ہے اسے بھی محبوب رکھا جائے اور اُسی ذات کی محبت کے جذبے سے اس کام کو بجالایا جائے۔ [(٩٥)] جیسے نماز' روزہ صدقہ اور دوسرے اعمالِ خیر۔ اور اگر ان سے نفرت کی گئی تو یہ اللہ کے ساتھ محبت نہیں بلکہ نفرت ہوگی' بلکہ بسا اوقات یہی چیز دین سے ارتداد کا سبب ہو سکتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴾ (محمد:٩)

''یہ اس لئے کہ وہ اللہ کے نازل کردہ چیز سے ناخوش ہوئے' پس اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے اعمال ضائع کر دیئے۔''

اسی طرح ان شخصیات سے بھی محبت کی جائے جن سے اللہ محبت کرتا ہے۔ جیسے انبیاء وصالحین اور سارے مؤمنین۔ ان سے محبت بھی ایمان کا جزو ہے اور بسا اوقات اس کا فقدان ایمان کے منافی امور میں داخل ہوتا ہے۔ اس لئے اگر کوئی اللہ کے نیک بندوں سے عداوت وبغض رکھتا ہے تو گویا وہ اللہ کو مقابلے میں آنے کی دعوت دے رہا ہے۔ حدیث قدسی میں ہے:

((مَنْ عَادَ لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ)) (٩٦)

''جس نے میرے کسی دوست (ولی) سے دشمنی کی میں نے اسے جنگ کا چیلنج دے دیا''۔

٣۔ اسی طرح جو مقام اللہ کو محبوب ہیں انہیں بھی محبوب رکھا جائے' جیسے حرمین شریفین' مساجد اور مجالس ذکر وغیرہ۔ برخلاف اس کے اگر ان سے بغض رکھا جائے یا ان کی عزت وحرمت کو پامال کیا جائے تو یہی چیز اللہ کے ساتھ بغاوت کے حکم میں داخل ہو جاتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

(٩٥) دیکھئے المنهاج فی شعب الایمان للحلیمی ١/٤٩٨۔ جامع العلوم والحکم' ص٣٨٨ حتی کہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی محبوب چیزوں اور خواہشات کو اللہ کے رسول ﷺ کی محبت اور احکام شرع پر مقدم کرنا کبائر میں داخل کیا ہے۔ (٩٦) یہ طویل حدیث کا ایک ٹکڑا ہے جو علماء کے نزدیک حدیث ولی سے مشہور ہے' جس کے اندر اللہ کے ولیوں کی صفات بیان ہوئی ہیں' جس کی شرح کے لئے امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''قطر الولی علیٰ حدیث الولی'' کا مطالعہ ہر طالب علم کے لئے بہت مفید ہے۔ صحیح البخاری:٦٥٠٢' الرقاق' باب٣٨۔ شرح السنة:١٢٤٨' ١٩/٥ بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

﴿ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴾ (الحج:۲۵)

''جو بھی ظلم کے ساتھ وہاں (حرم میں) الحاد کا ارادہ کرے گا ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے۔''

۴۔ ایسے تمام دن اور مہینے جو اللہ کو محبوب ہیں اُن سے بھی محبت کی جائے' جیسے رمضان المبارک' جمعۃ المبارک اور دوسرے وہ دن جن کی فضیلت صحیح احادیث میں وارد ہے۔ اور اگر ان سے بغض رکھا گیا یا انہیں ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا تو یہی چیز بندے کے ایمان کے لئے خطرہ بن سکتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَ لَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَ لَا الْهَدْیَ وَ لَا الْقَلَآئِدَ وَ لَآ آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رِضْوَانًا ؕ وَ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَ تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَ التَّقْوٰی ۖ وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ۖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴾ (المائدۃ:۲)

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے شعائر کی بے حرمتی (۹۷) نہ احترام والے مہینوں کی' نہ حرم میں قربان ہونے والے اور پٹے پہنائے گئے جانوروں کی جو کعبہ کو جا رہے ہوں اور نہ اُن لوگوں کی جو بیت اللہ کے قصد سے اپنے ربّ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رضا جوئی کی نیت سے جا رہے ہوں۔ ہاں جب تم احرام اتار ڈالو تو شکار کھیل سکتے ہو۔ جن لوگوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا تھا اُن کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم حد سے گزر جاؤ۔ نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہو اور گناہ ظلم و زیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْكُفْرِ یُضَلُّ بِهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّ یُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّیُوَاطِئُوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَیُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُیِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ﴾ (التوبۃ:۳۷)

''مہینوں کا آگے پیچھے کر دینا کفر میں زیادتی ہے (۹۸) اس سے وہ لوگ گمراہی میں ڈالے جاتے ہیں جو کافر ہیں' ایک سال تو اسے حلال کر لیتے ہیں اور ایک سال اسے حرمت والا شمار کر لیتے ہیں کہ اللہ نے جو حرمت رکھی ہے اس کے شمار میں تو موافقت کر لیں' پھر اسے حلال بنا لیں جسے اللہ نے حرام کیا ہے' انہیں ان کے بُرے کام بھلے دکھا دیئے گئے ہیں' اور کفار کی اللہ رہنمائی فرماتا۔''

گویا کہ یہ کہا جائے کہ ایک مسلمان اللہ کی محبوب چیزوں کو اپنی خواہشات پر مقدّم رکھے' اور یہی چیز اُس کے ایمان کی روح اور عبودیت کی تکمیل ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَا وَ رَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَكِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا﴾

سو قسم ہے تیرے پروردگار کی! یہ مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک آپس کے تمام اختلافات میں آپ کو حاکم نہ مان لیں' پھر جو فیصلے آپ ان میں کر دیں اُن پر اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرماں برداری کے ساتھ قبول کر لیں۔'' (النساء:۶۵)

اسی مفہوم کو درج ذیل حدیث میں واضح کیا گیا ہے:

---

(۹۷) شعائر شعیرہ کی جمع ہے۔ اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کی تعظیم اللہ نے مقرر فرمائی ہے۔ بعض علماء نے اسے عام رکھا ہے اور بعض نے اس سے صرف مناسک حج مراد لیا ہے۔ اس آیت مبارکہ میں حرمت والے مہینے اور تمام شعائر اسلامیہ کی' خواہ وہ زمانی ہوں یا مکانی' تعظیم کا حکم ہے اور اس کی بے حرمتی پر سخت عذاب کی دھمکی دی گئی ہے۔ جیسا کہ آیت کے آخر میں اس کی وضاحت ہے۔ (۹۸) نسیٔ کے معنی پیچھے کرنے کے ہیں۔ عرب میں حرمت کے چار مہینوں رجب' ذی القعدہ' ذی الحجہ اور محرم میں قتال اور لوٹ مار کو سخت ناپسند سمجھا جاتا تھا۔ لیکن مسلسل تین مہینے ان کی حرمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان میں قتال سے رکے رہنا ان کے لئے مشکل تھا' جس کا حل انہوں نے یہ نکالا کہ جس حرمت کے مہینے میں وہ قتال کرنا چاہتے اس میں وہ کر لیتے اور اعلان کر دیتے کہ اس کی جگہ فلاں مہینہ حرمت والا ہوگا۔ مثلاً محرم کے بدلے صفر کو حرمت والا قرار دیدیتے۔ اس چیز کو کفر میں زیادتی کہا گیا کیونکہ انہوں نے اس مبارک مہینے کی حرمت کو باقی نہ رکھا۔

((لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ)) (۹۹)

''تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی دل پسندی میری لائی ہوئی چیز کے تابع نہ ہو جائے۔''

محبت الٰہی کا ایک دوسرا پہلو

اللہ تعالیٰ سے محبت کا تقاضا' بلکہ لازمی نتیجہ ہے کہ ہر اُس چیز سے نفرت کی جائے جو اللہ کو مبغوض ہے' (۱۰۰) جیسے کہ:

۱۔شرک وکفر اور ہر قسم کے محرمات اور منہیات سے نفرت۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنْ تَکْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنْکُمْ وَلَا یَرْضٰی لِعِبَادِهِ الْکُفْرَ وَاِنْ تَشْکُرُوْا یَرْضَهُ لَکُمْ ﴾

''اگر تم کفر کرو تو اللہ تم سے بے نیاز ہے' لیکن وہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند نہیں کرتا' اور تم شکر کرو تو اسے وہ تمہارے لئے پسند کرتا ہے۔''

۲۔ان لوگوں سے بھی نفرت کی جائے اور بغض رکھا جائے جو اللہ کو مبغوض ہیں' خواہ وہ اپنے عزیز واقارب ہی کیوں نہ ہوں' جیسے قارون' فرعون' ابوجہل و ابولہب اور سارے کفار و مشرکین۔ ارشادِ الٰہی ہے:

تَرٰی کَثِیْرًا مِّنْهُمْ یَتَوَلَّوْنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَ فِی الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ، وَ لَوْ کَانُوْا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ النَّبِیِّ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِیَآءَ وَلٰکِنَّ کَثِیْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴾(المائدة : ۸۰-۸۱)

''ان میں سے بہت سے لوگوں کو آپ دیکھیں گے کہ وہ کافروں سے دوستیاں کرتے ہیں۔ جو کچھ انہوں نے اپنے لئے آگے بھیج رکھا ہے وہ بہت بُرا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن سے ناراض ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔ اگر انہیں اللہ تعالیٰ پر اور نبی پر اور جو نازل کیا گیا ہے اس پر ایمان ہوتا تو یہ کفار سے دوستیاں نہ کرتے' لیکن ان میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں۔''

۳۔وہ مقامات جو اللہ کو ناپسند اور مبغوض ہیں انہیں بھی مبغوض رکھا جائے' جیسے کفر و شرک کے اڈے اور فسق و فجور کی مجلسیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَیْکُمْ فِی الْکِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ یُکْفَرُ بِهَا وَ یُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖۤ اِنَّکُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ الْکٰفِرِیْنَ فِیْ جَهَنَّمَ جَمِیْعًا﴾ (النساء: ۱۴۰)

''اور اللہ تعالیٰ تم پر اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ تم جب کسی مجلس والوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے اور مذاق اڑاتے ہوئے سنو تو اُس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک کہ وہ اس کے علاوہ اور باتیں نہ کرنے لگیں' ورنہ تم بھی اُس وقت انہی جیسے ہو جاؤ گے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کافروں اور سب منافقوں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔''

اسی پر باقی امور کو بھی قیاس کر لینا چاہئے۔

محبت کی قسمیں

علماء نے محبت کی متعدد قسمیں بیان کی ہیں جن کا خلاصہ دو قسموں میں سما جاتا ہے:

۱۔شرعی محبت

۲۔فطری محبت

---

(۹۹) ابن ابی عاصم فی السنة: ۱۵'۱/۱۲۔ وشرح السنة للبغوی: ۱۰۴'۱/۲۱۳ بروایت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ امام نووی (الاربعین' ح ۴۱) اور امام ذہبی (الکبائر' ص ۲۱۷) نے اس حدیث کو صحیح اور حافظ ابن حجر (فتح الباری ۱۳/۳۵۴) نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ (۱۰۰) المنهاج فی شعب الایمان ۱/۴۹۸۔ و جامع العلوم والحکم' ص ۳۸۸۔

۱۔ شرعی محبت

یہ محبت کی وہ قسم ہے جس کا مطالبہ شریعت کی طرف سے ہے۔اس محبت پر مؤمن کو اجر ملے گا اور اس کے ترک پر اس مؤاخذہ ہے‘ خواہ یہ محبت خواہش نفس کے مخالف ہو یا موافق۔

شرعی محبت کی تین قسمیں ہیں:

- ☆ اللہ سے محبت۔
- ☆ اللہ کے مقابلہ میں غیر اللہ کی محبت۔
- ☆ اللہ کے لئے محبت۔

○ اللہ سے محبت اور اس کا حکم:

اللہ سے محبت واجب اور بندے کے ایمان کا جزوِلازم ہے۔یہ محبت جس قدر مضبوط ہوگی ایمان اسی قدر مضبوط ہوگا اور جس قدر یہ محبت کمزور ہوگی اسی اعتبار سے ایمان کمزور شمار ہوگا۔اور اگر بالفرض یہ محبت بالکل ناپید ہوگئی تو ایمان نام کی کوئی چیز دل میں نہیں ہوسکتی خواہ زبان سے کیسے کیسے دعوے کئے جائیں۔

○ اللہ کے مقابلے میں محبت اور اس کا حکم:

اللہ کے بجائے باطل معبودوں سے محبت اللہ کے مقابلے میں محبت کہلاتی ہے‘ اور یہ محبت شرک ہے اور ایمان کے کلیۃً منافی ہے۔اللہ کی ذات کو چھوڑ کر یہ محبت جس سے بھی کی جائے ہر ایک کا حکم یہی ہے‘ خواہ یہ محبت اللہ کے کسی رسول سے ہو‘ اولیاء کرام میں سے کسی کے ساتھ ہو یا باطل معبودوں میں سے کسی سے محبت ہو۔یعنی جس عقیدے کے ساتھ اللہ سے محبت کی جانی چاہئے تھی اگر اسی عقیدے کے ان لوگوں سے محبت کی گئی تو یہ شرک میں داخل ہوگی۔ (۱۰۱)

○ اللہ کے کے لئے محبت اور اس کا حکم:

جس ذات‘ کام یا جگہ سے محبت اللہ کی نسبت کے حوالے سے ہوگی ایسی محبت اللہ کے لئے محبت کہلاتی ہے‘ جیسے نماز‘ روزہ اور دیگر فرائض‘ واجبات‘ سنن وغیرہ‘ اور انبیاء علیہم السلام‘ صالحین وصدیقین وغیرہ اور مقاماتِ مقدسہ مثلاً مسجد‘ حلقۂ ذکر وغیرہ‘ ان سب سے محبت اللہ کے لئے محبت کہلائے گی۔یہ محبت واجب اور بسا اوقات ایمان کا جزوِلازم قرار پاتی ہے کہ اس کے فقدان سے بندے کا ایمان فوت ہوجاتا ہے۔حدیث شریف میں ہے:

((لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اَلَیْہِ مِنْ وَالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ)) (۱۰۲)

’’تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک میں اُس کے نزدیک اس کے والد‘ اس کی اولاد اور سارے لوگوں سے محبوب تر نہ ہوجاؤں۔‘‘

اس حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ کی محبت کو عین ایمان قرار دیا گیا ہے اور اس کے عدم پر ایمان کی نفی کی گئی ہے۔یعنی جس بندے کے دل میں

---

(۱۰۱) محبت کی ان دونوں قسموں کو علماء محبتِ عبادت کا نام دیتے ہیں۔اس لئے یہ محبت صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔اس کی دلیل درج ذیل آیات ہیں:

﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَھُمْ کَحُبِّ اللّٰہِ ۭ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ وَلَوْ یَرَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ یَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا وَّ اَنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعَذَابِ، اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَ رَاَوُا الْعَذَابَ وَ تَقَطَّعَتْ بِھِمُ الْاَسْبَابُ﴾

’’کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا ہمسر اور مدمقابل بناتے ہیں اور ان کے ایسے گرویدہ ہیں جیسے اللہ کے ساتھ گرویدگی ہونی چاہئے‘ حالانکہ ایمان رکھنے والے لوگ سب سے بڑھ کر اللہ کو محبوب رکھتے ہیں۔کاش جو کچھ عذاب دیکھ کر انہیں سوجھنے والا ہے وہ آج ہی ان ظالموں کو سوجھ جائے کہ ساری طاقتیں اور اختیارات اللہ ہی کے ہیں اور یہ کہ اللہ سزا دینے میں بھی بڑا سخت ہے۔جب وہ سزا دے گا اُس وقت کیفیت یہ ہوگی کہ وہی پیشوا جن کی دنیا میں پیروی (اور ان سے اللہ کے مقابلے میں محبت) کی گئی تھی اپنے پیروؤں سے بےتعلقی کا اظہار کریں گے‘ مگر وہ سزا پا کر رہیں گے اور ان کے سارے وسائل واسباب (جو محبت وعبادت کی صورت میں باطل معبودوں سے رکھتے تھے) کا سلسلہ کٹ جائے گا‘‘۔تفصیل کے لئے دیکھئے القول المفید ۲/۴۴ اور اس کے بعد۔(۱۰۲) صحیح البخاری: ۱۵‘ الایمان‘ باب ۸۔وصحیح مسلم: ٤٤‘ الایمان‘ باب ١٦‘ بروایت انس بن مالک ؓ۔

رسول ﷺ کی محبت جس قدر کم ہوگی اُس کا ایمان اُسی قدر ناقص ہوگا' اور اگر رسول ﷺ کی محبت بالکل نہ ہوگی تو وہ شخص ایمان سے مکمل طور پر خارج ہوگا (۱۰۳)۔

دوسرے تمام نیک اعمال کو اسی پر قیاس کر لینا چاہیے کہ ان کے لئے انسان کے دل میں جس قدر جذبۂ محبت ہوگا اسی قدر اس کا ایمان کامل ہوگا اور جب یہی جذبۂ محبت بالکل مفقود ہو جائے گا اور اس کی جگہ بُرے اعمال وافراد کی محبت لے لے گی تو یہی چیز ایمان کے منافی امور میں شمار ہوگی۔ اس چیز کو درجِ ذیل حدیث میں واضح کیا گیا ہے:

((لَایَــزْنِـیُ الـزَّانِـیُ حِیْـنَ یَـزْنِـیُ وَهُـوَ مُـؤْمِنٌ وَلَا یَشْرَبُ الْخَمْرَ حِیْنَ یَشْرَبُهَا وَهُوَمُؤْمِنٌ وَلَا یَسْرِقُ السَّارِقُ حِیْنَ یَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ)) (۱۰۴)

''زانی جس وقت زنا کرتا ہے وہ اُس وقت تک مؤمن نہیں رہتا' شراب پینے والا جس وقت شراب پیتا ہے وہ اس وقت تک مؤمن نہیں رہتا' چوری کرنے والا اس وقت چوری کرتا ہے وہ اُس وقت مؤمن نہیں رہتا۔''

یعنی اس سے یہ کام اُسی وقت سرزد ہوتے ہیں جبکہ اس سے شرعی محبت میں کمی واقع ہوتی ہے' اور اگر اس کی یہی کیفیت رہی تو خطرہ ہے کہ اس کا یہ کام اسے اسلام سے خارج کر دے گا۔ (۱۰۵)

ایک اور حدیث میں ہے:

((وَمَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَعْطٰی لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ))(۱۰۶)

جس شخص نے اللہ ہی کے لئے کسی سے محبت کی اور اللہ ہی کے لئے کسی سے دشمنی کی' اور جو کچھ دیا اللہ ہی کی رضا کے لئے دیا اور جو کچھ روکا وہ بھی اللہ ہی کے لئے روکا تو اس نے اپنے ایمان کی تکمیل کر لی۔''

یعنی جس شخص نے اپنی ساری حرکات وسکنات اور سارے جذبات مرضئ الٰہی کے تابع کر لئے' اگر کسی سے محبت کی تو اس لئے کہ وہ اللہ کا محبوب ہے اور کسی سے دشمنی کی تو اس لئے کہ وہ اللہ کا باغی ہے' کسی کو کوئی چیز دی تو اس لئے کہ اس چیز کا خرچ کرنا اللہ کو محبوب ہے' اور کسی چیز کے دینے سے رکا تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ایسی جگہ خرچ کرنا اللہ کو ناپسند ہے تو گویا اس نے اپنے تعلق باللہ کا وہ حق ادا کیا جسے ایمان کی تکمیل کہا جاتا ہے' اور اس کے بعد عابد ومعبود کا وہ تعلق استوار ہو جاتا ہے کہ اللہ اس بندے کے ہاتھ بن جاتا ہے جس سے وہ پکڑتا ہے' اللہ اس بندے کا پاؤں بن جاتا ہے جس سے وہ چلاتا ہے' اُسکی آنکھ بن جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے............الی آخرہ۔

○ فطری محبت:

وہ محبت جو فطری اور طبعی طور پر خالق کی طرف سے انسان کے اندر ودیعت کی گئی ہے اور اس میں ذاتی محنت وکسب کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اس محبت کی مختلف شکلیں ہیں:

۱۔ طبعی محبت' جیسے بھوکے اور پیاسے کے کھانے اور ٹھنڈے پانی سے محبت' مال واولاد اور جائداد کی محبت۔

۲۔ شفقت ورحمت والی محبت' جیسے چھوٹوں' کمزوروں اور مریضوں سے محبت۔

۳۔ احترام وتعظیم والی محبت' جیسے اپنے والدین' اساتذہ اور اہل علم وغیرہ سے محبت۔

---

(۱۰۳)القول المفید شرح کتاب التوحید ۲/ ۵۰ ۔ الدین الخالص ۲/ ۳٦۵۔(۱۰۴)صحیح البخاری :۲٤۷۵'باب النهی بغیر اذن صاحبه ۔ وصحیح مسلم :۵۷'الایمان 'باب بیان نقصان الایمان بالمعاصی' بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔(۱۰۵) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا ایک مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شراب پینے والا (اسی طرح اس حدیث میں مذکورہ دوسرے اعمال کرنے والا) آہستہ آہستہ (اگر اس کام پر مصر رہا تو) اس حد کو پہنچ جائے گا جہاں ایمان کا بالکل خاتمہ ہو جائے۔ اس کے بعد دلیل کے طور پر درض ذیل حدیث پیش کی: ((اِجْتَنِبُوا الْخَمْرَ فَاِنَّهَا وَاللّٰهِ لَایَجْتَمِعُ اِیْمَانٌ وَاِدْمَانُ الْخَمْرِفِی صَدْرِ رَجُلٍ اَبَدًا)) یعنی شرب سے بچو' کیونکہ اللہ کی قسم کسی آدمی کے دل میں ایمان اور شراب پینے پر اصرار اکٹھے نہیں ہوسکتے۔ حافظ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام بیہقی نے مرفوعاً وموقوفاً روایت کیا اور امام ابن حبان نے مرفوعاً صحیح قرار دیا ہے۔ فتح الباری ۱۰/ ۳۳۔ دیکھئے موارد الظمان الی زوائد صحیح ابن حبان:۱۳۷۵'۵۹۲/۱۱ ۔ والسنن الکبری للبیهقی ۲۸۷/۸'۲۸۸۔(۱۰٦)سنن ابی داؤد: ٤٦٨١ السنة باب ١٦'السلسلة الصحیحة: ۳۸۰۔

۴۔ شہوت واُنس کی محبت‘ جیسے بیوی سے محبت۔[107]

یہ ایسی محبت ہے جو انسان کی فطرت وطبیعت میں رچی بسی ہے۔ نہ ہی اس سے کوئی ذی شعور انسان خالی ہے اور نہ ہی کسی کا اس پر بس ہے۔ قرآن مجید اور احادیثِ شریفہ میں متعدد جگہ اس محبت کا ذکر موجود ہے۔ ان میں سے بعض آیات واحادیث کا ذکر آگے آرہا ہے۔ یہاں صرف ایک حدیث ذکر کی جاتی ہے:

((حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمُ النِّسَاءُ وَالطِّیْبُ وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلَاةِ))[108]

''دنیا کی چیزوں میں میرے نزدیک محبوب عورت اور خوشبو ہیں‘ اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔''

دنیا کی گوناں گوں نعمتوں میں سے یہ دونوں چیزیں آپ ﷺ کو بہت محبوب تھیں۔ پہلی چیز عورت‘ کیونکہ اس سے محبت فطرت کا تقاضا ہے جس کے ذریعے بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں اور دوسری چیز خوشبو‘ کیونکہ خوشبو نفسِ انسانی کو نشاط آرام اور شرحِ صدر حاصل ہوتا ہے جس کی وجہ سے ربّ تعالیٰ کی عبادت میں مدد ملتی ہے۔[109]

یہ طبعی محبت بسا اوقات انسان کے اندر اِس قدر رچ بس جاتی ہے کہ اپنے آپ پر انسان کو کنٹرول نہیں رہتا اور اس محبت کو اگر دو آدمیوں میں برابر تقسیم کرنا پڑے تو وہ اس کے بس میں نہیں ہوتا۔ اسی چیز کو آپ ﷺ نے اس حدیث میں واضح کیا ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقْسِمُ فَيَعْدِلُ وَيَقُوْلُ: ((اَللّٰهُمَّ هٰذَا قِسْمِىْ فِيْمَا اَمْلِكُ فَلَاتَلُمْنِى فِيْمَا تَمْلِكُ وَلَا اَمْلِكُ))

''اللہ کے رسول ﷺ اپنی ازواج میں باری تقسیم فرماتے تھے اور کہتے: اے اللہ! جس تقسیم پر مجھے قدرت ہے وہ یہ ہے‘ اور جس پر مجھے قدرت نہیں‘ بلکہ اس کا مالک تو ہے‘ اس پر میرا مؤاخذہ نہ کیجئے گا۔''[110]

اس سے آپ ﷺ کا اشارہ دلی محبت اور میلانِ طبع کی طرف ہے‘ کیونکہ آپ ﷺ کو دوسری ازواج کے مقابلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ محبت تھی۔[111]

محبت کی یہ قسم مع اپنی جملہ صورتوں کے جائز ہے اور کافر ومؤمن‘ نیک وبد ہر ایک میں پائی جاتی ہے۔ جیسے والدین‘ بیوی‘ بچے‘' مریض‘ کمزور اور یتیم وغیرہ خواہ حالت کفر پر ہوں‘ ان سے اگر محبت کی جائے تو اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہے‘ بلکہ اگر شرعی تقاضوں کے اندر یہ محبت کی جائے تو باعثِ اَجر وثواب ہے۔ اور اگر یہ محبت شرعی محبت پر غالب آجائے اور فرائض کی ادائیگی میں رکاوٹ بنے گا تو گناہ کا رُخ اختیار کر لیتی ہے۔ اور یہ محبت جس قدر شرعی محبت پر غالب آتی جائے گی اسی قدر ایمان میں کمی واقع ہوتی جائے گی۔

محبت کی علامات

اللہ سے محبت اور اللہ ہی کی خاطر رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان سے محبت عین ایمان اور اس کا جزِ لازم ہے‘ جس کی کمی سے ایمان میں نقص لازم آتا ہے اور نہ ہونے کی شکل میں ایمان کلیۃً کم ہو جاتا ہے‘ اور یہ ایسی چیز ہے جس کی اصل اور صحیح مقدار کا اندازہ لوگ عام طور پر نہیں کر پاتے‘ بلکہ بسا اوقات لوگوں کو اس محبت کا اس قدر کم حصہ ملتا ہے کہ وہ کفر وایمان کے بیچ خطرناک گھاٹی میں کھڑے نظر آتے ہیں اور کم علمی یا لاعلمی کی وجہ سے انہیں یہ احساس تک نہیں ہوتا کہ وہ محبت شرعیہ کی قلت پر اِس خطرناک حد کو پہنچ چکے ہیں۔

اسی طرح بہت سے لوگ شرعی محبت کا ایک معتد بہ حصہّ اپنے دلوں میں ضرور رکھتے ہیں‘ لیکن افسوس یہ کہ ان کی یہ محبت خالص محبت ہے یا آمیزش والی محبت ہے‘ اس کی تمیز انہیں نہیں ہوتی۔

اس لئے ضروری ہے کہ قرآن وحدیث میں مذکور بعض اُن علامات اور نشانیوں کا ذکر کر دیا جائے جن سے ہر شخص یہ معلوم کر لے کہ اس کے دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ اور

---

(۱۰۷) تفصیل کے لئے دیکھئے القول المفید ۲/۴۵‘۴۶۔ (۱۰۸) مسند احمد ۳/ ۱۲۸۔ وسنن النسائی ۷/ ۶۱ بروایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ دیکھئے صحیح الجامع: ۳۱۲۴۔ (۱۱۰) سنن ابی داؤد: ۲۱۳۴‘ النکاح۔ وسنن الترمذی: ۱۱۴۰ النکاح۔ وسنن ابن ماجة: ۱۹۷۱‘ النکاح‘ بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا۔ (۱۱۱) شرح السنة للبغوی ۹/ ۱۵۱۔

اس کے رسول ﷺ سے محبت کی جمع پونجی کتنی ہے‘اور اگر اس کی ایک بڑی مقدار موجود ہے تو اس میں یکسوئی کس حد تک نصیب ہے‘اور اگر اس محبت میں ملاوٹ وشرکت ہے تو اس کی مقدار کتنی ہے!

پہلی علامت

اللہ تعالیٰ کی محبوب چیزوں اور اس کے اوامر کو اپنی خواہشات پر مقدم کرنا اور اس کے ہاں ناپسندیدہ چیزوں اور نافرمانی کے کاموں کو پسند کرنا اور ترک کر دینا۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ۣاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾

’’(اے نبی!) کہہ دو!اگر تمہارے باپ‘ تمہارے بیٹے‘ تمہارے بھائی‘ تمہاری بیویاں‘ تمہارے کنبے قبیلے‘ تمہارے کمائے ہوئے مال‘ اور وہ تجارت جس کی کمی سے تم ڈرتے ہو‘اور وہ حویلیاں جنہیں تم پسند کرتے ہو تمہیں اللہ سے‘ اُس کے رسول سے اور اُس کی راہ میں جہاد سے بھی زیادہ عزیز ہیں تو تم انتظار کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنا عذاب لے آئے۔اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔‘‘ (التوبة: ٢٤)

مذکورہ بالا آیت شریفہ سے درج ذیل اہم فائدے حاصل ہوتے ہیں:

- اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے تقریباً اُن تمام اشیاء کا ذکر کیا ہے جن سے انسان کو فطری یا طبعی طور پر محبت ہوتی ہے۔
- مذکورہ بالا اشیاء کی محبت فطرتِ انسانی کا تقاضا ہے۔اور اگر یہ محبت شرعی محبت پر غالب نہ آ جائے تو کوئی حرج نہیں اور اس پر مؤاخذہ بھی نہیں ہے۔
- فطری محبت اگرچہ خواہش نفس کے عین موافق ہے اور نفس کو عزیز بھی ہے لیکن اسے کسی بھی صورت میں شرعی محبت پر ترجیح نہ دی جائے گی۔
- اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ جو لوگ فطری محبت کو شرعی محبت پر ترجیح دیتے ہیں انہیں دھمکی سنا دیں کہ یہ سراسر فسق اور اللہ سے بغاوت ہے‘اس لئے اس سے پرہیز کرو‘ جہاد وہجرت جیسے محبوب کاموں کو مقدم رکھو‘ورنہ اللہ کے عذاب کا انتظار کرو۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَ قَلْبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾ (الجاثية:٢٣)

’’پھر کیا تم نے کبھی اس شخص کے حال پر بھی غور کیا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا لیا اور اللہ نے علم کے باوجود اسے گمراہی میں پھینک دیا‘ اور اس کے دل اور کانوں پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔اللہ کے بعد اب کون ہے جو اسے ہدایت دے! کیا تم لوگ کوئی سبق نہیں لیتے؟‘‘

خواہشِ نفس کو معبود بنا لینے سے مراد یہ ہے کہ آدمی اپنی خواہش کا بندہ بن کر رہ جائے‘ جس کام کو اس کا دل چاہے کر گزرے خواہ اللہ نے اسے حرام کیا ہو‘اور جس کام کو اُس کا دل نہ چاہے اسے نہ کرے خواہ اللہ نے اس فرض کر دیا ہو۔جب آدمی اس طرح کسی کی اطاعت کرنے لگے تو اس کا معنیٰ یہ ہیں کہ اس کا معبود اللہ نہیں بلکہ وہ خود ہے جس کی وہ اطاعت کر رہا ہے‘ قطع نظر اس سے کہ وہ زبان سے اس کو اپنا الٰہ اور معبود کہتا ہو یا نہ کہتا ہو۔ (١١٢)

درج ذیل حدیث میں بھی اسی مفہوم کو واضح کیا گیا ہے:

((لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ لِمَا جِئْتُ بِهٖ)) (١١٣)

’’تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائے۔‘‘

اس لئے جو شخص اپنی خواہش نفس کو اور اپنی طبعی وفطری محبت کو محبت الٰہی اور احکام شرع کے تابع نہیں کرتا وہ اپنے دعوائے محبت میں جھوٹا اور اسلام کے منافی امور کا مرتکب ہے۔اور جس قدر وہ اس تابع داری میں اپنی خواہش نفس کے پیچھے دوڑے گا اسی قدر ایمان اس سے رخصت ہوتا چلا جائے گا‘ حتیٰ کہ ایمان اُس سے مکمل طور پر خارج

---

(١١٢) تلخیص تفہیم القرآن‘ص ٧٧٨۔(١١٣):السنة لابن ابی عاصم ١٥۔شرح السنة للبغوی ٣١٣/١

ہو جائے گا' کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ جو کچھ لے کر آئے ہیں وہ قرآن وسنّت ہی ہے۔اس پر ایمان لانے کا مطلب ہے کہ ان میں مذکور اخبار کی تصدیق کرے 'احکام کو بجالائے اور ممنوعات سے رک جائے۔لیکن اگر اپنی خواہش کو قرآن وسنت کے تابع نہیں کرتا بلکہ قرآن وسنت اور ان کے احکام کو ناپسند کرتا ہے تو یہی عین کفر ہے اور کلی طور پر اسلام کے منافی امر ہے۔اور اگر ناپسند تو نہیں کرتا البتہ دنیا کی محبت کو اس پر ترجیح دیتا ہے تو ناقص الایمان ہے۔(۱۱۴)

دوسری علامت: اطاعت وفرماں برداری

اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کا تقاضا ہے کہ بندہ احکامِ الٰہی کا متبع اور اللہ کے رسول ﷺ کے طریقے پر عمل پیرا ہو اور آپ ﷺ کی سُنّت کو حرزِ جان بنائے ۔جو شخص رسول ﷺ کا جس قدر متبع ہوگا وہ اللہ تعالیٰ سے اسی قدر محبت کرنے والا ہوگا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ وَ يَغۡفِرۡ لَكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ ‌ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ، قُلۡ اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوۡلَ ۚ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡكٰفِرِيۡنَ﴾ (آل عمران:۳۱،۳۲)

(اے نبی!) لوگوں سے کہہ دو اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو' اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا۔وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔ان سے کہہ دو کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت قبول کرو' پھر اگر وہ تمہاری دعوت قبول نہ کریں تو یقیناً یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ ایسے لوگوں سے محبت کرے جو اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت سے انکار کرتے ہیں۔''

اس آیت سے درج ذیل فائدے حاصل ہوتے ہیں:

- اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ محبت کا دعویٰ کافی نہیں ہے' بلکہ اس کے لئے اپنے اعمال سے ثبوت پیش کرنا ضروری ہے۔
- اللہ تعالیٰ سے سچی محبت کی علامت اور اس کے لئے شرط یہ ہے کہ بندہ اللہ کے رسول ﷺ کا مطیع بن جائے۔
- بغیر اطاعتِ رسول کے اللہ سے محبت کا دعویٰ باطل اور خسارے کا سبب ہے۔
- اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ رسول ﷺ سے کلیۃً مُنہ موڑ نا کفر ہے' اور کفر و کافر اللہ کو محبوب نہیں بلکہ مبغوض ہیں۔
- یہ آیت علماء کے نزدیک آیتِ امتحان سے جانی جاتی ہے۔چنانچہ امام حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ کچھ لوگوں نے محبِ الٰہی کا دعویٰ کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر انہیں آزمایا کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔(۱۱۵)
- اللہ کی محبوبیت میں داخل ہو کر جنت کا وارث بننے اور گناہوں کی معافی سے سرفراز ہونے کے لئے ضروری ہے کہ انسان اللہ کے رسول ﷺ کا مطیع ہو۔(۱۱۶)

تیسری علامت: اللہ اور رسول ﷺ سے موالات رکھنے والوں سے محبت اور اللہ و رسول ﷺ سے معادات رکھنے والوں سے بغض

ہر اُس شخص سے متعلق جو اللہ تبارک وتعالیٰ سے محبت کا دعوے دار ہے' یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کا تعلق' اٹھنا بیٹھنا' میل ملاپ کن لوگوں کے ساتھ ہے؟ اگر اس کا تعلق ظاہر میں اللہ کے دشمنوں اور باغیوں سے ہے' جیسے کافر' مشرک' فاسق اور بدعتی وغیرہ' تو اس کا واضح مطلب ہے کہ وہ اپنے دعوائے محبت میں جھوٹا ہے' کیونکہ یہ چیز عقلاً بھی بعید ہے کہ کوئی شخص اپنے محبوب کے باغیوں اور دشمنوں سے تعلقات استوار کرے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

تَرٰى كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ يَتَوَلَّوۡنَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا‌ ؕ لَبِئۡسَ مَا قَدَّمَتۡ لَهُمۡ اَنۡفُسُهُمۡ اَنۡ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ وَ فِى الۡعَذَابِ هُمۡ خٰلِدُوۡنَ وَ لَوۡ كَانُوۡا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَ النَّبِىِّ وَ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِ مَا اتَّخَذُوۡهُمۡ اَوۡلِيَآءَ وَلٰـكِنَّ كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ فٰسِقُوۡنَ﴾

---

(۱۱۴) القول المفید ۱۷۹/۲، ۱۷۷۔ (۱۱۵) تفسیر ابن کثیر ۴۷۷/۱۔ (۱۱۶) اس چیز کو درج ذیل حدیث میں واضح کیا گیا ہے۔صحیح بخاری شریف میں اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: ((كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبَى)) قِيلَ وَمَنْ أَبَى؟ قَالَ: ((مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبَى)) ''میرے سارے امتی جنت میں جائیں گے سوائے اس شخص کے جس نے (جنت میں جانے یا میری اطاعت سے) انکار کرے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے (جنت میں جانے سے) انکار کیا''۔صحیح البخاری: ۷۲۸۰، الاعتصام' باب ۲' بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

''آج تم اِن میں بکثرت ایسے لوگ دیکھتے ہو جو اہل ایمان کے مقابلہ میں کفار کی حمایت اور رفاقت کرتے ہیں' یقیناً بہت بُرا انجام ہے جس کی تیاری ان کے نفسوں نے ان کے لئے کی ہے۔ اللہ ان پر غضبناک ہو گیا ہے اور وہ دائمی عذاب میں مبتلا ہونے والے ہیں۔ اگر فی الواقع یہ لوگ اللہ اور رسول اور اس چیز کے ماننے والے ہوتے جو رسول پر نازل ہوئی تھی تو کبھی اہل ایمان کے مقابلے میں کافروں کو اپنا رفیق نہ بناتے' مگر ان میں سے اکثر لوگ اللہ کی اطاعت سے نکل چکے ہیں۔'' (المائدة: ۸۰'۸۱)

اللہ کے دشمنوں اور باغیوں سے دوستی رکھنا اور ان کی رفاقت اختیار کرنا اس لئے بھی غیر معقول ہے کہ اوّلاً تو ایسے لوگ ملعون اور اللہ کی رحمت سے دور ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْا اُخِذُوْا وَقُتِلُوْا تَقْتِيْلاً ﴾

''ان پر پھٹکار برسائی گئی' جہاں بھی مل جائیں پکڑے جائیں اور خوب ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں۔''

ثانیاً: مسلمانوں کو حکم ہے کہ ایسے لوگوں سے جہاد کریں اور اپنے قول و عمل کے ذریعے ان سے سختی سے پیش آئیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ؕ وَّ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴾ (التوبة: ۱۲۳)

''اے ایمان والو! اِن کفار سے لڑو جو تمہارے آس پاس ہیں اور ان کو تمہارے اندر سختی پانا چاہئے' اور یہ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کے ساتھ ہے۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴾ (التوبة: ۷۳'التحریم: ۹)

''اے نبی (ﷺ)! کافروں اور منافقوں سے جہاد جاری رکھو اور ان پر سخت ہو جاؤ' ان کی اصل جگہ دوزخ ہے جو نہایت بدترین جگہ ہے۔''

ثالثاً: مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ اگر کافروں سے دُوری اور مؤمنوں سے قربت نہ اختیار کی گئی تو زمین میں زبردست فساد برپا ہوگا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴾ (الانفال: ۷۳)

''کافر آپس میں ایک دوسرے رفیق و مددگار رہیں۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ملک میں فتنہ اور زبردست فساد ہو جائے گا۔''

یعنی جس طرح کافر ایک دوسرے کے دوست اور حمایتی ہیں اسی طرح اگر تم نے بھی ایمان کی بنیاد پر ایک دوسرے کی حمایت اور کافروں سے عدمِ موالات نہ کی تو پھر بڑا فتنہ اور فساد ہوگا' اور وہ کہ مؤمن اور کافر کے باہمی اختلاط اور محبت و موالات سے دین کے معاملہ میں اشتباہ اور مداہنت پیدا ہوگی۔ (۱۱۷)

اسی چیز کو مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے اس فرمان میں واضح کیا ہے:

((مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَوَالٰى فِي اللّٰهِ وَعَادٰى فِي اللّٰهِ فَاِنَّمَا تَنَالُ وَلَايَةَ اللّٰهِ بِذٰلِكَ 'وَلَنْ يَجِدَ عَبْدٌ طَعْمَ الْاِيْمَانِ وَاِنْ كَثُرَتْ صَلَاتُهُ وَصَوْمُهُ حَتّٰى يَكُوْنَ كَذٰلِكَ ' وَقَدْ اَصْبَحَ عَامَّةُ مُؤَاخَاةِ النَّاسِ الْيَوْمَ عَلٰى اَمْرِ الدُّنْيَا وَذٰلِكَ لَا يُجْدِي عَلٰى اَهْلِهِ شَيْئًا)) (۱۱۸)

''جو اللہ ہی کے لئے محبت کرے اور اللہ ہی کے لئے بغض رکھے' اللہ کی خاطر موالات رکھے اور اللہ ہی کی خاطر معادات رکھے تو اس کے ذریعے اللہ کی ولایت اور محبت کو پہنچ سکتا ہے۔ اور بندہ اپنے نماز و روزہ سے' خواہ کس قدر زیادہ ہوں' ایمان کی چاشنی کو نہیں پا سکتا یہاں تک کہ اس کی یہ کیفیت ہو جائے۔ جبکہ آج عام طور پر لوگوں کی موالات و دوستی دنیاوی معاملات میں ہوتی ہے' حالانکہ یہ ان کے کسی کام نہ آئے گی''۔ (۱۱۹)

---

(۱۱۹) ایک اسرائیلی روایت میں بھی اس چیز کو واضح کیا گیا ہے: اوحى الله الى نبي من الانبياء ان قُل لفلان العابد: امّا زُهدك في الدّنيا فتعجّلت راحة نفسك واما انقطاعك الى فتعززت بي فما عملت فيما لي عليك؟ قال يارب وما لك عليّ؟ قال: هل واليت لي وليّا او عاديت لي عدوًّا؟ (حلية الاولياء ۳۱۶/۱۰۔ تاریخ بغداد ۲۰۳/۳، بروایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) ''اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ایک نبی کی طرف یہ وحی کی کہ فلاں عابد سے کہہ دو کہ جہاں تک دنیا میں تمہاری پرہیزگاری کا تعلق ہے تو اس کے بدلے تم نے دنیا میں قلبی سکون پالیا ہے اور جہاں تک تمہارا لوگوں سے الگ تھلگ رہنے کا تعلق ہے تو اس کے بدلے تم نے مجھ سے قوت حاصل کر لی ہے۔ لیکن میرا جو حق تیرے اوپر ہے اس کا کہاں حق ادا کیا؟ عابد نے سوال کیا پروردگار! آپ کا میرے اوپر کون سا حق ہے؟

چوتھی اور پانچویں علامت: مؤمنین کے لئے نرم اور کافروں کے مقابلے میں سخت

اللہ سے محبت کرنے والوں کی علامت اور پہچان کو معلوم کرنے کے لئے اس ندائے ربّانی کو غور سے پڑھیں:

﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَ یُحِبُّوْنَہٗٓ ۙ اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ یُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴾ (المائدۃ:٥٤)

''اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص مُرتد ہو جائے تو اللہ بہت جلد ایسی قوم لائے گا جو اللہ کو محبوب ہو گی اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتی ہو گی' وہ نرم دل ہوں گے مسلمانوں پر اور سخت اور تیز ہوں گے کفار پر' اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ بھی نہ کریں گے۔ یہ ہے اللہ کا فضل جسے چاہے دے' اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور زبردست علم والا ہے۔''

حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

اذلّۃ علی المؤمنین کالولد لوالدِہ والعبدِ لسیّدہ' اعزّۃ علی الکافرین کالسّبع علی فریستہ (۱۲۰)

''یعنی نرم دل ہوں گے مسلمانوں پر' جیسے بیٹا اپنے باپ پر اور غلام اپنے مالک کے لئے نرم دل ہوتا ہے' سخت اور تیز ہوں گے کے کفار پر' جیسے درندہ اپنے شکار پر سخت گیر ہوتا ہے۔''

اس آیت میں اہل ایمان اور اللہ سے محبت کرنے والوں کی چار صفتیں بیان ہوئی ہیں:

۱) مؤمنوں کے لئے نرم۔

۲) کافروں پر سخت۔

۳) اللہ کے راستے میں جہاد۔

۴) اور دینی معاملات میں ملامت گر کی پرواہ نہ کرنا۔

پہلی دو صفتوں کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ جن سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں ان کی یہ بڑی اہم خوبی ہے کہ وہ مسلمانوں کے لئے نرم خو' نرم مزج' متواضع اور خوش خو ہوتے ہیں' جبکہ کافروں کے مقابلے میں سخت' نا قابلِ تسخیر اور چٹان کے مانند ہوتے ہیں۔ اسی چیز کو سورۂ فتح میں یوں واضح کیا گیا ہے:

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ...... ﴾

''محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں' اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں' آپس میں رحم دل ہیں۔'' (آیت ۲۹)

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مؤمن!

اگر کوئی ایسا شخص ہے جو دعویٰ تو ایمان اور محبتِ الٰہی کا کرتا ہے لیکن اس کی ساری تگ و دو' نرمی اور خوش روی اللہ کے دشمنوں کے لئے ہو' ملک میں یہود و نصاریٰ تو امن و امان سے رہیں اور دینِ حق کے داعیوں سے جیل بھرے ہوئے ہوں' فسق و فجور میں ملوث لوگ سڑکوں پر آسانی سے گھومیں اور مساجد و دینی مجالس کا رخ کرنے والوں پر جاسوسی کی نظریں ہوں تو ایسے لوگ اپنے ایمان میں جھوٹے اور محبت کے دعوے میں بھی جھوٹے ہوتے ہیں۔

چھٹی علامت: اپنی جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد

اس سے قبل مذکورہ آیات میں اللہ سے محبت کرنے والے اور اللہ کے محبوب بندوں کی ایک علامت یہ بھی بیان ہوئی ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہوتے ہیں' جس کا ماحصل یہ ہے کہ جو شخص اللہ سے محبت کا دعوے دار ہوتا ہے وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے جان نہیں چراتا۔ وہ اپنے جان و مال سے جہاد کے لئے ہر وقت

⇐ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا میرے کسی ولی سے دوستی کی یا میرے ہی لئے کسی دشمن سے بغض رکھا؟'' (۱۱۷) ترجمۃ وتفسیر معانی القرآن' ص ٥٠٢' مطبوعۃ مجمع الملك فھد (ابورغال)' مدینۃ منورۃ۔ (۱۱۸) الزھد لابن المبارك' ص ٣٥٣۔ الدر المنثور ۸/۸۷۔ اس اثر کی تخریج گزر چکی ہے۔

تیار رہتا ہے۔ وہ اللہ کے باغیوں اور دشمنوں کو اللہ کی زمین پر باعزت اور اکڑ کر چلتے نہیں دیکھنا چاہتا' بلکہ اس کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ زمین اللہ کی ہے اس لئے اس پر قانون بھی اللہ ہی کا چلے گا۔ اس لئے وہ اللہ کے دشمنوں سے جہاد کرنا اپنا فریضہ تسلیم کرتا ہے۔ اس کا یہ ایمان ہے کہ:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَ اِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ، قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ ﴾ (التوبۃ:۲۸'۲۹)

''اے مؤمنو! مشرک لوگ ناپاک ہیں' لہٰذا اس سال کے بعد یہ مسجد حرام کے قریب نہ پھٹکنے پائیں۔ اور اگر تمہیں تنگ دستی کا خوف ہے تو بعید نہیں کہ اللہ چاہے تو تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے۔ یقیناً اللہ علیم وحکیم ہے۔ جنگ کرو اہل کتاب میں اُن لوگوں کے خلاف جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اسے حرام نہیں کرتے اور دین حق اپنا دین نہیں بناتے۔ ان سے لڑو یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں۔''

نیز فرمایا:

﴿ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَ يُخْزِهِمْ وَ يَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَ يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ، وَ يُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴾ (التوبۃ:۱۴'۱۵)

''ان سے لڑو' اللہ تمہارے ہاتھوں سے ان کو سزا دلوائے گا اور انہیں ذلیل کرے گا' ان کے مقابے میں تمہاری مدد کرے گا' اور مؤمنوں کے دلوں کی جلن مٹادے گا اور جسے چاہے گا توبہ کی توفیق بھی بخشے گا۔ اور اللہ علیم وحکیم ذات ہے۔''

مجاہد حق ہر وقت ارشادِ نبوی ﷺ کو سامنے رکھتا ہے:

((جَاهِدُوا الْمُشْرِكِيْنَ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَاَلْسِنَتِكُمْ)) (۱۲۱)

''اپنے مال جان اور زبان کے ذریعے مشرکین سے جہاد کرو۔''

ساتویں علامت: اللہ کے بارے میں کسی کی پرواہ نہ کرنا

آیت مذکورہ بالا (المائدۃ:۵۴) میں اللہ سے محبت کرنے والوں کی یہ چوتھی صفت بیان ہوئی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ وہ اپنے دین کی پیروی کرنے میں' احکامِ شرعیہ پر عمل کرنے میں' اس دین کی رو سے جو حق ہے اسے حق اور جو باطل ہے اسے باطل کہنے میں کسی بھی قسم کی جھجک محسوس نہیں کرتے۔ معاشرے میں جو برائیاں عام ہیں ان کے خلاف آواز اٹھانے اور اس موقف پر جمے رہنے میں انہیں کوئی باک نہیں ہوتا۔

دعوائے محبت کے اثبات میں یہ صفت بڑی اہم ہے' ورنہ کتنے ہی لوگ ہیں کہ جو برائیوں اور معاشرے کی خرابیوں سے اپنا دامن تو بچانا چاہتے ہیں لیکن ملامت گروں کی ملامت اور ماحول کا پاس ولحاظ انہیں برائیوں کی دلدل میں دھکیل دیتا ہے۔ نتیجتاً وہ باطل ومعصیت سے بچنے کی توفیق سے محروم رہتے ہیں' یا کم از کم خاموش رہ کر اس ماحول سے صلح کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

اس کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے اللہ کے رسول ﷺ اس امر پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت لیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ وَاَنْ لَا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهُ وَاَنْ نَقُوْمَ اَوْ نَقُوْلَ بِالْحَقِّ حَيْثُمَا كُنَّا لَا نَخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ (۱۲۲)

''اللہ کے رسول ﷺ نے ہم لوگوں سے بیعت لی کہ چستی اور سستی ہر حال میں بات سنیں گے اور مانیں گے' اور حکومت کے بارے میں اہل حکومت کے ساتھ لڑائی نہیں کریں گے' اور جہاں کہیں بھی رہیں گے بھلائی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے' اور اللہ کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے

---

(۱۲۲) صحیح البخاری: ۷۱۹۹'۷۲۰۰' الاحکام۔ وصحیح مسلم ۱۷۰۹' الامارۃ۔

نہیں ڈریں گے۔''

خلاصہ یہ ہے کہ محبت کی دو قسمیں ہیں: شرعی محبت اور فطری محبت۔ پھر شرعی محبت کی تین قسمیں بیان ہوئی ہیں:

(۱) اللہ سے محبت، جو عین ایمان یا ایمان کا جز و لازم ہے۔

(۲) اللہ کے مقابلے میں محبت، جو عین شرک ہے۔

(۳) اللہ کے لئے محبت، جو کمال ایمان کے لے ضروری ہے اور بسا اوقات ایمان کا جزِ ولازم قرار پاتی ہے۔

اس مسئلے میں تین باتوں کی وضاحت

پہلی بات

چونکہ عام طور پر لوگ ان قسموں میں فرق نہیں کر پاتے' بلکہ بہت سے لوگ نام تو لیتے ہیں اللہ کے لئے محبت کا جبکہ فی الواقع ان کی یہ محبت اللہ کے مقابلے میں محبت کی شکل اختیار کر لیتی ہے' اس طرح وہ دانستہ یا نادانستہ شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اس کی وضاحت ضروری ہے۔ حکیم ربانی امام ابن القیم ؒ نے اپنی مشہور کتاب ''الروح'' میں اس موضوع کو چھیڑا ہے۔ یہاں اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

اللہ کے لئے محبت اور اللہ کے مقابلے میں محبت کا فرق بہت اہم ہے اور ہر شخص اس کے جاننے کا سخت محتاج ہے۔ اللہ کے لئے جو محبت ہوتی ہے وہ ایمان کی تکمیل کا ذریعہ ہے' جبکہ اللہ کے مقابلے میں محبت شرک ہے۔ اللہ کے لئے جو محبت ہوتی ہے وہ اصل میں اللہ کے ساتھ محبت کا ایک حصہ اور اس کے تابع ہے' کیونکہ جب کوئی غلام کسی ایسی چیز سے محبت کرتا ہے جو اُس کے آقا اور مالک کو پسندیدہ ہے تو یہ محبت گویا مالک اور آقا کی رضا کے لئے کی گئی ہے۔ اسی طرح ایک مؤمن بندہ جب رسولوں اور ولیوں سے محبت کرتا ہے تو صرف اس لئے کہ شخصیات اللہ کو محبوب ہیں۔ اسی طرح وہ اگر کفر و شرک اور کافر و مشرک سے بغض رکھتا ہے تو اس لئے کہ یہ چیزیں اللہ کو مبغوض ہیں۔

اللہ کے لئے محبت کی علامت

امام موصوف فرماتے ہیں کہ اس محبت کی علامت یہ ہے کہ اللہ کے دشمن کے ساتھ جو دشمنی ہے وہ کسی خدمت واحسان کی وجہ سے محبت والفت میں نہ بدل جائے اور اللہ کے محبوب کے ساتھ جو محبت ہے وہ اس کی غلطی یا اپنی نظر میں اس کے کسی ناپسندیدہ عمل پر نفرت میں نہ بدل جائے۔

امام موصوف فرماتے ہیں کہ دین کی ساری بنیاد ہی چار اصولوں پر قائم ہے: محبت اور عداوت' اور باقی دو اصول ان کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں' یعنی کسی کام کو بجالانا یا کسی کام کو چھوڑ دینا۔

یعنی جس کی محبت و نفرت اور کام کرنا یا چھوڑ دینا اللہ کے لئے ہو اُس کا دین مکمل ہو گیا کہ جس وہ کسی سے محبت کرتا ہے تو اللہ کے لئے' کسی سے نفرت کرتا ہے تو اللہ کے لئے' کوئی کام کرتا ہے تو اللہ کے لئے اور کسی کام سے رک جاتا ہے تو اللہ کے لئے۔ اور ان چار چیزوں کے حوالے سے اللہ کی نسبت جس قدر کمی واقع ہو گی اس کا ایمان اسی مقدار سے ناقص ہو گا۔

اللہ کے مقابلے میں محبت

اللہ سے محبت کے برخلاف اللہ کے مقابلے میں محبت ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں: ایک تو وہ ہے جس سے توحید کی اصل بنیاد متاثر ہوتی ہے۔ یہ محبت شرک ہے اور اسلام کے منافی ہے۔ اور دوسری قسم وہ ہے جو للّٰہیت کی تکمیل اور محبت شرعیہ پر تو اثر انداز ہوتی ہے لیکن اس سے اسلام سے خروج لازم نہیں آتا۔

پہلی قسم: مشرکین کی اپنے بُتوں اور باطل معبودوں کے ساتھ محبت:

﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اَنۡدَادًا یُّحِبُّوۡنَہُمۡ کَحُبِّ اللّٰہِ ؕ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ﴾ (البقرۃ:۱۶۵)

''بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے شریک اوروں کو ٹھہرا کر اُن سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی محبت اللہ سے ہونی چاہئے' اور ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت سخت ہیں۔''

ان مشرکوں نے اللہ سے محبت کے ساتھ ساتھ اپنے معبودوں سے بھی ویسی ہی محبت کی جیسی وہ اللہ کے ساتھ رکھتے ہیں۔ یہی محبت ہے جسے عبادت و موالات کی محبت کہا جاتا ہے' جس میں خوف' امید اور دعا بھی شامل ہو جاتی ہے۔

یہ محبت شرکِ محض ہے جسے اللہ کبھی معاف نہیں فرمائے گا۔ کسی بندے کا ایمان اُس وقت تک مکمل نہ ہو گا جب تک اُن بتوں اور ان کے پجاریوں سے نفرت و دشمنی اور لڑائی نہ کرے۔ رسولوں کی بعثت اسی مقصد کے لئے ہے' کتابیں اسی لئے نازل کی گئی ہیں' جہنم کی تخلیق کا مقصد یہی ہے۔ اسی محبت میں ملوث لوگوں سے قتال

مشروع ہے اوران سے دشمنی ونفرت رکھنے والوں کے لئے جنت بنائی گئی ہے۔

دوسری قسم: ایسی چیزوں سے محبت جنہیں اللہ نے نفس انسانی کے لئے مزین کر دیا ہے۔ جیسے عورت، بچے، سونا، چاندی، نشان زدہ گھوڑے، کھیتی اور چوپائے وغیرہ۔ اس محبت کی تین صورتیں ہیں:

۱۔ اللہ تبارک وتعالیٰ تک پہنچنے، رضائے الٰہی کی طلب اوراس کی عبادت پر قوت حاصل کرنے کیلئے اگر یہ محبت کی جائے تو اس پر اجر ملے گا اور یہ بھی اللہ کے لئے محبت میں داخل ہوگی۔ سب سے کامل انسان اللہ کے رسول ﷺ کا یہی حال تھا۔ جیسا کہ دنیا میں سے دو چیزیں آپ ﷺ کا یہی حال تھا۔ جیسا کہ دنیا میں سے دو چیزیں آپ ﷺ کو محبوب تھیں، عورت اور خوشبو۔ یہ محبت امورِ رسالت میں آپ ﷺ کی معین ومددگار تھی۔

۲۔ اگر ان چیزوں سے طبعی اور فطری طور پر محبت کی گئی، بشرطیکہ اللہ کی محبوب وپسندیدہ چیزوں پر اسے ترجیح نہ دی گئی، تو یہ جائز ہے، اس میں کوئی مؤاخذہ نہ ہوگا، لیکن ایسی محبت سے اس شرعی محبت میں خلل واقع ہوگا جو للہ وفی اللہ کی جاتی ہے۔

۳۔ اگر انسان کا مقصد ہی ان چیزوں سے محبت کرنا ہو اور اس کی ساری کوششیں انہی چیزوں کے حصول کے لئے ہوں حتیٰ کہ وہ ان چیزوں کو اللہ کی محبوب وپسندیدہ چیزوں پر بھی مقدم کراتا ہے تو ایسا شخص ظالم اور خواہشات کا غلام ہے۔

پہلی صورت السابقین کی محبت ہے، دوسری مقتصدین کی اور تیسری ظالمین کی۔ (۱۲۳)

دوسری بات

اللہ سے محبت عین ایمان اور اللہ ہی کے لئے اس کے رسول ﷺ سے محبت بھی بندوں پر فرض ہے یہ ایسا مسئلہ ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اسی طرح دوسرے انبیاء وصالحین اور صدیقین کی محبت بھی تکمیل ایمان کے لئے ضروری ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ یہ محبت اللہ کے مقابلے میں محبت کی صورت نہ اختیار کر جائے، بدقسمتی سے بہت سے لوگ اللہ کے رسول ﷺ ودیگر انبیاء علیہم السلام اور صالحین واولیاء سے اللہ کے لئے نہیں بلکہ اللہ کے مقابلے میں محبت کرنے لگتے ہیں اور اتباعِ رسول اور احترام علماء میں حدودِ شرع کو پار کر جاتے ہیں، اپنے موقف ومسلک کی تائید میں صریح اور واضح دلائل کو چھوڑ کر بعض مجمل اور موضوع احادیث کا سہارا لیتے ہیں، حتیٰ کہ بسااوقات قرآن کے صریح احکامات پر بعض ضعیف اور موضوع احادیث کو صرف اس لئے مقدم رکھتے ہیں کہ ان روایات سے ان کی خواہشات کی تائید ہوتی ہے یا ان ضعیف اور موضوع روایات میں اللہ کے رسول ﷺ کی کوئی ایسی خصوصیات بیان ہوتی جس سے ان لوگوں کے باطل اور کفریہ عقائد کی تائید ہو رہی ہو۔

اسی طرح احادیث صحیحہ پر علماء کی رائے کو مقدم رکھنے کے لئے ایسے اصول وضع کئے گئے جن کے ذریعے احادیث کو تقلید کے نام یا تو منسوخ قرار دیا جائے یا ان کی تاویل کی جائے۔ یہ ایسے امور ہیں جن پر استدلال کے لئے دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ عملی میدان میں کام کرنے والے ہر طالب علم کے سامنے یہ امور مسلّم ہیں۔ علیٰ سبیل المثال نبی ﷺ کی محبت میں محفل میلاد کا انعقاد نعتِ نبی ﷺ کے نام پر آپ ﷺ کی مدح میں حدودِ شرعی کو پار کرنا اور اپنے موقف کی تائید میں مبہم اور موضوع احادیث کا سہارا لینا۔ حالانکہ ایسا کرنا نہ صرف یہ کہ صریح بدعت ہے بلکہ بغض رسول ﷺ کی دلیل ہے۔ قابل غور بات ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اُس شخص سے کیسے راضی ہو سکتے ہیں جو دن رات عقیدہ وعمل میں آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کی مخالفت کر رہا ہو! اور یہ کیسی محبت ہے کہ اس میں اللہ کا خوف نہ ہو؟

تیسری بات

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَ الْبَنِيْنَ وَ الْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ وَ الْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَ الْاَنْعَامِ وَ

---

(۱۲۳) کتاب الروح، ص ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸۔ امام ابن القیمؒ کا اشارہ اس سے سورۃ فاطر کی اس آیت کی طرف ہے ﴿ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَ مِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴾ (آیت ۳۲) ''پھر ہم نے اس کتاب کا وارث بنا دیا ان لوگوں کو جنہیں ہم نے اس وراثت کے لئے اپنے بندوں میں سے چن لیا۔ اب کوئی تو ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے اور کوئی بیچ کی راس ہے اور کوئی اللہ کے اذن سے نیکیوں میں سبقت کرنے والا ہے، یہی بہت بڑا فضل ہے۔''

الْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴾ (آل عمران:١٤)

''مرغوب چیزوں سے محبت لوگوں کے لئے مزین کردی گئی ہے' جیسے عورتیں اور بیٹے اور سونے چاندی کے جمع کئے ہوئے خزانے اور نشان دار گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی' یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے' اور لوٹنے کا اچھا ٹھکانہ تو اللہ ہی کے پاس ہے۔''

اس آیت میں تین باتیں بڑی اہم بیان ہوئی ہیں:

١): عورتیں' بچے اور مال و دولت کی محبت انسانی فطرت میں داخل ہے جس سے کسی کو چھٹکارا نہیں ہے۔

٢): یہ محبت و زینت اللہ کی طرف سے ایک آزمائش ہے کہ کون اس میں حدِ اعتدال کو ملحوظ رکھتا ہے اور کون ہے جو اِن حدود کو پار کر جاتا ہے۔ (١٢٤)

٣): یہ سارا سامانِ زندگی اصل مقصد نہیں ہے' بلکہ آخرت کے لئے کمائی کا ایک ذریعہ ہے' اصل ٹھکانہ اور مَرجع تو اللہ تعالیٰ ہے جس کی طرف ہر ایک کو پلٹ کر جانا ہے۔

اس آیت اور اس سے مستنبط فوائد پر غور کیجئے اور عام لوگوں کے حالات کو دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ ان کی تگ و دو انہی مرغوب چیزوں کے حصول کے لئے ہی ہے' بلکہ دنیا میں سارے فتنوں کی جڑیں یہ چیزیں ہیں' حتیٰ کہ کوئی بھی فردِ بشر ایسا نہ ملے گا جس کے دل میں اہل وعیال کی محبت نہ ہو' لیکن ایک مؤمن سے مطالبہ ہے کہ اس کے دل میں اللہ ورسول کی محبت ان مرغوب چیزوں کی محبت پر غالب آنی چاہئے۔ جیسا کہ دلائل سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔

یہاں یہ نکتہ بھی قابل لحاظ ہے کہ عام طور پر لوگ یہ محسوس کرتے ہیں کہ مذکورہ اشیاء کی محبت ان کے دلوں میں زیادہ رہتی ہے' حالانکہ وہ لوگ واجبات وفرائض پر عامل ہوتے ہیں' گناہوں سے پرہیز بھی کرتے ہیں' نیکی کے کاموں میں پیش پیش بھی رہتے ہیں' سفرِ حج کے لئے بھی نکلتے ہیں اور میدانِ جہاد کا بھی رخ کرتے ہیں' پھر بھی اہل وعیال اور مال ومنال کی محبت ان کے دلوں میں اس قدر جاگزیں ہوتی ہے کہ اٹھتے بیٹھتے' سوتے جاگتے جدا نہیں ہوتی۔ پھر ایسے شخص کے بارے میں کیا کہا جائے کہ وہ شخص مؤمن ہے کہ نہیں؟ اس کے دل میں اہل وعیال کی محبت زیادہ ہے یا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی؟ اگر اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا یہی مفہوم ہے' اور عام لوگوں کا یہی معیار ہے تو عام طور پر لوگوں کا ایمان ناقص ہے اور خطرے میں ہے۔

اس شبہ کا ازالہ محبت کی نشانیوں پر ایک نظر ڈال لینے کے بعد آسانی سے ہوسکتا ہے۔ اس میں مزید یہ کہ محبت کی دو قسمیں ہیں' طبعی وفطری محبت اور کسبی وعقلی محبت' جسے ہم محبت شرعیہ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے بارے میں بندوں سے جس محبت کا مطالبہ ہے وہ کسبی عقلی محبت ہے' اور مرغوب اشیاء کی جو محبت بندوں کے دلوں میں ہے وہ فطری اور طبعی ہے' اس لئے اس کا شعور زیادہ اور آسانی سے ہوتا ہے۔ البتہ ایک مؤمن سے مطالبہ ہے کہ وہ اس کسبی محبت کو اپنی طبعی اور فطری محبت پر غالب کرے' پھر اگر یہ کسبی محبت (١٢٥) کوشش کے بعد طبعی محبت پر غالب آگئی تو یہی ایمان کی تکمیل اور ''سابق بالخیرات'' کا طریقہ ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر بندوں کو عبادت میں لذت اور راحت محسوس ہونے لگتی ہے' کیونکہ یہ عبادت اس کے محبوب کو پسند ہے۔ جس طرح کہ کسی کا کوئی محبوب ترین شخص اس کا مہمان بن جائے تو وہ اس کی خدمت کرنے' اس کی ضیافت پر اپنی محبوب ترین اشیاء کو خرچ کردینے میں اور اس کی خدمت میں تھک کر دل میں سکون وراحت محسوس کرتا ہے' جبکہ یہی چیز اگر کسی دشمن یا غیر محبوب شخص کے لئے صرف کرنی پڑے تو دل کو ناپسندیدگی اور کراہت ہوتی ہے۔ اسی طرح مریض اگرچہ طبعی طور پر دوا کو ناپسند کرتا ہے' لیکن چونکہ اسے اپنی صحت عزیز ہے اس لئے طبیعت پر گراں ہونے کے باوجود پسند کرتا اور استعمال کرتا ہے۔ مثالوں پر دوسری اشیاء کو بھی قیاس کرلینا چاہئے۔ اب یہ بات ایک قصہ سے سمجھتے ہیں جس سے بات اور کھل کر سامنے آجائے گی۔

سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بالاکوٹ میں شہید ہونے والے خوش نصیبوں میں ایک بزرگ شیخ محمد اسحاق گورکھپوری رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ یہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے شرف تلمذ حاصل کرنے کے لئے دہلی تشریف لائے تھے اور وہیں سے سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہولئے۔ سرحد میں قیام کے دوران ایک بار مولانا شاہ

---

(١٢٤) اس چیز کو سورۃ الکہف میں اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے: ﴿اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴾ (الکہف:٧) ''روئے زمین پر جو کچھ ہے اسے ہم نے زمین کی زینت بنایا ہے' تاکہ ہم لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں سے کون نیک عمل کرتا ہے۔''

اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے وعظ میں ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ (اور جو لوگ مسلمان ہیں وہ اللہ کی محبت میں بہت سخت ہیں) کی تفسیر بڑے پر تاثیر انداز میں فرمائی ۔شیخ محمد اسحاق پر اس وعظ کا اتنا اثر ہوا کہ بے اختیار رونے لگے اور کھانا پینا ترک کر دیا۔مولانا کو جب اس واقعے کا علم ہوا تو بلا کر روجہ پوچھی۔شیخ نے کہا مجھے اپنی بیوی سے محبت ہے اور ہر وقت اس کا خیال رہتا ہے، یہ صورت ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ کے منافی ہے۔مولانا نے پوچھا کیا اس وقت بھی یہی کیفیت تھی جب آپ وطن میں تھے؟ جواب دیا کہ اُس وقت تو یہ کیفیت نہ تھی لیکن اب اس کا خیال زائل نہیں ہوتا۔مولانا نے پوچھا کہ کیا آپ بیوی کی محبت کے جوش میں لشکرِ اسلام کو چھوڑ کر وطن جا سکتے ہیں؟ جواب دیا ہرگز نہیں، مجھے دل پر اتنا قابو ہے کہ یہاں اگر ہزاروں تکلیفیں بھی پیش آجائیں تو خوشی خوشی جھیل لوں گا اور وطن کا قصد نہ کروں گا۔مولانا نے فرمایا: پھر اطمینان رکھئے کہ آپ یقیناً ''اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ'' کے گروہ میں شامل ہیں۔اس کے بعد کھانا کھایا۔[۱۲۶]

---

(۱۲۶) جماعت مجاہدین، از غلام رسول مہر، ص ۱۶۹۔
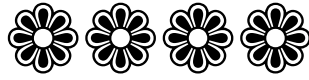
احترام وتعظیم

لفظ ''ولاء'' لغوی اور شرعی طور پر جن معانی پر مشتمل ہے ان میں احترام وتعظیم بھی داخل ہے۔

کسی کے احترام وتفہیم کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اسے عزت ورفعت دی جائے اور اسے اپنے سے اعلیٰ اور افضل ثابت کیا جائے۔ اور یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ از روئے شرع احترام وتعظیم کا مقام صرف اللہ' اس کے رسول اور مؤمنین کا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾

''عزت تو صرف اللہ کے لئے اور رسول کے لئے اور ایمان داروں کے لئے ہے' لیکن یہ منافق نہیں جانتے۔'' (المنافقون:۸)

اور اللہ ہی ساری عزت کا مالک ہے' وہ جسے چاہتا ہے عزت بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (آل عمران:۲۶)

''آپ کہہ دیجئے: اے اللہ! اے تمام جہان کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جسے چاہے ذلت دے' تیرے ہی ہاتھ میں سب بھلائیاں ہیں ۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔''

اور یہ بھی مسلّمہ حقیقت ہے عزت اللہ تعالیٰ اپنے ولیوں کو دیتا ہے اور ذلت اس کے باغیوں اور دشمنوں کے نصیب میں ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا اِلَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا﴾

''جو منافق اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق اور دوست بناتے ہیں انہیں یہ خوشخبری سنا دو کہ ان کے لئے دردناک سزا ہے۔ کیا یہ لوگ عزت کی تلاش میں ان کے پاس جاتے ہیں حالانکہ عزت تو ساری کی ساری اللہ ہی کے لئے ہے۔'' (النساء:۱۳۸'۱۳۹)

یعنی کافروں کی جھولی میں جا گھسنے سے عزت نہیں مل جائے گی' بلکہ عزت کا معاملہ تو اللہ کے اختیار میں ہے اور وہ عزت اپنے ماننے والوں کو ہی عطا کرتا ہے۔ جسے وہ عزت دے وہی حقیقتاً عزت والا ہے اور جسے وہ ذلیل کرے پھر دنیا میں کوئی طاقت ایسی نہیں ہے کہ اسے عزت بخش سکے۔ اس لئے جس کو عزت درکار ہو اُسے باری تعالیٰ کے دروازے پر حاضر ہونا ہوگا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا﴾ (فاطر:۱۰)

''جو کوئی عزت حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ یہ جان لے کہ ساری عزت اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔''

نماز وتر کی مشہور دعا جو آپ ﷺ نے اپنے نواسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو سکھلائی تھی' اس کے الفاظ ہیں:

((اِنَّهٗ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ ، وَلَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ)) [۱۲۷]

''اے اللہ! بلاشبہ جس سے تیری دوستی ہو وہ ذلیل وخوار نہیں ہوسکتا' اور جس سے تیری دشمنی ہو وہ کسی حال میں باعزت نہیں ہوسکتا۔''

ان نصوص سے پتہ چلتا ہے کہ عزت کا مالک صرف اللہ ہے' جس کو چاہتا ہے اور جتنی چاہتا ہے اس میں سے دے دیتا ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ عزت صرف اپنے نبیوں

---

(۱۲۷) سنن ابی داؤد:۱۴۲۵'الوتر'باب القنوت فی الوتر ـ وسنن النسائی ۱۷۴۴'قیام اللیل'باب الدعاء فی الوتر ـ وسنن ابن ماجة :۱۱۷۸'اقامة الصلاة'باب ماجاء فی القنوت فی الوتر بروایت حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) ـ وسنن الکبریٰ ۲/۲۰۹ ـ یہ الفاظ سنن الکبریٰ بیہقی کے ہیں۔ دیکھئے ارواء الغلیل' ص۴۲۹۔

اوراہل ایمان ولیوں کو ہی دیتا ہے۔اس لئے مؤمن کو چاہیئے کہ عزت کا طالب اللہ ہی سے رہے اور اللہ کی دی ہوئی عزت کو صرف انہی لوگوں کے لئے استعمال کرے جو اس کے عنداللہ مستحق ہیں۔۔البتہ جو اللہ کے باغی ہیں اور جن کی موالات (دوستی) شیطان اور طاغوت کے ساتھ ہے ان کے لئے اللہ تعالی کی عطا کی ہوئی عزت کا کوئی حصہ خاص نہ کرے۔

کفار کی تعظیم کی دو قسمیں ہیں اور دونوں کا حکم بھی جدا جدا ہے۔

ا: دینی امور میں کافروں کی تعظیم۔

ب: دنیاوی امور میں کافروں کی تعظیم۔

ا: دینی امور میں کافروں کی تعظیم

دینی امور میں کفار کی تعظیم کے یہ معنی ہیں کہ کسی کافر کی تعظیم اس لئے کریں کہ یہ ان کا پوپ ہے، یا ان کی کتاب کا جاننے والا ہے یا دینی امور کا اہتمام کرنے والا ہے۔اس وجہ سے کہ ان کا مذہبی شخص یا پیشوا ہے۔یا ان کے مذہب سے متعلقہ چیزوں کو عزت دے۔جیسے نصرانیوں کے نشانِ صلیب، ہندوؤں کے ترشول اور یہودیوں کی طلیسان کی تعظیم کرے یا ان کے مذہبی مقامات کی تعظیم کرے۔

چونکہ ایسا صرف اس صورت میں ہوسکتا ہے جب دل میں ان چیزوں کی اہمیت ہو اور کسی بھی شکل میں ان سے رضا مندی ہو اس لئے یہ چیز اسلام کے منافی امور میں شامل ہے اور ارتداد میں داخل ہے۔چنانچہ ایسا کرنے والا شخص کفر کا مرتکب سمجھا جائے گا اور اسلام سے خارج ہو جائے گا۔اس کی تفصیل پچھلے صفحات میں گزر چکی ہے کہ رضا بلکفر کفر ہے۔

ب: دنیاوی امور میں کافروں کی تعظیم

دنیاوی امور میں ان کی تعظیم کی متعدد صورتیں ہوسکتی ہیں۔جیسے سلام میں پہل کرنا۔تعظیمی کلمات استعمال کرنا، تحائف وہدایا میں مسلمانوں پر انہیں فوقیت دینا وغیرہ۔

سلام میں پہل کرنا: کسی سے سلام میں پہل کرنا اسے تعظیم واحترام دینے کے ہم معنی ہے۔اس لئے کسی کافر کو سلام میں پہل نہیں کرنا جائز نہیں۔متعدد احادیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے یہود ونصاریٰ سے سلام میں پہل کرنے سے منع فرمایا ہے ایک حدیث میں ہے:

((لَاتَبْدَءُوْا الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی بِالسَّلَامِ، وَاِذَا لَقِیْتُمْ اَحَدَھُمْ فِی طَرِیْقٍ فَاضْطَرُّوْہُ اِلَی اَضْیَقِہٖ)) (۱۲۸)

''یہود ونصاریٰ سے سلام کرنے میں پہل نہ کرو۔اور اگر ان میں سے کسی سے راستے میں ملو تو اسے تنگ راستے سے گزرنے پر مجبور کردو''۔

ایک بار آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کے ساتھ یہود کی طرف جانے کا ارادہ فرمایا تو صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ:

((اِنِّی رَاکِبٌ غَدًا اِلَی الْیَھُوْدِ فَلَا تَبْدَءُوْھُمْ بِالسَّلَامِ)) (۱۲۹)

میں کل یہود کی طرف جا رہا ہوں، دیکھو ان سے سلام میں پہل نہ کرنا''۔

حدیثِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی شرح میں حافظ عبدالرزاق مناوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ممانعت اس لئے ہے کہ سلام کرنا عزت واحترام کا لازمہ ہے، جبکہ کافروں کی تعظیم جائز نہیں، بلکہ ان کے لئے تو یہی مناسب ہے کہ ان کی توہین وتذلیل کی جائے، ان سے اعراض اور بے رخی سے کام لیا جائے۔شافعی مسلک کا صحیح قول یہی ہے کہ غیر مسلم سے سلام میں پہل کرنا حرام ہے۔(۱۳۰)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شرح صحیح مسلم میں حرمت ہی کو راجح قرار دیا ہے۔(۱۳۱)

---

(۱۲۸) صحیح مسلم:۲۱٦۷، السلام، باب ٤۔ وسنن ابی داؤد:۵۲۰۵، الادب، باب ۱٤۹۔ والادب المفرد:۵۱۳، بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (۱۲۹) الادب المفرد للبخاری:۱۱۰۲، باب ۵۱۲۔ وسنن ابن ماجۃ:۳٦۹۹، الادب، باب ۱۳، بروایت ابو بصرہ الغفاری رضی اللہ عنہ۔علامہ البانی نے اس صحیح کہا ہے، صحیح الادب المفرد:۸۳۸۔ (۱۳۰) فیض القدیر ٦/۵۰۱۔ (۱۳۱) شرح صحیح مسلم ۱٤/۱٤۵۔

فضیلۃ الشیخ ابن باز اور علامہ قصیم فضیلۃ الشیخ ابن العثیمین رحمہما اللہ نے بھی کافروں کو ابتداءً سلام کرنے سے منع فرمایا ہے۔[۱۳۲]

ان احادیث اور علماء کے اقوال سے واضح ہوا کہ کسی کافر کو سلام میں پہل کرنے سے چونکہ اس کی تعظیم کا اظہار ہوتا ہے اس لئے یہ قطعاً جائز نہیں۔ خواہ راستے میں اس سے ملاقات ہو یا اس کے گھر یا دکان پر جانا پڑے، ہر حال میں اُس سے سلام میں پہل کرنا جائز نہیں۔ لیکن اگر کوئی ضرورت پیش ہو یا مجبوری ہو تو کافروں سے ایک خاص طریقے سے سلام کیا جائے گا، جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کافر حکام کو خطوط لکھتے وقت ان سے خاص طریقے سے سلام کیا تھا۔[۱۳۳]

اسی طرح اشارہ کرنا یا بعض ایسے کلمات کا استعمال جو کسی معاشرے میں رائج ہوں، جائز ہے۔ جیسے صباح الخیر، شب بخیر، گڈ مارننگ وغیرہ۔

کافروں کے سلام کا جواب ''وعلیکم'' سے دیا جا سکتا ہے۔

کافروں کے لئے تعظیمی کلمات کا استعمال: جس طرح کافروں سے سلام میں پہل کرنا منع ہے اسی ایسے کلمات کا استعمال جن سے ان کی تعظیم اور بڑائی کا ظہار ہو، جائز نہیں ہے۔ جیسے سر، سید، سردار، عالی جناب، عزت مآب اور دیگر الفاظِ تعظیم واحترام وغیرہ۔

ارشادِ نبوی ہے:

((لَا تَقُوْلُوْا لِلْمُنَافِقِ سَيِّدَنَا فَاِنَّهُ اِنْ يَكُ سَيِّدَكُمْ فَقَدْ اَسْخَطْتُمْ رَبَّكُمْ عَزَّوَجَلَّ)) [۱۳۴]

''منافق کو، میرے سردار، نہ کہو، کیونکہ اگر منافق کو تم نے اپنا سردار بنایا تو تم نے اپنے ربّ کو ناراض کیا۔''

دوسرے الفاظ میں حدیث یوں مروی ہے:

((اِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِلْمُنَافِقِ سَيِّدٌ فَقَدْ اَغْضَبَ رَبَّهُ عَزَّوَجَلَّ)) [۱۳۵]

''جب کسی شخص نے منافق کو سیّد کہا تو اس نے اپنے ربّ کو ناراض کیا۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ منافق اور کافر کے لئے ایسے تعظیمی کلمات والقاب جس سے اُس کی فوقیت اور مُسلم پر اس کی افضلیت ظاہر ہو، جائز نہیں۔

علامہ ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

منافق کو سید نہ کہو، کیونکہ اگر وہ تمہارا سید ہو گیا تو تم سے بہتر اور افضل ہو گا اور ایسا تمہارے ربّ کو پسند نہیں ہے۔''[۱۳۶]

امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کافر کو سیدنا، مولانا کہہ کر پکارنا قطعی طور پر حرام ہے۔[۱۳۷] امام ذہبی اور امام ابن النحاس رحمہما اللہ کا رجحان بھی یہی ہے۔[۱۳۸]

یہی حکم ان فاسقوں کا اور بدعتیوں کا ہے جو اپنے فسق اور بدعت پر مصر اور لوگوں کے سامنے کھلم کھلا اس کا ارتکاب کرنے والے ہوں۔ چنانچہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ ریاض الصالحین میں باب باندھتے ہیں کہ:

''فاسق اور بدعتی وغیرہ کو، سید، کہنے کی ممانعت کا بیان''۔[۱۳۹]

---

(۱۳۲) فتاویٰ علماء البلد الحرام، ص ۹۸، ۹۹۔ (۱۳۰) دیکھئے صحیح البخاری: ۷، بدء الوحی، باب ۵۔ وصحیح مسلم: ۱۷۷۳، الجهاد والسیر، باب ۲٦، بروایت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما۔ اس حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے جب ہرقل روم کو خط لکھا تو اس میں تحریر کروایا: بسم الله الرحمن الرحیم من محمد رسول الله الی هرقل عظیم الروم، سلامٌ علی من اتبع الهدی۔ (الحدیث)۔ بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر (۱۳۴) مسند احمد ۵/۳٤٦۔ الادب المفرد: ۷٦۰، باب ۲۸۸۔ وسنن ابی داؤد: ٤۹۷۷۔ الادب المفرد بروایة بریدہ رضی اللہ عنہ۔ امام البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو السلسلة الصحیحة، ح ۲۷۱۔ (۱۳۵) مستدرك الحاکم ٤/۳۱۱، اخبار اصبهان ۲/۱۹۸۔ دیکھئے الصحیحة: ۳۷۱۔ (۱۳٦) عون المعبود ۱۳/۳۲٤۔ (۱۳۷) احکام اهل الذمة ۲/۷۷۱۔ (۱۳۸) الکبائر للذهبی، ص ۲۲۲۔ تنبیه الغافلین لابن النحاس، ص ٤۰۰۔ (۱۳۹) ریاض الصالحین مترجم ۲/٤٤٤، باب ۳۲۱۔

پھر اس کے بعد حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث نقل کرتے ہیں۔

اس حکم میں وہ سارے الفاظ شامل ہیں جن سے کافر کی تعظیم کا اظہار ہوتا ہو۔ جیسے مسٹر، سر، محترم، جنابِ عالی، مولانا اور صاحب وغیرہ۔

لیکن بدقسمتی سے یہ وبا لوگوں میں بہت عام ہو چکی ہے۔ خصوصاً وہ لوگ جن کا اٹھنا بیٹھنا اور کاروبار کافروں اور منافقوں کے ساتھ ہے، ان کے درمیان ایسے الفاظ کا استعمال بڑی کثرت اور فراخ دلی سے ہو رہا ہے، حالانکہ کوئی کافر کسی مسلمان کا نہ تو ''سر'' ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس کا بھائی اور دوست۔ (۱۴۰)

---

(۱۴۰) اسلام میں رشتۂ اخوت اور بھائی چارگی کے دو سبب ہیں، فطری وطبعی اور شرعی۔ فطری وطبعی جیسے نسبی اور رضاعی بھائی اور شرعی جیسے دینی بھائی چارگی۔ اس کے علاوہ کوئی تیسرا ذریعہ نہیں ہے جس سے رشتۂ اخوت کو منسلک کیا جا سکے، نہ ہی وطنی اور نہ ہی ملکی یا کوئی اور ذریعہ۔ خونی رشتہ کی بنیاد پر اخوت کا معاملہ تو بہت واضح ہے، البتہ دین کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے تمام اہل ایمان کو بھائی قرار دیا ہے۔ قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ الحجرات: ۱۰ ''اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں''۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بھائی چارگی کو اسلام کے ساتھ مشروط کیا ہے جس کا لازمی نتیجہ ہے کہ ایمان کے فقدان کے ساتھ ہی بھائی چارگی بھی جاتی رہے گی۔ سورۃ التوبۃ میں ارشاد ہے: ﴿فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ﴾ ''اب بھی اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز کے پابند ہو جائیں اور زکوۃ دیں تو وہ تمہارے دین کے بھائی ہیں''۔ اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ کافر و مسلم کے درمیان اخوت کے لئے شرط ہے کہ کافر اپنے شرک سے توبہ کرے، ایمان لائے اور عمل صالح کرے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی متعدد احادیث میں بھی نسب ورضاعت کے علاوہ اخوت کے رشتے کو دین کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔ چنانچہ صحیحین کی ایک روایت میں ہے کہ: ((اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ)) ''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے''۔ (صحيح البخاری: ۲۴۴۲، المظالم۔ وصحیح مسلم: ۲۵۸۰، البر و الصلة، بروایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) انہی دلائل کی بنیاد پر علماء کا فتویٰ ہے کہ کسی غیر مسلم کو بھائی کہنا شرعاً جائز نہیں اور نہ ہی اسے اپنا دوست اور ساتھی بنایا جا سکتا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے مجموع فتاوی الامام ابن باز ۳/۱۰۴۶، فتاویٰ اللجنة الدائمة ۲/۴۱۔ یہی حکم کسی کافر عورت کو بہن کہنے کا بھی ہے۔ لیکن بدقسمتی سے یہ الفاظ لوگوں میں بہت عام ہو گئے ہیں، خصوصاً لفظ سسٹر جو عام طور پر نرسوں کے لئے مستعمل ہے وہ اس قدر عام ہے کہ اس سے چھٹکارا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ اصطلاح جدیدہ میں یہ لفظ اس معنی میں مستعمل نہیں ہے جس سے کسی کی تعظیم کا پہلو نکلے، پھر بھی بہتر یہی ہے کہ کسی کافرہ فاجرہ کو سسٹر کہنے سے پرہیز کیا جائے۔ دیکھئے معجم لمناهی اللفظیة للشیخ بکر بن عبداللہ ابو زید، ص ۲۹۷۔

یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے جو زبان سے بھائی کہنے کی صورت میں ہمارے ہاں ایک غلطی غیر قوم کی مشابہت میں سرایت کر آئی ہے، یعنی کسی غیر محرم مرد کو اپنا بھائی بنانا یا عورت کو اپنی بہن بنانا یا کسی کو اپنا بیٹا یا بیٹی تصور کرنا اور ان کے لئے وہ تمام حقوق تصور کر لینا جو ایک محرم رشتے کی صورت میں ہوئے ہیں، یعنی بے پردگی، خلوت، آزادانہ محفل آرائی وغیرہ، یہ غلطی مسلم معاشرہ میں عام ہوتی جا رہی ہے۔ ایسی خود ساختہ رشتہ داری کے اظہار کے لئے لوگ مختلف طریقے استعمال کرتے ہیں۔ کوئی قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر قسم کھاتا ہے، کوئی مسجد حرام میں جا کر کعبہ شریف پر ہاتھ رکھ کر حلف اٹھاتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی مرد نے کسی عورت کو کسی ہنگامی ضرورت کے تحت خون دیدیا ہو تو اسے اپنی بہن سمجھتا ہے۔ اگر یہی معاملہ مسلم مرد اور کافر عورت یا کافر مرد اور مسلم عورت کے بیچ ہوتا ہے تو وہ بھی آپس میں رشتہ داری کا اعلان کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ ہندو عورتیں رکھشا بندھن کے ذریعے یہ عہد دیتی ہیں اور مسیحی عورتیں بائبل پر ہاتھ رکھ کر اپنی باتوں کو پختہ کرتی ہیں۔ واضح رہے کہ یہ عمل سراسر ناجائز ہے، اور حرام ہونے کے ساتھ ساتھ انسان کے دین و اخلاق کے لئے کس قدر خطرناک ہے، اس کا اندازہ ہر صاحب غیرت مسلمان کو ہے۔ اس غلطی کی آڑ میں زنا، زنا بالجبر، اور میاں بیوی کے درمیان اختلاف کے جو حادثات پیش آ رہے ہیں قارئین کو اس سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو یہ وہی جاہلی رسم ہے جو آج سے چودہ سو سال قبل باطل قرار دی جا چکی ہے، جسے ''تبنّی'' کہا جاتا تھا، یعنی منہ بولا بیٹا بنا لینا۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ جب کسی کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیتے تھے تو اس کے بعد منہ بولا بیٹا ان سارے حقوق کا مستحق ہوتا تھا جس قدر اپنا حقیقی بیٹا ہوتا تھا، یعنی وراثت کا حق وغیرہ۔ اسی طرح اس کی بیوی اور بچے اس سے وہی میل جول رکھتے تھے جو حقیقی بیٹے اور بھائی سے رکھا جاتا ہے، حتیٰ کہ اس کی بیٹیوں سے اس کا نکاح ناجائز اور حرام سمجھا جاتا تھا۔ شروع اسلام کے اندر بھی کچھ دنوں تک یہ سلسلہ رہا، لیکن شریعت نے اس سلسلے کو ختم کر کے اسے بالکل ناجائز اور حرام قرار دیا، حتیٰ کہ اگر پہلے سے کسی نے کسی کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا تو اب اسے بیٹا کہنا یا اس کی طرف نسبت کرنا جائز نہ رہا۔ سورۃ الاحزاب کے شروع میں اسی غلط رواج کے خاتمے کا اعلان ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِهٖ ۚ وَ مَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓیْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَ مَا جَعَلَ اَدْعِیَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَ هُوَ یَهْدِی السَّبِیْلَ، اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ وَ مَوَالِیْكُمْ ؕ وَ لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ فِیْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَ لٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا﴾ (الاحزاب: ۴، ۵) ''کسی آدمی کے سینے میں اللہ تعالیٰ نے دو دل نہیں رکھے، اور اپنی جن بیویوں کو تم ماں کہہ بیٹھتے ہو انہیں اللہ نے (سچ مچ) تمہاری مائیں نہیں بنایا، اور نہ تمہارے لے پالک لڑکوں کو واقعی تمہارے بیٹے بنایا ہے۔ یہ تو تمہاری اپنے منہ کی باتیں ہیں، اللہ حق بات فرماتا ہے اور وہ سیدھی راہ بتاتا ہے۔ لے پالکوں کو ان کے حقیقی باپوں کی طرف نسبت کر کے بلاؤ، اللہ کے نزدیک پورا انصاف یہی ہے۔ پھر اگر تمہیں ان کے باپوں کا علم نہیں ہے تو وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں۔ تم سے بھول چوک میں جو کچھ ہو جائے اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں، البتہ گناہ وہ ہے جس کا ارادہ تم دل سے کرو، اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے۔'' آج کے زمانے میں بھی وہ گمراہی بھائی بہن بنانے کے نام پر لوٹ آئی ہے۔ ایک مسلمان جسے اپنا دین پسند ہے، اسے اس نکتہ پر ضرور غور کرنا چاہئے کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ہم کسی ایسی چیز کو جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، حلال سمجھ کر اپنے دین سے باغی ہو رہے ہیں۔

ابتداء میں تو یہ امور سرسری معلوم ہوتے ہیں لیکن آگے چل کر اس کے بہت سے غلط اثرات انسانی ذہن پر ظاہر ہوتے ہیں، حتیٰ کہ معاملہ حقیقی ولاء و براء تک پہنچ جاتا ہے۔ نتیجتاً اپنے حقیقی رشتہ دار اور حق دار تو پیچھے رہ جاتے ہیں اور کافروں سے تعلقات بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ ایسے ماحول میں رہنے والے لوگ اس خطرے کا اندازہ آسانی سے کر سکتے ہیں بشرطیکہ اُن کی دیدۂ عبرت وا ہو۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بیسویں صدی کی ساتویں دہائی میں ہندوستان کے ایک عام سیاسی انتخاب کے موقع پر کسی لیڈر کی کامیابی پر ایک جلسہ منعقد کیا گیا۔ کامیاب ہونے والا امیدوار ایک غیر مسلم کمیونسٹ شخص تھا۔ اس لیڈر کی تعریف میں لوگوں نے نظم و نثر دونوں شکلوں میں اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ بدقسمتی سے حاضرین جلسہ مقررین و سامعین عام طور پر مسلمان تھے۔ شہر کا ایک مشہور مسلمان شاعر اُس کافر اور دہریہ لیڈر کی تعریف میں یہاں تک کہہ گیا کہ:

''خدائے وقت ہیں، تم ان کا احترام کرو''

(نقلِ کفر کفر نباشد)

غور کا مقام ہے کہ اس کلام کے بعد ایمان کے لئے اس شاعر کے دل میں کون سی جگہ باقی رہ جاتی ہے۔ اور سب سے زیادہ افسوس اس بات پر ہے کہ شاعر کی اس کفریہ بات پر کسی نے اُف تک نہ کیا۔

جلسوں اور دینی تقریبات میں کافروں کو تشریف آوری کی دعوت دینا: کسی مذہبی تقریب اور خالص اسلامی اجتماع کے موقع پر (بشرطیکہ کوئی سیاسی مجبوری یا اس طرح کی کوئی خاص ضرورت نہ ہو) غیر مسلم لیڈروں اور پیشواؤں کو شرکت کی دعوت دینا بھی جائز نہیں، کیونکہ اس سے ان کی تعظیم واحترام اور مسلمانوں کے مقابلے میں ان کی فوقیت کا اظہار ہوتا ہے جو شریعت کی رو سے جائز نہیں ہے۔

سعودی عرب کی مجلس تحقیق وفتویٰ (اللجنة الدّائمة للبحوث و الافتاء) کے پاس آسٹریلیا کے مسلمانوں کی جانب سے ایک سوال نامہ پہنچا جس کا ماحصل یہ تھا کہ:

''ہمارے ملک میں غیر مسلموں کی اکثریت ہے۔ کیا ہم اپنے اجتماعات اور جلسوں کے موقع پر انہیں تقریر کرنے کا موقع دے سکتے ہیں؟''

مجلس تحقیق وفتویٰ کا جواب یہ تھا کہ ایسا کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس عمل سے دو برائیاں پیدا ہوسکتی ہیں:

۱۔ بہت ممکن ہے کہ وہ اپنی تقریر میں کوئی ایسی بات کہہ جائیں جسے سن کر مسلمان اپنے دین سے شبہات میں مبتلا ہو جائیں۔

۲۔ اس سے حاضرین کی نظر میں غیر مسلموں کی ایک اہمیت ہوگی اور اُن کی محبت کا شکار ہو کر لوگ فتنے میں پڑ سکتے ہیں (یا کم از کم لوگوں کی نظر میں وہ محترم اور معظم شخصیت بن جائیں گے)۔ [۱۴۱]

بدقسمتی سے یہ برائی بھی بہت عام ہوتی جارہی ہے، خصوصاً ایسی جگہ جہاں مسلمان اقلیت میں یا حالت ضعف میں ہیں، حالانکہ از روئے شرع یہ کام ناجائز اور حرام ہی نہیں بلکہ اسلام کے منافی امور کے قریب ہے، کیونکہ اگر کسی خالص دنیاوی معاملے میں بھی کسی کافر کو مسلمان پر فوقیت دی گئی تو شریعت میں اس کی بھی اجازت نہیں ہے تو کسی خالص اسلامی تقریب اور اجتماع کے موقع پر تقریر کرنے یا اس مجلس کی صدارت کرنے یا مہمان خصوصی کی حیثیت سے دعوت دینے کو کیسے جائز کہا جا سکتا ہے!

بعض مظاہر: ۱۴۲۰ھ میں کسی اخبار میں ایک تصویر شائع ہوئی جس میں کمبوڈیا کی چند مسلم دوشیزاؤں کو اس حال میں دکھایا گیا کہ وہ کسی غیر مسلم لیڈر کو اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر [۱۴۲] سلامی پیش کر رہی ہیں اور اس کافر لیڈر کا پرجوش استقبال کر رہی ہیں۔ ستم بالائے یہ کہ اس کافر لیڈر کو قرآن مجید سے متعلق منعقد کی گئی ایک تقریب میں مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے مدعو کیا گیا تھا۔

قارئین سے سوال ہے کہ کیا کسی کافر کی تعظیم واحترام کی اس سے زیادہ خطرناک کوئی اور صورت ہوسکتی ہے؟ اس صورت اور تعظیم کا ان صورتوں سے جوار تداد میں داخل اسے امام ضامن باندھ رہی ہیں۔ اس سال اور اس کے قبل و بعد بھی بعض مسلمان زیارت گاہوں میں حاضری پر بعض غیر مسلم سیاسی لیڈروں کو دستارِ فضیلت سے بھی

---

(۱۴۱) فتاوی اللجنة الدائمة ۲/ ۶۴، ۶۶۔ (۱۴۲) واضح رہے کہ سلامی پیش کرنے کا یہ طریقہ خالص ہندوانہ ہے۔

نوازا گیا۔ شاید دستارِ فضیلت اس بات دی جارہی ہو کہ یہ لوگ مسلمانوں کے قتل عام میں پیش پیش ہیں۔ سچ ہے کہ

یہی شیخِ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیمِ بوذر و دلقِ اویس و چادرِ زہرا

(اقبال)

۲۲ ذوالقعدہ ۱۴۲۰ھ بمطابق ۱۸ فروری ۲۰۰۰ء کی بات ہے کہ ایک مسلم ملک جس کی آبادی ساڑھے چھ کروڑ بتائی جاتی ہے اور اس میں مسلمانوں کا تناسب ۹۵ فیصد سے زیادہ ہے، جب ایک عیسائی سرکردہ لیڈر اس ملک کے دورے پر گیا تو اس ملک کے سب سے بڑے دینی ادارے بلکہ دنیا کے سب سے بڑے دینی ادارے کے ''شیخ اعظم'' اور 'امام اکبر' نے نہ صرف اس پرتپاک استقبال کیا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ تمام پروگراموں میں شریک رہا۔ [۱۴۳]

اس موقع پر ایک مسلم تنظیم کا سربراہ ٹیلیویژن پر اس طرح پیش کیا گیا کہ وہ بابا کے ہاتھوں کو بوسہ دے رہا ہے اور اسے اپنے سر پر رکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ (العیاذ باللہ)

اسی طرح یہی سیاسی تنظیم کا سربراہ مارچ ۱۹۶۵ء میں بیروت کے کیتھولک کنیسا میں داخل ہوا اور اس کے راہب ابراہیم عباد سے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں مختلف موضوعات پر گفتگو ہوئی۔ اس ملاقات کے آخر میں راہب نے سوال کیا کہ ایسا لگتا ہے کہ تم آج کسی خاص ضرورت سے آئے ہو، کیا میں تمہاری کوئی مدد کر سکتا ہوں؟ اس مسلم سربراہ نے جواب دیا کہ آپ سے صرف دعا اور برکتوں کا طالب ہوں۔ [۱۴۴]

لین دین میں مسلمانوں پر کافر کو فضیلت دینا: بات صرف تعظیم اور تعظیمی کلمات کے استعمال تک محدود نہیں رہتی بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر دیکھیں کہ صرف ظاہر میں بغیر کسی خاص ضرورت کے کسی کافر کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں کیا جائے گا جس سے کسی مسلمان کے مقابلے میں اس کی فضیلت ظاہر ہوتی ہو، کیونکہ شریعت کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ:

''اَلْاِسْلَامُ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی'' [۱۴۵]

''اسلام بلند ہے، اس پر کوئی چیز بلند نہیں ہوسکتی۔''

شریعت کا یہ اصول ہر جگہ مدنظر رکھا جائے گا اور کسی بھی جگہ کافر کو کسی بھی معاملے میں مسلمانوں پر ترجیح نہیں دی جائے گی۔ مثلاً:

۱۔ اگر کوئی خاص مجبوری یا اہم مصلحت درپیش نہ ہو تو مسلمانوں کے عام اجتماعات میں مسلمانوں کے مقابلے میں کافروں کو اونچا اور بہتر مقام نہ دیا جائے گا۔

۲۔ تحفہ اور ہدیہ دینے میں مسلمانوں پر کافروں کی ترجیح نہ دی جائے گی۔ (اِلّا یہ کہ تالیفِ قلب مقصود ہو۔)

۳۔ کسی کام پر لگانا ہو تو بھی مسلمان پر کافر ہو ترجیح نہ دی جائے گی۔

۴۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اگر دو دکانیں ہوں تو مسلمان کی دوکان چھوڑ کر بغیر کسی خاص ضرورت کے کافر کی دکان سے سامان نہ لیا جائے گا۔

۵۔ حتیٰ کہ مجرد نام لینے میں بھی کسی مسلمان سے پہلے کافر کا نام نہ لیا جائے گا۔ چنانچہ حضرت عائذ بن عمرو المزنی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ فتح مکّہ کے موقع پر میں اور ابوسفیان کے ساتھ خدمتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا۔ ابھی تک ابوسفیان مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد صحابہ میں سے کسی نے کہا کہ: ''هذا ابو سفيان و عائد بن عمرو'' یعنی یہ ابوسفیان اور عائذ بن مرو آ رہے ہیں۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عَائِذُ بْنُ عَمْرٍو وَابُوْ سُفْيَانَ ، اَلْاِسْلَامُ اَعَزُّ مِنْ ذٰلِکَ، اَلْاِسْلَامُ یَعْلُوْا وَلَا یُعْلٰی '' [۱۴۶]

''یوں کہو کہ یہ عائذ بن عمرو اور ابوسفیان آ رہے ہیں۔ اسلام اس سے قوی ہے۔ اسلام بلند ہے، اس پر کوئی دوسرا مذہب بلند نہیں ہوتا۔''

۶۔ سامنے اگر مسلمان و کافر موجود ہوں تو کسی چیز کے دینے میں کافر سے ابتداء نہ کی جائے، وغیرہ۔

علامہ قصیم ابن العثیمین رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ کفّار کے ساتھ دوستی اور مسلمانوں پر انہیں ترجیح دینے کا کیا حکم ہے؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

---

(۱۴۳) دیکھئے مصر سے شائع ہونے والا مشہور اخبار ''الاخبار'' (۱۴۴) وجاء دور المجوس ۲۱۹/۲۔ (۱۴۶) السنن الكبرىٰ للبهيقى ۲۰۵/۶۔ ابو يعلى الخليلى فى فوائد (تعليق التعليق ⇦

''اس میں کوئی شک نہیں کہ جو مسلمانوں کے مقابلہ میں کافروں سے زیادہ محبت کرتا ہے اس نے بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا۔ کیونکہ اس پر تو یہ واجب ہے کہ وہ مسلمانوں سے محبت کرے اور مسلمانوں کے لئے وہی کچھ پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ البتہ یہ کہ وہ اللہ کے دشمنوں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں زیادہ دوست رکھے، یہ تو اس پر حرام ہے اور وہ ایک عظیم خطرہ سے دوچار ہے۔ حتیٰ کہ اس کے لئے تو یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ کافروں سے مسلمانوں کے مقابلہ میں کم محبت کرے۔''

پھر بعض دلائل ذکر کرنے کے بعد علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے مزید فرمایا:

''اسی طرح جو اُن کی تعریف کرتا ہے یا کام لینے وغیرہ میں مسلمانوں پر انہیں ترجیح دیتا ہے تو اس نے بھی گناہ کا ارتکاب کیا اور اپنے مسلمان بھائیوں کے بارے میں بدظنی کا شکار ہوا اور کافروں کے ساتھ ایسی خوش فہمی میں رہا جس کے حق دار وہ نہیں ہیں۔ مسلمانوں پر واجب ہے کہ ہر میدان میں، خواہ کام پر مقرر کرنے کا مسئلہ ہو یا اور کوئی، مسلمانوں کو غیر مسلموں پر ترجیح دیں۔ اور اگر مسلمان سے کوئی کوتاہی ہوتی ہے تو اس پر واجب ہے کہ انہیں نصیحت کرے اور سمجھائے اور ظلم کی خرابی انہیں بتلائے۔ عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں کو اس کے ذریعے ہدایت دے دے۔'' (۱۴۷)

⇐، ۲/۴۷۹) وغیرھما۔ حافظ ابن حجر اور علامہ البانی رحمہما اللہ نے اس حدیث کو قوی اور حسن قرار دیا ہے۔ دیکھئے فتح الباری ۳/۲۶۸، ۲۶۹ اور اِرواء الغلیل: ۱۲۶۸، ۵/۱۰۶۔

چوتھی بحث
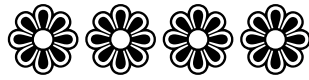
میل ملاپ اور سکونت

جیسا کہ پہلے توضیح ہو چکی ہے کے ولاء کے لغوی معنی میں ایک معنی قربت ونزدیکی کا بھی ہے۔ اسی مناسبت سے لغت میں ''ولی'' کے معنی قریب اور پڑوسی کے بھی آتے ہیں۔

چونکہ ایک مؤمن دوسرے مؤمن کا ولی ہے اور ولاء وموالات کا تقاضا ہے کہ مؤمن کا قرب ایک مؤمن ہی کے لئے ہو،اور ''قرب'' کا لازمی تقاضا ہے میل ملاپ اور سکونت مسلمانوں ہی کے ساتھ ہونی چاہئے اور کافروں کی صحبت اور ان کے ساتھ سکونت سے دُور رہنا چاہئے۔ امام ابوبکر بن العربی رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب ''احکام القرآن'' میں فرماتے ہیں:

> ''کسی مسلمان کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ کسی ایسے شخص کی صحبت اختیار کرے جو اپنے کفر پر قائم ہے' کیونکہ ایسا کرنا کفر ہے' اور نہ ہی یہ مناسب ہے کہ کسی گناہ کے کام میں کسی سے مفاہمت کرے' کیونکہ ایسا کرنا معصیت ہے۔''

پھر کچھ دلائل نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

> ''بغیر دوستی اور محبت کے باہم میل جول نہیں ہوتا۔''(۱۴۸)

یعنی جو کسی کی صحبت اختیار کر رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ اس کی دوستی اور اس سے محبت ہے۔

کافروں کے ساتھ مصاحبت کی متعدد صورتیں ہیں اور ہر صورت کا حکم بھی مختلف ہے۔ اس لئے اسے تفصیل سے رکھا جاتا ہے۔ کافروں کے ساتھ مصاحبت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ سکونت اور اقامت۔

۲۔ میل ملاپ اور راہ ورسم۔

اسی طرح سکونت و اقامت کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ دائمی اقامت۔

۲۔ وقتی اقامت۔

پھر دائمی اقامت کی بھی دو شکلیں ہیں:

دائمی اقامت کی پہلی صورت

ایک شکل تو یہ ہے کہ جس ملک یا شہر پر کافروں کا تسلط ہو مسلمان اس ملک یا شہر کا باشندہ ہو' خواہ پیدائشی طور پر ہو یا پھر پیدائشی طور پر کافر تھا لیکن بعد میں مسلمان ہو گیا ہو۔ قرآن اور احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ایسی جگہ جو کافروں کے زیر تصرف ہو اور وہاں مسلمان اپنے دین کے اظہار پر قادر نہ ہو' اس کے باوجود برضا ورغبت وہاں سکونت پذیر رہے تو ایسا شخص گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے۔ اور بہت ممکن ہے کہ یہ اسلام کے منافی امور میں داخل ہو جائے۔ اور اگر کوئی شخص وہاں رہنے پر مجبور ہے اور حسب استطاعت اپنے دل وزبان سے کافروں سے براءت وعداوت کا اظہار بھی کرتا ہے تو اس پر ارتداد کا حکم نہیں لگے گا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً

---

(۱۴۸) احکام القرآن ۳/۱۰۶۶۔

فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ فَاُولٰٓئِکَ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ (النساء:٩٧)

''جولوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں' جب فرشتے ان کی روح قبض کرنے آتے ہیں تو پوچھتے ہیں: تم کس حال میں تھے؟ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم اپنی جگہ کمزور اور مغلوب تھے۔ فرشتے کہتے ہیں: کیا اللہ تعالیٰ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم ہجرت کر جاتے؟ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ دوزخ ہے' اور وہ پہنچنے کی بری جگہ ہے۔'' (١٤٩)

چند صفحات پہلے صحیح بخاری شریف کے حوالے سے اس آیت کا شانِ نزول گزر چکا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو اسلام تو لا چکے تھے لیکن مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ نہیں آئے تھے' جس سے ایک طرف تو ان کا نقصان یہ تھا کہ انہیں کھلے طور پر عبادتِ الٰہی کی آزادی نہ تھی اور دوسری طرف کفار کو یہ فائدہ تھا کہ ان کو ان سے تقویت ملتی تھی' اس لئے انہیں صراحت کے جہنمی قرار دیا گیا' جس سے معلوم ہوا کہ جو شخص اسلام کا دعوے دار ہو اور جماعتی طور پر مدد اور منزل ومقام میں کافروں کے ساتھ ہو' اس طرح کہ کافر اسے اپنا ایک فرد سمجھتے ہوں' تو ایسا شخص کافر اور جہنمی ہے' اِلّا یہ کہ وہ وہاں اپنے دین کا اظہار کر رہا ہو اور کافروں کے ساتھ موالات نہیں بلکہ عداوت کا اظہار کرتا ہو۔ (١٥٠)

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''یہ آیت ہر اُس شخص کے بارے میں عام ہے جو کافروں کے درمیان سکونت پذیر ہے' وہاں ہجرت کر سکتا ہے اور وہاں رہ کر اپنے دین کے اظہار پر قادر نہیں ہے تو وہ اپنے اوپر ظلم کرنے والا ہے اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ وہ حرام کام کا مرتکب ہے۔''(١٥١)

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَاتُساکِنُوا الْمُشْرِکِيْنَ وَلَا تُجَامِعُوْهُمْ فَمَنْ سَاکَنَهُمْ اَوْ جَامَعَهُمْ فَهُوَ مِثْلُهُمْ)) وَفِی رِوَايَةٍ: ((فَلَيْسَ مِنَّا))(١٥٢)

''تم مشرکین کے ساتھ سکونت اختیار نہ کرو اور نہ ہی ان کے ساتھ مل کر رہو' پس جو مشرکین کے ساتھ سکونت کرے یا ان کے ساتھ مل کر رہے وہ انہی کی مانند ہے''۔ اور ایک روایت میں ہے: ''وہ ہم میں سے نہیں۔''

دوسرے الفاظ میں یہ حدیث یوں مروی ہے:

((مَنْ جَامَعَ الْمُشْرِکَ وَسَکَنَ مَعَهُ فَاِنَّهُ مِثْلُهُ)) (١٥٣)

''جو مشرک کے ساتھ مل کر رہے اور اُس کے ساتھ سکونت اختیار کرے وہ اسی کی طرح ہے''۔

ایک اور حدیث میں ہے:

((اَنَا بَرِیْءٌ مِنْ کُلِّ مُسْلِمٍ يُقِيْمُ بَيْنَ اَظْهُرِ الْمُشْرِکِيْنَ))قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَ؟قَالَ:((لَاتَرَاءٰی نَارَاهُمَا)) (١٥٤)

''مَیں ہر اُس مسلمان سے بَری ہوں جو مشرکین کے بیچ اقامت پذیر ہو' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ایسا کیوں؟ آپ نے فرمایا: ''(ان کو ایک دوسرے سے اس قدر دُور رہنا چاہئے کہ) ایک کو دوسرے کی آگ دکھائی نہ دے۔''

---

(١٤٩) محترم شیخ ابوالاشبال یہاں حاشیہ لگاتے ہیں: ''سوال یہ ہے کہ اس وقت دنیا کا کون سا ملک ہے جہاں مسلمان ہجرت کر کے جا سکتا ہے؟'' حضرت شیخ کا سوال اپنی جگہ وزن رکھتا ہے جس کے جواب کے لئے علماء وحکام سے جواب کا طالب ہوں کہ ان لوگوں نے مسلمانوں کو اس دلدل سے نکالنے کی کیا کوششیں کی ہیں؟ ہم نے قرآن وحدیث اور اقوالِ سلف کی روشنی میں صحیح شرعی موقف کو ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارے علماء وحکام کو توفیق بخشے کہ وہ اس موضوع پر سیاسی نقطۂ نظر سے غور کریں۔ (١٥٠) الدرر السنية ٨/١٦٣ و ١٦٨۔ (١٥١) تفسیر ابن کثیر ١/٧٢٠۔ (١٥٢) سنن الترمذی ٤/١٣٣' کتاب التفسیر' باب ٤٢' ح ١٦٠٥۔ الحاکم ٢/١٤١' ١٤٢۔ بروایت سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ۔ (١٥٣) سنن ابی داؤد: ٢٧٨٧' الجهاد' باب ١٨٢' بروایت سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ دیکھئے الصحيحة: ٢٣٣٠۔ (١٥٤) سنن ابی داؤد: ٢٦٤٥' الجهاد۔ وسنن الترمذی ١٦٠٥' السير' بروایت سمرة بن جریر رضی اللہ عنہ۔ دیکھئے صحیح الجامع: ٦١ ١٤۔

حتیٰ کہ آپ ﷺ نے بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس بات پر بیعت لی تھی کہ اسلام لانے کے بعد دیارِ کفر سے ہجرت کر کے دیارِ اسلام میں آ جائیں گے۔ چنانچہ حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

((اَتَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ وَھُوَ یُبَایِعُ فَقُلْتُ: ابْسُطْ یَدَکَ حَتّٰی اُ بَایِعَکَ وَاشْتَرِطْ عَلَیَّ وَاَنْتَ اَعْلَمُ ' قَالَ: ((اُبَایِعُکَ عَلٰی اَنْ تَعْبُدَا للّٰہَ وَتُقِیْمَ الصَّلَاۃَ وَتؤتِیَ الزَّکَاۃَ وَتُفَارِقَ الْمُشْرِکِیْنَ)) (۱۵۵)

''میں خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوا' اُس وقت آپ ﷺ لوگوں سے بیعت لے رہے تھے' میں نے کہا: اے اللہ کے رسول اپنا دستِ مبارک بڑھایئے تاکہ میں آپ سے بیعت کروں اور آپ مجھ پر جو شرط لگانا چاہیں لگائیں' کیونکہ آپ زیادہ بہتر جانتے ہیں' تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تم سے بیعت لیتا ہوں اس بات پر کہ اللہ کی عبادت کرو گے' نماز کو قائم رکھو گے' زکوٰۃ ادا کرو گے اور مشرکین سے جدائی اختیار کر لو گے۔''

مشہور صحابی حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ اپنے اسلام لانے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب میں خدمتِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا تو میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں' حالانکہ میں اتنی بار قسم کھا چکا ہوں (اپنے دونوں پہنچوں کی انگلیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا) قسم کھا چکا تھا کہ نہ میں آپ کے پاس آؤں گا اور نہ ہی آپ کا دین قبول کروں گا۔ اس وقت میں بجز اِس کے کچھ نہیں جانتا جو اللہ اور اس کے رسول مجھے سکھلائیں اور میں آپ سے اللہ کے واسطے سوال کرتا ہوں کہ مجھے وہ چیز بتلائیں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دے کر ہماری طرف بھیجا ہے! آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ نے مجھے اسلام دے کر بھیجا ہے''۔ میں نے عرض کیا کہ اسلام کے احکام و آداب کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((قُلْ اَسْلَمْتُ وَجْھِیَ اِلَی اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ وَتَخَلَّیْتُ' وَتُقِیْمُ الصَّلَاۃَ وَتُؤْتِی الزَّکٰوۃَ' کُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ مُحَرَّمٌ ' اَخَوَانِ نَصِیْرَانِ ' لَایَقْبَلُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ مِنْ مُشْرِکٍ بَعْدَ مَا اَسْلَمَ عَمَلًا اَوْیُفَارِقُ الْمُشْرِکِیْنَ اِلَی الْمُسْلِمِیْنَ)) (۱۵۶)

''کہو: میں نے اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیا اور شرک و کفر سے قطع تعلق کر لیا۔ اور نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔ مسلمان' مسلمان کا بھائی اور مددگار ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی مشرک سے اسلام لانے کے بعد کوئی عمل قبول نہیں کرتا جب تک وہ مشرکوں سے جدا ہو کر مسلمانوں کے پاس نہ آ جائے۔''

ان دلائل کے پیش نظر ہر اُس شخص پر کفر یا فسق کا حکم لگ سکتا ہے جو مسلمان ہو کر مشرکین کے ساتھ ایسی جگہ رہتا ہو جہاں اسے احکامِ اسلام پر عمل کرنے کی آزادی نہ ہو اور وہ وہاں سے ہجرت کرنے کی استطاعت بھی رکھتا ہو۔ چنانچہ امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے بعض اُن ممالک کے ذکر کے بعد جن میں نظامِ کفر نافذ تھا' فرماتے ہیں:

''اِن ممالک میں اگر کوئی شخص مسلمانوں کے خلاف کافروں کی مدد اور ان کی خدمت کے لئے رہتا ہے تو وہ کافر ہے۔ اور اگر وہاں صرف دنیاوی لالچ کے طور پر کافروں کے ذمی کی حیثیت سے رہتا ہے اور اس کے پاس اسلامی سرزمین تک پہنچنے کی طاقت بھی ہے تو بھی وہ کفر سے دُور نہیں ہے۔ اس کے لئے میں کوئی عذر نہیں سمجھتا۔''

اور آگے فرماتے ہیں:

''جو شخص قرامطہ کے علاقے میں برضا و رغبت رہتا ہے وہ بلاشبہ کافر ہے' کیونکہ قرامطہ کفر اور اسلام کے منافی امور کا ارتکاب علی الاعلان کرتے ہیں۔''(۱۵۷)

امام ابوبکر الجصاص الحنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''حسن بن صالح رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو مسلمانوں کی طرف ترکِ وطن کر سکتا ہو' پھر بھی دشمنوں (کافروں) کی سرزمین میں قیام پذیر ہو تو وہ شخص مشرکین کے حکم میں ہے' اگرچہ دعویٰ اسلام کا کرتا ہو (لیکن اس کے اس دعوے کا اعتبار نہیں ہے) اور اگر حربی (یعنی بلادِ کفر میں رہنے والے کافر) نے اسلام قبول کیا

---

(۱۵۵) مسند احمد ٤/٣٦٥۔ و سنن النسائی ١٤٨/٧ بروایت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ الصحیحۃ: ٦٢٦۔ (۱۵۷) المحلی ١٢٦/١٢۔ مسئلہ نمبر ۲۲۰۲۔

اوراس کے پاس مسلمانوں کی طرف ہجرت کرنے کی طاقت بھی ہے، پھر بھی وہ وہیں قیام پذیر رہا تو وہ بھی مسلمان نہیں ہے، اس کے مال و جان کا حکم حربی کافر کا ہے۔''

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ جو مسلمان دارالحرب چلا جائے اور اسلام سے نہ پھرے تو بھی دارالاسلام چھوڑنے کی وجہ سے اس پر ارتداد کا حکم لگے گا۔''(۱۵۸)

دواہم باتوں کی وضاحت

پہلی بات: دیارِ کفر میں سکونت اختیار کرنے والا شخص کفر یا گناہِ کبیرہ کا مرتکب سمجھا جائے گا، بشرطیکہ وہاں دو مجبوریاں ہوں:(۱۵۹)

۱۔ اس ملک یا شہر میں اسے احکامِ شریعت پر عمل کرنے کی اجازت اور قدرت نہ ہو۔

۲۔ وہ مجبور ہو اور ہجرت نہ کر سکتا ہو، خواہ اس کے لئے راستے ہموار نہ ہوں یا کافر اسے ترکِ وطن سے روکتے ہوں۔

یہ دونوں مجبوریاں کچھ وضاحت طلب ہیں کہ ان دونوں مجبوریوں کا اصل مدعا کیا ہے؟

جہاں تک پہلی شرط کا تعلق ہے تو عام طور پر اس کا مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ نماز و روزہ، حج و زکوٰۃ جیسے معاشرتی معاملات کو شریعت اسلامی کی رو سے نپٹانے کی کھلی اجازت حاصل ہو تو یہ کہا جائے گا کہ مسلمان اپنے دین کے معاملے میں آزاد ہیں، حالانکہ اسلامی آزادی کا یہ بہت ہی مختصر اور محدود مفہوم ہے بقول علامہ اقبال ؒ

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد!

جبکہ اسلامی آزادی ایک بہت وسیع مفہوم لئے ہوئے ہے۔ جس طرح نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ ارکانِ اسلام کو بجالانا اسلام کا حصہ ہے اسی طرح اسلامی آزادی کے مفہوم میں محرمات سے دوری، مسلمانوں سے موالات، کافروں سے بغض و عداوت، اُن سے دوری، اُن کے اعمال سے بے زاری اور ان پر انکار، اُن سے کنارہ کشی اور اُن کی مشابہت و تقلید سے پرہیز کرنا بھی اسلام کا حصّہ ہے۔(۱۶۰)

اگر کافروں کی تعریف، تعظیم، ان کی مدد، مسلمانوں کے مقابلے میں ان سے تعاون، ان کے ساتھ معاشرت اور علی الاعلان ان سے براءت نہ کرنا، ان کے قوانین وضعیہ کو قبول کرنا، ان کی عیدوں کا احترام (یعنی ان میں کھیل کود اور تعطیل وغیرہ)، خوشی و غمی میں ان سے یگانت کا اظہار اور مشارکت، شادی و بیاہ کے موقع پر (خصوصاً جبکہ اس میں غیر شرعی امور کا ارتکاب ہو) ان سے تعاون، ان کے اجتماعات میں حاضری، اپنے مذہبی اجتماعات میں حاضری کے لئے انہیں پیش کش کرنا، پھر سرِ مجلس انہیں بٹھانا، اپنے دینی جلسوں میں تقریر کے لئے انہیں دعوت دینا وغیرہ پایا گیا اور ان امور میں کسی طرح سے مجبوری رہی تو یہ اسلام کی آزادی نہیں بلکہ کافروں کے ساتھ موالات ہے، بلکہ بعض علمائے عقیدہ کے نزدیک یہ ارتداد ہے۔ ایسی صورتوں میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ مسلمان کو اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کی آزادی ہے۔(۱۶۱)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ ۚ إِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ أَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوا بِاللهِ وَحْدَهُ ......﴾ (الممتحنة: ٤)

''(مسلمانو!) تمہارے لئے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) میں اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے، جبکہ ان سب نے اپنی قوم سے برملا کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بے زار ہیں، ہم تمہارے (عقائد کے) منکر ہیں جب تک کہ تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ لاؤ، ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لئے عداوت ظاہر ہو گئی اور بیر پڑ گیا......''

---

(۱۵۸) احکام القرآن ۲/ ۲۴۱۔ (۱۵۹) ڈاکٹر وصی اللہ یہاں پر نوٹ لگاتے ہیں کہ ایک تیسری مجبوری یہ بھی ہے کہ کہیں ہجرت گاہ نہ ملے۔ ہندوستان جیسے ملک سے ہجرت بلا شبہ محال ہے۔

(۱۶۰) الدرر السنية ۱۵/ ٤٦٦۔ (۱۶۱) الدرر السنية ۱۵/ ٤٦٦

قارئین! اس آیت اوراس کے ترجمے کو دوبارہ غور سے پڑھیں' پھر جواب دیں کیا کافروں کے ساتھ موالات کے لئے کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟ بلکہ اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے تمام مؤمن بندوں کو یہ حکم دے دیا کہ کافروں کے ساتھ عدم تعلق' ان سے دشمنی' وبےزاری اور اجتناب سے کام لیں (۱۶۲) اور اگر ان کے ساتھ کسی قسم کا تعاون کیا گیا' خوشی غمی میں اُن کے ساتھ ہم آہنگی کی گئی' ان کی عیدوں اور تہواروں کے احترام میں دکانیں اور مدارس بند کئے گئے تو وہ کون سی سنتِ ابراہیمی ہے جس پر ہم عمل پیرا رہیں گے!

حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ جب اسلام لانے کے لئے خدمت نبوی میں حاضر ہوتے ہیں تو عرض کرتے ہیں: اے اللہ کے رسول ﷺ میں ایمان لانے کے لئے حاضر خدمت ہوا ہوں۔ آپ جو شرط چاہیں لگائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((تَعْبُدُاللّٰهَ ولَاتُشْرِكُ بِهِ شَيئًا وَتُصَلِّي الصَّلَاةَ الْمَكْتُوبَةَ وَتُؤَدِّي الزَّكَاةَ الْمَفْرُوضَةَ وَتَنْصَحُ لِلْمُسْلِمِ وَتَبَرَأُ مِنَ الْكَافِرِ)) (۱۶۳)

''اللہ کی عبادت کرو' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو' فرض نمازیں پڑھو' فرض زکوٰۃ دو' مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کرو اور کافروں سے براءت کا اظہار کرو۔''

آپ ﷺ نے اپنے اس فرمان میں حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے صرف فرائض پر عمل کا عہد نہیں لیا بلکہ اس کے ساتھ مسلمانوں کی خیر خواہی اور کفر و کافرین سے براءت کی بھی شرط لگائی۔

یمامہ کے رہنے والے لوگ وفات نبوی ﷺ کے بعد جب دین اسلام سے مرتد ہوئے تو ان میں تین قسم کے لوگ تھے۔ سوادِ اعظم نے مسیلمہ کو نبی تسلیم کرلیا اور مسلمانوں سے قتال کے لئے تیاریاں شروع کردیں' دوسرے گروپ نے مسیلمہ کی نبوت کا اقرار تو نہیں کیا لیکن مسیلمہ اور اس کے دین سے براءت کا اظہار بھی نہ کیا اور نہ ہی مسلمانوں کے پاس اس کے خلاف لڑائی کے لئے پیغام بھیجا' بلکہ خاموشی اختیار کی۔ ان کی تعداد اگرچہ زیادہ نہ تھی لیکن اتنی کم بھی نہ تھی کہ انہیں معمولی سمجھا جاتا۔ اس گروپ کا سردار مجاعہ بن مرارہ تھا۔ اور تیسرا گروپ ان سے مسلمانوں کا تھا جنہوں نے مسیلمہ کی نبوت کا انکار کیا' اس سے براءت کا اظہار کیا اور مسلمانوں سے ان کے خلاف مدد مانگی۔ ان میں سرفہرست ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ تھے۔

جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اُن سے قتال کے لئے آگے بڑھے اور اللہ نے فتح و کامیابی عطا فرمائی تو جس طرح پہلے گروپ کو قتل کیا اسی طرح دوسرے گروپ کے عذر کو قبول نہیں کیا' اور جب مجاعہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا اور اس نے اپنا عذر پیش کیا کہ میں اپنی قوم کا سردار تھا اس لئے میں خاموش رہا' حالانکہ میں مسیلمہ کو کذاب سمجھتا تھا تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمہارا اُس کی باتوں کی تردید نہ کرنا اور اس سے براءت نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ تم اس کے اعمال سے راضی ہو۔ چنانچہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس کے ساتھیوں کو جو سینکڑوں کی تعداد میں تھے قتل کردیا' لیکن جنگی مصلحت کی بنیاد پر مجاعہ کو قید کردیا۔ (۱۶۴)

اس لئے یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ اسلام کی آزادی کا جو مختصر اور محدود مفہوم بلادِ کفر میں رہنے والوں نے سمجھ رکھا ہے وہ سراسر غلط اور رروحِ شرع کے خلاف ہے۔ اسی غلط تصور کا نتیجہ ہے کہ ہم نے بعض ایسے اصحاب جبہ و دستار بھی دیکھے ہیں کہ جو صرف فرائض ہی نہیں بلکہ نوافل کا بھی اہتمام کرتے ہیں' مگر وہ اپنے کافر اور ملحد ساتھیوں کی ایسی دعوتیں بھی قبول کرتے ہیں' بلکہ یہ تعبیر بہتر ہے کہ قبول کرنے پر مجبور ہیں جن میں رقص و سرور کا سامان ہوتا ہے اور شراب و کباب کا دور چلتا ہے۔ اور اس پر مصیبت یہ کہ ایسی مجلسوں اور ان میں حاضری کا ذکر اپنے حلقۂ ارادت میں بطورِ فخر کیا جاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَ يُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا﴾

(النساء: ۱٤۰)

---

(۱۶۴) دیکھئے النجاۃ والفکاک (مجموعۃ التوحید' ص ۲۹۹' ۳۰۰) نیز دیکھئے البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ۶/ ۳۲۳' ۳۲٤۔

''اور اللہ تعالیٰ تمہارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ تم جب کسی مجلس والوں کو اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے اور مذاق اڑاتے ہوئے سنو تو اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک کہ وہ اس کے علاوہ اور باتیں نہ کرنے لگیں' ورنہ تم بھی اُس وقت انہی جیسے ہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تمام منافقوں اور سب کافروں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ ایسی مجلسوں اور اجتماعات میں شریک ہونا جن میں اللہ اور رسول ﷺ کے احکام کا قولاً یا عملاً مذاق اڑایا جا رہا ہو' جیسے آج کل امراء' فیشن ایبل اور مغرب زدہ حلقوں میں بالعموم ہوتا ہے' یا شادی بیاہ اور سالگرہ وغیرہ کی تقریبات میں کیا جاتا ہے' سخت گناہ ہے ﴿اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ﴾ کی وعیدِ قرآنی اہل ایمان کے اندر کپکپی طاری کر دینے کے لئے کافی ہے' بشرطیکہ دل کے اندر ایمان ہو۔ [١٦٥]

ایک اور حدیث میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يَجْلِسْ عَلٰى مَائِدَةٍ يُدَارُ عَلَيْهَا الْخَمْرُ)) [١٦٦]

''جو شخص اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ ایسے دسترخوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب کا دور چل رہا ہو۔''

اس لئے ضروری ہے کہ اس شرط کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ اسلامی آزادی کا کیا مفہوم ہے؟ امام وقت مفتی دیارِ سعودیہ علامہ محمد بن ابراہیم آل الشیخ رحمہ اللہ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

''الحمد للہ...... حدیث ((مَنْ جَامَعَ الْمُشْرِكَ وَسَكَنَ مَعَهُ فَهُوَ مِثْلُهُ)) (جو مشرک کی موافقت کرے اور اس کے ساتھ سکونت اختیار کرے وہ اس کی کی طرح ہے) اور حدیث ((اَنَا بَرِیْءٌ مِنْ مُسْلِمٍ بَاتَ بَيْنَ ظَهْرَانَی الْمُشْرِكِيْنَ)) (میں اُس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکین کے بیچ رات گزارتا ہے) ان دونوں حدیثوں میں مشرکین کی موافقت اور ان کے ساتھ رہنے پر سخت وعید ہے اور اس عمل کی حرمت کی شدت کا ثبوت ہوتا ہے' نیز ان دونوں حدیثوں سے بلدِ شرک سے بلدِ اسلام کی طرف ہجرت کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ حکم اُس شخص کے بارے میں ہے جو اپنے دین کے اظہار پر قدرت نہ رکھتا ہو۔ البتہ جو شخص اپنے امورِ دین کے اظہار پر قدرت رکھتا ہو اس کے لئے ہجرت واجب نہیں' بلکہ مستحب ہے۔ بسا اوقات تو اس کے لئے ہجرت مستحب بھی نہ ہو گی جبکہ اس کے وہاں رہنے میں کوئی دینی مصلحت پوشیدہ ہو' جیسے توحید و سنت کی طرف دعوت اور شرک و بدعت کی تردید میں اسے قدرت حاصل ہو۔

اظہارِ دین کا یہ معنی نہیں ہے کہ نماز اور دوسری دین کی باتوں پر عمل کرنے کی اجازت ہو اور سود' زنا وغیرہ جیسی حرام چیزوں سے پرہیز کر سکتا ہو' بلکہ دین کی آزادی یہ ہے کہ توحید کا کھلم کھلا اعلان کرے اور مشرکین کے اعمالِ شرک وغیرہ سے براءت کا اظہار کرے''۔ [١٦٧]

اس ضمن میں دوسری مجبوری کا مفہوم بھی لوگوں نے غلط سمجھا ہے' بلکہ یہ کہنا مناسب ہو گا کہ اس مجبوری کو صرف دنیاوی امور تک محدود رکھا گیا ہے۔ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ ''ترکِ وطن [١٦٨] کر کے کہاں جایا جائے؟ وہ کون سا ملک ہے جو ہمیں قبول کرے گا؟ پھر قبول کرنے کے بعد وہاں ہماری معیشت کے کیا ذرائع ہوں گے؟ جس ملک کے ہم باشندے ہیں وہاں کی جائیداد کا کیا بنے گا؟ پھر جس ملک کے ہم باشندے بنیں گے وہاں کی آب و ہوا اور ماحول ہمیں راس آئے گا کہ نہیں؟ معاملہ صرف میرا نہیں' ہمارے بچوں اور پورے گھر کا ہے' اس طرح تو ہم سارے خاندان سے کٹ کر رہ جائیں گے' جس جگہ ہم منتقل ہوں گے وہاں کا معاشرہ ہمیں قبول کرے گا یا نہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔'' اس قسم کے ہزاروں بہانے اور اَعذار سامنے آتے رہتے ہیں۔ مادّی مجبوری اور فطرتِ انسانی کی رو سے اس کی اہمیت بھی ہے لیکن ازروئے شرع یہ اعذار کوئی اہمیت نہیں رکھتے' بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ سورۃ النساء کی آیت ۹۷ جو ابھی چند صفحات پہلے گزری' جن لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے ان کے سامنے ایسے ہی عذر تھے۔ [١٦٩]

---

(١٦٥) تفسیر احسن البیان مذکورہ آیت کی تفسیر میں۔ (١٦٦) مسند احمد ١/٢٠۔ و سنن الکبریٰ للبیھقی ٧/٢٦٦ بروایت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔ و سنن الترمذی: ٢٨٠١۔ و الادب المفرد' باب ٤٣' الحاکم ٤/٢٨٨ بروایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ' دیکھئے رواء الغلیل ١٩٤٩' ٦/٧۔ (١٦٧) مجلة البحوث الاسلامية عدد ٦٠' ص ٦١۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں قبول نہیں فرمایا۔ اور جن لوگوں نے ان عذروں کو کوئی اہمیت نہیں دی اور سب کچھ اللہ کے لئے چھوڑ دیا اُن کے سامنے بھی یہی معاشرتی اور اقتصادی مسائل درپیش تھے' لیکن جب یہ سارے مسائل ان کے بارِ خاطر نہ گزرے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ تحفہ عطا فرمایا:

﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡرِیۡ نَفۡسَهُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ رَءُوۡفٌۢ بِالۡعِبَادِ﴾ (البقرۃ:۲۰۷)

''اور بعض لوگ وہ بھی ہیں جو اللہ کی رضامندی کے لئے اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں' اور اللہ اپنے بندوں پر بڑی مہربانی کرنے والا ہے۔''

مادّی مجبوریوں کا طوق گلے میں ڈال کر سوچنے والوں کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ جنت کا راستہ ایک پُر خار گھاٹی سے ہو کر گزرتا ہے جس کے چاروں طرف خطرات ہی خطرات ہیں۔ لیکن اس گھاٹی کے دوسرے کنارے پر ہمیشہ رہنے والی نعمتوں کے باغات ہیں۔ اگر کوئی شخص ان نعمتوں تک پہنچنے کے لئے اپنا سب کچھ کھو بیٹھتا ہے تو بھی کوئی افسوس نہیں ہے' بلکہ افسوس تو اُس پر ہے کہ جو اِس خطرناک گھاٹی کو چھوڑ کر ایک ایسے راستے پر چلتا ہے جو بظاہر تو صاف اور خواہشاتِ نفسانی کے موافق ہے لیکن اس کے آخر میں ایک ایسا خطرناک گڑھا ہے جس کی گہرائی اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

((حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ وَحُجِبَتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ)) (۱۷۰)

''جہنم کو خواہشات سے اور جنت کو ناپسندیدہ چیزوں سے گھیر دیا گیا ہے۔''

یہاں ایک ضروری بات رہ جاتی ہے جسے ذہن میں رکھنا چاہئے کہ یہ ترکِ مکانی صرف ایک ملک سے دوسرے ملک کے لئے خاص نہیں ہے بلکہ ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں' ایک صوبے سے دوسرے صوبے' ایک شہر سے دوسرے شہر کا بھی یہی حکم ہے کہ جس جگہ بھی رہ کر مسلمان کو اسلامی آزادی میسر نہ ہو تو بغیر کسی مجبوری کے وہاں ٹھہرے رہنا اس کے لئے جائز نہیں ہے' بلکہ اسے اس جگہ کو چھوڑ کر کسی پُر امن جگہ ہجرت کرنا ہوگا' خواہ اس کے لئے اسے اپنی ساری جائیداد اور عزیز و اقارب کو چھوڑنا پڑے' لیکن اگر استطاعت کے باوجود وہ اس جگہ پر قیام پذیر رہتا ہے تو وہ صورتِ حال کے پیشِ نظر گناہِ کبیرہ یا اسلام کے منافی امر کا مرتکب ہوگا۔

دوسری بات اور اس کی وضاحت: جو شخص برضا و رغبت دیارِ کفر میں قیام پذیر ہو' جہاں اسے اَحکامِ اسلام کے اظہار پر قدرت بھی نہ ہو' حالانکہ وہ وہاں سے نکلِ مکانی پر قدرت بھی رکھتا ہو تو شخص کافر ہے۔

اس مسئلہ پر جن دلائل کو سامنے رکھ کر استدلال کیا گیا ہے ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگوں کے نزدیک وہ آیات و احادیث اپنے ظاہر پر محمول نہ ہوں' بلکہ وہ انہیں محض دھمکیوں پر محمول کرتے ہوں' لیکن جس حکم سے کسی کو مفر نہیں ہے وہ یہ کہ ایسا کرنے والا شخص یقیناً گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہے' کیونکہ جس عمل پر اللہ تعالیٰ عذابِ جہنم کی وعید سنائے اور رسول اللہ ﷺ اس سے براءت کا اظہار کریں اسے کسی بھی طرح معمولی نہیں سمجھا جا سکتا۔ چنانچہ علامہ نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ سید عبداللہ الاھدل رحمہ اللہ کی کتاب ''السیف البتّار علٰی من یوالی الکفّار'' سے نقل فرماتے ہیں:

''جو شخص کسی ایسے شہر میں منتقل ہونا چاہتا ہے جس میں اہلِ کفر کا تسلط ہو تو وہ شخص فاسق اور گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہے' بشرطیکہ وہ کفر اور اعمالِ کفر سے راضی نہ ہو' اور راضی رہا تو وہ کافر و مرتد ہے اور اس پر مرتد کے احکام نافذ ہوں گے۔''

آگے فرماتے ہیں:

''اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ جو شہر اصل میں مسلمانوں کا تھا اور اب کافروں کے قبضے میں ہے' اگر مسلمان اس شہر میں اپنے دین کا اظہار کر سکتے ہیں اور (دین کے بارے میں) فتنے سے محفوظ ہیں اور اس کی امید نہیں کہ مسلمان ان کی مدد کو آئیں گے تو ان کے لئے ہجرت مستحب ہے' اور اگر اس شہر میں کافروں سے الگ رہ کر اپنے دین کا اظہار کر سکتے ہیں اور اپنا دفاع کر سکتے ہیں تو ان پر وہاں باقی رہنا واجب ہے' لیکن اگر وہ دین کے اظہار پر قادر نہیں ہیں اور دین کے بارے میں فتنہ کا خوف ہے تو بصورتِ استطاعت اُن پر ہجرت واجب ہے۔''(۱۷۱)

---

(۱۷۰) صحیح البخاری: ۶۴۸۷' الرقاق' باب ۲۸۔ وصحیح مسلم: ۲۸۲۳' صفة الجنة بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔ یہ الفاظ بخاری شریف کے ہیں۔ (۱۷۱) العبرۃ بما جاء فی الغزو والشھادۃ والھجرۃ' ص ۲۴۰' ۲۵۲۔ ہر داعی اور عالم کے لئے اس کتاب کے آخری ابواب کا مطالعہ بہت ہی مفید ہے۔

اور یہاں یہ امر بھی قابل اعتناء ہے کہ وہ لوگ جو کسی ایسے معاشرے میں رہتے ہیں جہاں کفر اور اہلِ کفر کا غلبہ ہوتا ہے' ابتداء میں تو ایسے لوگ اپنے تشخص کو باقی رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور کسی حد تک اس میں کامیاب بھی رہتے ہیں' لیکن ان کے ساتھ رہنے کی وجہ آہستہ آہستہ وہ احساسات کم ہوتے جاتے ہیں جو ایک مؤمن کے دل میں کافروں کے لئے ہونے چاہئیں اور آہستہ آہستہ عقیدۂ ولاء و براء سرے سے مفقود ہو جاتا ہے' پھر انہی غیرت مند اہلِ ایمان کی کوکھ سے ایسی نسل جنم لیتی ہے جو اس عقیدے سے قطعاً واقف نہیں ہوتی' اس کے نزدیک وَلاء و براء صرف ذاتی مصلحت' زمین' علاقہ اور شخصیات کی بنیاد پر ہوتا ہے' اور بات صرف یہیں تک ختم نہیں ہو جاتی بلکہ معاملہ یہاں تک پہنچتا ہے کہ اہلِ علم حضرات کا طبقہ بھی اس عقیدے کو بھول جاتا ہے۔ راقم سطور یہ باتیں اپنے ذاتی تجربے کی بنیاد پر لکھ رہا ہے' اور جس شخص کی بھی چشمِ بصیرت وا ہوگی وہ میری اِس بات سے صدفی صد موافقت کرے گا۔ اگر کسی کو میری ان معروضات پر اعتراض ہے تو اس سے گزارش ہے کہ وہ کسی دینی حلقے میں بیٹھ کر اس قوم کے نونہالوں کے سامنے یہ قضیہ رکھ کر اُن سے پوچھے' پھر فیصلہ کرے کہ ان میں کتنے نونہال ایسے ہیں جو اِس عقیدے سے علمی و عملی طور پر واقف ہیں۔

اب ہر صاحبِ غیرت داعی اور مسلمان سے سوال ہے کہ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ آخر یہ عقیدہ مسلمان نونہالوں کے دل سے کیسے رخصت ہوا؟

جواب صرف اور صرف یہ ہے کہ علماء اور دعات نے صرف مصلحت کی بنیاد پر کسی ملک کے قوانین کو مدنظر رکھتے ہوئے سردمہری سے کام لیا اور اسلامی رواداری کے نام پر اس اہم عقیدے کو لوگوں کے سامنے نہیں رکھا یا علماء اور دعات ان چند گھسے پٹے مسائل میں الجھ کر رہ گئے جو اُن کے درمیان موضوع بحث تھے' جس کی وجہ سے نئی نسل اس اہم اسلامی عقیدے سے نامانوس رہی۔ (۱۷۲)

اس لئے ہوسکتا ہے کہ ابتداء میں کوئی شخص میری گزشتہ معروضات پر اعتراض کرے اور متفق نہ ہو' لیکن جب نتائج پر غور کرے گا تو حقائق واضح ہو جائیں گے اور وہ امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کی اس بات کو صحیح تسلیم کرے گا کہ:

''اگر کافر کسی اسلامی شہر پر قابض ہو جائیں اور وہاں کے مسلمان باشندوں کو اُن کے حال پر رہنے دیں لیکن حکم و فیصلہ کافر حاکم کا رہے' جہاں وہ اپنے دین کفر کا علی الاعلان اظہار بھی کرے' تو جو مسلمان بھی وہاں رہ کر اُن کے ساتھ تعاون کرے گا' وہ اگرچہ اسلام کا دعوے دار ہو' کافر سمجھا جائے گا۔'' (۱۷۳)

دائمی اقامت کی دوسری صورت: کسی کافر ملک کی شہریت قبول کرنا

عصرِ حاضر میں دیارِ مشرق کی علمی اور مادی پسماندگی کی وجہ سے اِس وقت دیارِ مغرب کی طرف جو کفر' الحاد' ذہنی آوارگی اور جنسی آزادی کا اصل مرکز ہے' لوگوں کی ہجرت کا ایک سیلابِ رواں ہے۔ چونکہ مغرب کا نظام ایسا ہے کہ وہاں رہائش اختیار کر لینے کے بعد وہاں کی شہریت لینا کوئی مشکل کام نہیں' اس لئے وہاں پہنچنے کے لئے لوگ جائز و ناجائز ہر قسم کے حربے استعمال کرتے ہیں۔

لیکن سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ غیر شرعی طور پر کسی کافر ملک کی شہریت قبول کرنے کا کیا حکم ہے؟ چونکہ ماضی میں شہریت کا نظام رائج نہ تھا اس لئے میرے علم کے مطابق ایک صدی پہلے کے علماء کی تحریروں میں ایسی کوئی بات سرے سے نہیں ملتی۔ اور جب ماضی قریب میں حکومتوں کا یہ نظام شروع ہوا

---

(۱۷۲) اس کا مطلب ہرگز نہیں کہ علماءِ حق نے کلی طور پر سکوت اختیار کیا یا اس مسئلے کی اہمیت کو نہیں سمجھا' بلکہ ہر زمانے میں علماء اس کی اہمیت کو سمجھتے رہے اور ہر زمانے میں ایک ایسی جماعت موجود رہی ہے جو باطل کے خلاف نبرد آزما رہی۔ ہندوستان میں تحریک شہیدین اس کی واضح مثال ہے اور آج بھی دنیا کے گوشے گوشے سے ایسی آوازیں اٹھ رہی ہیں اور غیرت مند مسلمان اپنی اپنی استطاعت کے مطابق عقیدہ و عمل کی کوشش میں مصروف ہیں اور یہ سلسلہ نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام تک چلتا رہے گا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ((لَاتَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِيْ يُقَاتِلُوْنَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ عَلٰى مَنْ نَاوَاهُمْ حَتّٰى يُقَاتِلُ آخِرُهُمُ الْمَسِيْحَ الدَّجَّالِ)) (سنن ابی داؤد: ٤٣٨٤' الجهاد' باب ٤ ـ ومسند احمد ٤/٤٢٩ ـ ومستدرك الحاكم ٢/٧١ ـ عن عمران بن حصين رضی اللہ عنہ) ''میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر رہ کر اپنے مخالف سے جہاد کرتی رہے گی اور ان پر غالب آئے گی حتیٰ کہ ان میں کی آخری جماعت دجال سے لڑے گی)۔ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ اس جماعت میں عیسیٰ بن مریم کا نزول ہوگا۔ اس لئے کوئی شخص میری تحریر کا مطلب نہ سمجھے کہ ہم نے تمام علماء و دعات کو متہم کیا ہے' حاشا وکلا بلکہ اس سے میرا مقصد طالبانِ علوم شرعیہ اور مبلغین کے سوادِ اعظم کا اصل مسئلہ سے سکوت ہے۔ ڈاکٹر وصی اللہ کی تنبیہ پر وضاحت ضروری سمجھی گئی۔ (۱۷۳) المحلیٰ ١٢/١٢٦۔

تو جدید علماء نے اس موضوع کو چھیڑا اور اس کو بیان کیا ہے۔ چنانچہ مصر کی مجلس فتویٰ سے سوال کیا گیا کہ: اس مسلمان کے بارے میں علماء کیا فرماتے ہیں جو برضا ورغبت کسی غیر مسلم حکومت کی شہریت قبول کرے اور اس بات کا عہد کرے کہ اسلامی قوانین کی بجائے اس کے اوپر اُس ملک کے قوانین نافذ ہوں گے؟ اس عہد نامہ میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ شخص اس حکومت کی فوج میں شامل ہوگا خواہ اُس حکومت کو کسی مسلمان ملک سے قتال کرنا پڑے۔ یہ معاملہ اس وقت تیونس کے اندر فرانس کی شہریت لینے کے سلسلے میں درپیش ہے۔

جواب: سوال میں مذکور اصول وضوابط کے مطابق کسی غیر مسلم حکومت کی شہریت قبول کرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ شخص برضا ورغبت احکامِ اسلام ترک کرنے، اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال ماننے اور اس کی بعض حلال کردہ چیزوں کو حلال ماننے اور اس کی بعض حلال کردہ چیزوں کو حرام ماننے کا عہد کرتا ہے۔ نیز وہ ایسے قوانین کو قبول کر رہا ہے جسے اسلام نے باطل قرار دیا ہے اور اس کی خرابیوں کو واضح کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس میں سے کسی ایک عمل کی توجیہہ ''ردت کے علاوہ نہیں کی جاسکتی چہ جائیکہ کسی نے ان سارے احکام کو اکٹھا کر لیا ہو' جیسا کہ اس طرح کے کافرانہ ملک کی شہریت میں پنہاں ہیں۔ (۱۷۴)

مشہور مصری عالم علامہ رشید رضا مصری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس سوال کے جواب میں یہ تحریر فرمایا کہ اگر صورتِ حال یہی ہے جو سوال میں مذکور ہے تو ایسی شہریت کا قبول کرنا علمائے اسلام کے نزدیک بلا اختلاف ارتداد اور ملت اسلامی سے برضا ورغبت خروج ہے۔

مشہور مصری عالم علامہ یوسف دجوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایسی جنسیت (شہریت) قبول کرنے کو اسلام کے منافی اور شریعت سے خروج قرار دیا ہے۔ (۱۷۶) مملکت سعودی عرب کی ''اللّجنة الدّائمة '' نے بھی اپنے ایک سے زائد فتووں میں اس کی شدید حرمت کا فتویٰ دیا ہے۔ (۱۷۷) پاکستان کے مشہور عالم مولانا محمد تقی عثمانی بھی بغیر کسی سخت مجبوری کے غیر مسلم حکومت کی شہریت قبول کرنے کو مطلقاً حرام قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:

> ''فخر ومباہات کے طور پر غیر مسلم حکومتوں کی جنسیت قبول کرنا' یا مسلم ملک کی جنسیت پر اسے ترجیح دینا یا اُس ملک کے باشندوں کی عملی زندگی میں مشابہت کے لئے جنسیت لینا مطلقاً حرام ہے۔''

علماء کے اقوال کے پیش نظر کسی کافر ملک کی شہریت قبول کرنا بندے کے ایمان اور اس کے اہل وعیال کے لئے بہت بڑا خطرہ ہے' البتہ اس کا حکم جواز' کراہت' تحریم اور کفر اس شہریت کی نوعیت' اس ملک کے قوانین اور شہریت حاصل کرنے والے کے ذاتی حالات اور شہریت قبول کرنے کی شرائط پر منحصر ہوگا۔

البتہ اگر کوئی شخص اپنے ملک میں جان ومال اور عزت کے لحاظ سے محفوظ نہ ہو اور کسی ایسے ملک کی شہریت قبول کرلے جو اسے فوج میں داخلہ' مسلمانوں کے خلاف جنگ اور غیر اسلامی امور پر مجبور نہ کرے تو ایسی شہریت جائز ہوگی۔

یا کوئی شخص کسی ملک میں دین کی تبلیغ کرنا چاہتا ہے اور بغیر شہریت قبول کئے اس ملک میں قیام ممکن نہیں ہے اور شہریت قبول کرنے پر مذکورہ حرام کام بھی ضروری نہیں ہوتے تو یہ صورت جائز ہے۔

اسی طرح اگر کسی کو اپنے ملک میں حسب ضرورت رزق میسر نہیں اور وہ غیر ملک جانے پر مجبور ہے جہاں رہائش بغیر شہریت کے ممکن نہیں تو مذکورہ شروط کے ساتھ اس کے لئے بھی وہاں شہریت قبول کرنا جائز ہے' بشرطیکہ اس کافر ملک میں ہمیشہ رہنے کی نیت نہ ہو۔ (۱۷۷)

لیکن اگر کسی کو اپنے ملک میں حسبِ ضرورت رزق میسر ہے' یا کسی طرح گزارہ ہو رہا ہے تو غیر اسلامی ملک کی شہریت قبول کرنا جائز نہ ہوگا۔ پھر اگر اس ملک کی شہریت قبول کرنے میں کچھ اصول ایسے ہوں جو شریعتِ اسلامیہ کے خلاف ہوں اور اس شخص کو اس کا التزام کرنا پڑے تو ایسی شہریت کا قبول کرنا کسی صورت جائز نہ ہوگا' بلکہ

---

(۱۷۴) نواقض اسلام القولیة والعملیة 'ص ۳۶۷-۳۶۹۔ نواقض اسلام کے مؤلف نے یہ معلومات امام حرم الشیخ محمد بن السبیل کے مقالہ التجنس بجنسیة دول غیر الاسلامیة اور شیخ محمد الشاذلی کے مقالہ سے لی ہیں جو مجلّہ ''المجمع الفقهی'' کے عدد ۴ میں شائع ہوئی تھیں۔ (۱۷۵) فتاویٰ اللجنة الدائمة ۲/۶۹''۷۳۔ (۱۷۶) بحوث فی قضایا فقهیه معاصرة 'ص ۳۳۰' ۳۳۱۔ (۱۷۷) فاضل محترم الشیخ ابوالاشبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس صورت کے جواز پر توقف کیا ہے۔ محترم کی رائے کا اپنی جگہ ایک وزن ہے' البتہ چونکہ بعض علماء نے اس صورت کے جواز کی صراحت کی ہے اس لئے ناچیز نے اسے باقی رکھا ہے۔ دیکھئے بحوث فی قضایا فقهیة معاصرة 'ص ۳۲۹۔

اگر برضا ورغبت اسے قبول کیا گیا تو یہی چیز اسلام کے منافی امور اور ارتداد میں شمار ہوگی۔ واللہ اعلم!

وقتی اقامت

اب تک ہماری گفتگو کافروں کے زیر تصرف علاقے میں دائمی سکونت سے متعلق تھی۔ جہاں تک اُن کے زیر تصرف علاقے میں وقتی سکونت کا تعلق ہے تو اس کی بھی متعدد صورتیں ہیں۔ بعض صورتیں استحباب اور جواز کی حیثیت رکھتی ہیں اور بعض مکروہ اور حرام میں داخل ہیں۔ اسی طرح کافروں کے زیر تصرف علاقے میں سکونت کی کچھ شرائط ہیں۔ علامہ قصیم الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ نے اپنے ایک فتویٰ میں ان تمام صورتوں اور ان کی شرطوں کو مفصّل اور مدلّل بیان کیا ہے۔ ذیل میں اس فتوے کا اختصار نقل کیا جاتا ہے۔

سوال: کافروں کے ملکوں سکونت اختیار کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: کافر ملکوں میں سکونت وقیام مسلمان کے دین واخلاق اور آداب وسلوک کے لئے بہت بڑا خطرہ ہے۔ ہم نے اور ہماری طرح اور لوگوں نے بھی دیکھا ہے کہ وہ لوگ جو وہاں (ایک مدت تک) قیام پذیر رہے، جب واپس ہوئے تو سب کچھ گنوا کر واپس ہوئے۔ واپس ہوئے تو فاسق، بلکہ بعض تو مذہب اسلام بلکہ سارے مذاہب کے منکر ہو کر واپس آئے، یہاں تک کہ وہ لوگ دین کا بالکلیہ انکار اور اہل دین کا مذاق اڑانے لگے۔

اس لئے ضروری ہے کہ اس کا تحفظ ہو اور اس کے لئے کچھ شرطیں رکھی جائیں جو اس ہلاکت میں پڑنے سے روکیں کافر ملکوں میں اقامت کے جواز کے لئے دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

پہلی شرط: وہاں سکونت اختیار کرنے والا اپنے دین سے متعلق مطمئن ہو، اس طرح کہ اس کے پاس علم دین اور ایمان وعزیمت کا اتنا ذخیرہ موجود ہو کہ اسے اطمینان ہو کہ وہ اپنے دین پر قائم رہنے کے ساتھ گمراہی وبدسلوکی سے بچا رہے۔ دل میں کفر اور اہل کفر کے خلاف نفرت اور بغض رکھے اور ان کے ساتھ دوستی اور محبت سے پرہیز کرے، کیونکہ ان کے ساتھ وفا اور دوستی ایمان کے منافی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ﴾
(المجادلة:۲۲)

''اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائیں گے، گو وہ اُن کے باپ یا اُن کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے کنبے قبیلے کے عزیز ہی کیوں نہ ہوں۔''

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ۭ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ﴾ (المائدة:۵۱،۵۲)

''اے ایمان والو! تم یہود ونصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ یہ تو آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے گا وہ بے شک انہی میں سے ہے۔ ظالموں کو اللہ تعالیٰ ہرگز راہِ راست نہیں دکھاتا۔ آپ دیکھیں گے کہ جن کے دلوں میں بیماری ہے وہ دوڑ دوڑ کر اُن میں گھس رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں خطرہ ہے ایسا نہ ہو کہ کوئی حادثہ ہم پر پڑ جائے۔ بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح دے دے یا اپنے پاس سے کوئی اور چیز لائے، پھر تو یہ اپنے دلوں میں چھپائی ہوئی باتوں پر (بے طرح) نادم ہونے لگیں گے۔''

صحیح حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِنَّ مَنْ اَحَبَّ قَوْمًا فَهُوَ مِنْهُمْ وَاِنَّ الْمَرْءَ مَعَ مَنْ اَحَبَّ)) (۱۲۸)

''جو جس قوم سے محبت کرے گا وہ اسی میں سے ہے، اور آدمی اپنے محبوب کے ساتھ ہے''۔

اور اللہ کے دشمنوں کی محبت مسلمان کے دین کے لئے بہت خطرہ ہے' کیونکہ ان کی محبت کا لازمی نتیجہ ان کی اتباع و پیروی ہے' یا کم از کم اُن پر عدمِ انکار ہے۔ اسی لئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی اپنے دوستوں کے ساتھ ہے۔

دُوسری شرط: اپنے دین کے شعائر پر عمل کرنے پر اسے قدرت ہو' نماز پڑھنے' اگر وہاں اس کے ساتھی ہوں تو جمعہ و جماعت قائم کرنے' زکوٰۃ دینے' روزے رکھنے' حج کرنے وغیرہ میں کوئی رکاوٹ درپیش نہ ہو۔ اگر ان باتوں کی اجازت نہ ہو تو وہاں ٹھہرنا جائز نہ ہوگا' بلکہ ہجرت واجب ہوگی۔

مذکورہ بالا شرطوں کے پائے جانے کے بعد دیارِ کفر میں اقامت کی متعدد صورتیں ہیں:

۱۔ دین کی دعوت تبلیغ کے لئے قیام کرنا۔

یہ بھی جہاد کی ایک قسم ہے اور ہر صاحب استطاعت پر جہاد فرضِ کفایہ ہے' بشرطیکہ اس ملک میں دعوتِ دین پھیلانے اور اسے قبول کرنے پر کوئی پابندی نہ ہو' کیونکہ اسلام کی طرف دعوتِ دین کے واجبات اور انبیاء علیہم السلام کی سنّت ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا حکم ہے کہ اس دعوت کو ہر زمانے اور مکان تک پہنچایا جائے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((بَلِّغُوا عَنِّيْ وَلَوْ آيَةً)) (۱۷۹)

''میری طرف سے پہنچاؤ خواہ ایک ہی آیت کیوں نہ ہو۔''

۲۔ کافروں کے حالات کا جائزہ' ان کے عقائد و عبادات کی خرابی و بطلان اور اُن کے بُرے اخلاق کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے قیام کرنا' تاکہ جو لوگ ان سے متاثر اور ان کے بارے میں خوش فہمی کا شکار ہیں انہیں متنبہ کیا جا سکے۔

یہ قسم بھی جہاد کی ایک صورت ہے' لیکن شرط یہ ہے کہ اس قیام سے خاطر خواہ فائدہ حاصل ہو اور یہ قیام کسی بڑی خرابی کا باعث نہ بن جائے۔ اسی حکم میں مسلم حکومت کے لئے جاسوسی کا قیام بھی داخل ہے' تاکہ کافروں کی فریب کاریوں سے مسلمانوں کو متنبہ کیا جا سکے۔

۳۔ مسلم حکومت کی ضرورت کے تحت اجنبی حکومتوں سے تعلقات کی استواری وغیرہ کے لئے ٹھہرنا۔ جیسے سفارت خانوں اور اس سے متعلقہ اداروں کا عملہ' اس کا حکم قیام کے مقصد کے لحاظ سے ہوگا۔ اگر کسی شرعی مقصد سے وہاں قیام ہے تو باعث ثواب ہوگا' جیسے تعلیمی و تہذیبی شعبہ جات' جس کا مقصد یہ ہو کہ وہاں موجود طلبہ کی نگرانی و رہنمائی کی جائے۔

۴۔ کسی ذاتی ضرورت کے لئے قیام' جیسے تجارت اور علاج و معالجہ کے لئے قیام۔ یہ قیام بقدرِ ضرورت جائز ہوگا۔ اہل علم نے کافروں کے ملک میں بغرضِ تجارت جانے کی اجازت دی ہے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی ایسا منقول ہے۔

۵۔ تعلیم کے لئے قیام کرنا۔ اس قسم کا حکم ماقبل ذکر شدہ قسم کی طرح ہے' لیکن یہ قیام زیادہ خطرناک اور مقیم کے دین و اخلاق کی بربادی کا سبب ہے۔ کیونکہ شاگرد ہمیشہ اپنے آپ کو استاذ سے کم تر درجے کا سمجھتا ہے جس کے نتیجے میں وہ اپنے (کافر) استاذ کی تعظیم بھی کرتا ہے' اس کے خیالات و آراء سے متاثر بھی ہوتا ہے اور آداب و سلوک میں اس کی تقلید بھی کرتا ہے۔ نیز چونکہ شاگرد اپنے استاد کا محتاج ہوتا ہے اس لئے وہ استاذ کے غلط رویئے' گمراہی اور صحیح راستے سے بھٹکے ہونے کے باوجود اس کے ساتھ نرمی اور مداہنت سے کام لیتا ہے اور اس کے وہاں کچھ ساتھی بھی ہوتے ہیں جن سے وہ دوستی اور محبت و موالات کا رشتہ بھی جوڑتا ہے۔

تعلیم کے لئے کافرانہ ملکوں میں قیام اور زیادہ خطرناک ہے' لہٰذا عمومی بنیادی شرطوں کے علاوہ مزید درج ذیل شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے' ورنہ قیام جائز نہ ہوگا۔

① طالب علم پختہ عقل کا مالک ہو، جس سے وہ نفع ونقصان میں تمیز کر سکے، اس کی نظر مستقبل پر زیادہ ہو، البتہ کم عمر نوجوانوں اور کم عقل والوں کو بھیجنا بہت بڑے خطرے کا سبب ہے۔ صرف یہی نہیں کہ اُن کے دین و اخلاق کے لئے خطرہ ہے بلکہ ساری اُمت کے لئے خطرہ ہے جس کی طرف یہ پڑھ کر واپس ہوں گے اور جو زہر اُن

② کافروں سے لیا ہے اسے ساری قوم میں پھیلائیں گے۔ اس کی مثال تو ایسی ہے کہ کسی خونخوار بھیڑیئے کے سامنے بکریوں کو ڈال دیا جائے۔

طالب علم کے پاس شرعی علم کا اتنا ذخیرہ ہو جس کے ذریعے وہ حق و باطل میں تمیز کر سکے۔ اس کے اندر یہ صلاحیت ہو کہ وہ باطل کا ردّ اور حق کو ثابت کر سکے، تا کہ باطل کو حق اور حق کو باطل سمجھ کر دھوکہ کا شکار نہ ہو جائے۔

③ طالب علم کے پاس دین و تقویٰ کا وہ ہتھیار موجود ہو جو کفر و شرک سے اس کی حفاظت کر سکے، اس لئے کہ کمزور ایمان کا حامل شخص دیارِ کفر میں قیام کر کے اپنے آپ کو محفوظ نہ رکھ پائے گا، کیونکہ کفر وفسق کے اسباب وہاں اس قدر زیادہ اور مؤثر ہیں کہ کمزور ایمان رکھنے والے پر بہت جلد اثر انداز ہو جاتے ہیں۔

④ جو علم سیکھنے وہاں گیا ہے اس کے سیکھنے میں مسلمانوں کی مصلحت وابستہ ہو اور اسلامی ممالک میں اس کا بدل موجود نہ ہو۔ اگر وہ ایسا علم ہے جس سے مسلمانوں کی ضرورت وابستہ نہیں ہے یا اس کا بدل مسلم ممالک میں موجود ہے تو کسی کافر ملک میں قیام جائز نہ ہوگا۔ (۱۸۰)

۶۔ مستقل سکونت کے لئے قیام۔

یہ صورت ما قابل ذکر شدہ صورتوں میں سب سے زیادہ خطرناک ہے، کیونکہ اس صورت میں اہل کفر سے مکمل اختلاط کی وجہ سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوں گی۔ اس قیام سے یہ شعور واحساس پیدا ہوگا کہ وہ اس ملک کا باشندہ ہے۔ کسی ملک کی شہریت جس چیز کا تقاضا کرتی ہے وہ اس کے پورے حقوق ادا کرے گا اور واجبات کو بجالائے گا، جیسے وہاں کے لوگوں سے محبت، موالات اور ان کی تعداد میں اضافہ وغیرہ۔ اسی طرح اہل وعیال کافروں کے بیچ پرورش پائیں گے جہاں وہ اُن کے اخلاق وعادات کو اختیار کریں گے اور بہت ممکن ہے کہ عقیدہ وعبادت میں ان کی تقلید بھی کریں۔ اسی لئے اللہ کے رسول ﷺ ارشاد ہے:

((مَنْ جَامَعَ الْمُشْرِکَ وَسَکَنَ مَعَهُ فَهُوَ مِثْلُهُ)) (۱۸۱)

''جو مشرک کے ساتھ مل کر رہے اور اس کے ساتھ سکونت اختیار کرے وہ اسی کی طرح ہے۔''

اور ایک مسلمان کو یہ کیسے پسند ہو سکتا ہے کہ وہ کسی ایسے ملک میں قیام کرے جہاں شعائر کفر بلند ہوں، اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے خلاف فیصلہ ہو رہا ہو اور اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو، اپنے کانوں سے سن رہا ہو اور اس سے بھی آگے بڑھ کر اس ملک کی طرف اپنی نسبت کر رہا ہو اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ وہاں اس طرح اطمینان سے قیام پذیر ہو جیسے مسلم ملک میں رہتا ہو۔ (۱۸۲)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ بغیر کسی خاص اور اَشد ضرورت کے کسی کافر ملک میں جانا جائز نہیں ہے، خصوصاً ایسے کافر ملک میں جہاں ذہنی آوارگی اور جنسی اباحیت عام ہو اور اَخلاقی اقدار کا جنازہ نکل گیا ہو، بالخصوص تعلیم اور کام کی غرض سے جانا بہت ہی خطرناک ہے، کیونکہ ان دونوں صورتوں میں جانے والا اپنے طور پر ذہنی پستی اور کمتری کا شکار ہوتا ہے، اور اگر اپنے مذہب سے متعلق صحیح اور پختہ معلومات نہ ہو تو بہت جلد دہریت والحاد کا راستہ اختیار کر لیتا ہے۔ یہ ایسی چیز ہے جس کا احساس تعلیم وتربیت کے ماہرین حضرات کو آج سے سو سال قبل ہو چکا تھا۔ اسی لئے علامہ اقبال جو عصری تعلیم کے مؤید تھے، وہ بھی یہ کہہ اٹھے تھے کہ: ؎

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر

---

(۱۸۰) یعنی علماء نے یہاں ایک اور شرط کا اضافہ کیا ہے، وہ یہ کہ وہاں ٹھہرنے کی مدت مختصر سے مختصر ہو، ایک لمبی مدت کے لئے وہاں پر ٹھہرنا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ امام خطابی رحمہ اللہ حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ: ''وفیہ دلالة علی کراهة دخول دار الحرب للتجارة والمقام فیها اکثر من مدة اربعة ایام'' (معالم السنن مع مختصر السنن، ص ۴۳۷) اس حدیث میں اس حکم کی کراہت پر بھی دلیل ہے کوئی شخص دار الحرب میں تجارت وغیرہ کے لئے چار دن سے زیادہ ٹھہرے''۔ واللہ اعلم۔ امام خطابی رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ کم از کم مدت جو ضروری ہو، دیار کفر میں گزارنی چاہئے۔ بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر (۱۸۱) اس حدیث کی تخریج گزر چکی ہے اور وہیں پر اس کی تصحیح علماء کے اقوال سے ثابت کی جا چکی ہے۔ (۱۸۲) دیکھئے مجموع فتاوی ورسائل الشیخ ۳/۲۵-۳۰۔

لبِ خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ
ہم تو سمجھے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ !
گھر میں پرویز کے شیریں تو ہوئی جلوہ نما
لے کے آئی ہے مگر تیشۂ فرہاد بھی ساتھ!

میل ملاپ اور راہ ورسم

کافروں کے ساتھ میل جول کی ایک شکل اُن کے ساتھ لین دین کرنا اور راہ ورسم رکھنا ہے جس کی مختلف صورتیں ہیں:

۱۔ ان کے ساتھ ایک گھر میں رہنا۔

۲۔ ان کے ساتھ دوستی رکھنا۔

۳۔ ان کے یہاں آنا جانا اور ملاقات کا سلسلہ رکھنا۔

۴۔ ان کی مذہبی اور دینی تقریبات میں شریک ہونا۔

۵۔ ان کو ہدیہ دینا ان کے ہدیے اور تحفے قبول کرنا۔

۶۔ عیادت کے لئے ان کے ہاں جانا۔

۷۔ خرید وفروخت یا کسی اور ضرورت سے ان کے پاس بیٹھنا۔

۸۔ ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا۔

پہلی بحث: ان کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہنا

بعض مسلمانوں کے سامنے کچھ ایسے حالات پیش آتے ہیں کہ انہیں کافروں کے ساتھ ایک کمرہ یا ایک ہی بلڈنگ میں رہنے کا اتفاق ہوتا ہے جس میں آمدورفت کا راستہ ،بیت الخلاء اور غسل خانہ، مطبخ اور دیگر لوازمات مشترک ہوتے ہیں۔

اس سے متعلق علماء کا فتویٰ ہے کہ اگر کوئی ایسی مجبوری نہ ہو جس سے چھٹکارا مشکل ہے تو ایسا کرنا جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ جب مسلمان کسی کافر کا ہم نوالہ وہم پیالہ بن کر رہے گا تو آہستہ آہستہ اس کا دل بھی اس کی طرف مائل ہوگا۔ نتیجتاً عقیدۂ وَلاء وبراء میں خلل واقع ہوگا' کیونکہ یہ بات انسان کی فطرت میں داخل ہے کہ وہ جس کے ساتھ رہتا ہے اس کے عادات واخلاق سے متاثر ہوتا ہے۔ (۱۸۳)

یہ بھی قابل غور ہے کہ جب جمادات ایک دوسرے سے متاثر ہوتے ہیں تو انسان کا ایک دوسرے کے پڑوس سے متاثر ہونا لازمی ہے۔ مثال کے طور پر ایک پیالہ ہے 'اس میں اگر کوئی خوشبودار چیز ایک مدت کے لئے رکھ دی جائے تو اس کا اثر اس پیالے میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اگر اُس پیالے میں سے خوشبو کو ہٹا بھی دیا جائے تو بھی اس کا اثر ایک مدت تک اس میں باقی رہے گا۔ اسی طرح اگر اس میں کوئی بدبودار یا کڑوی چیز رکھ دی جائے تو بھی وہ اس کا اثر قبول کئے بغیر نہیں رہتا ۔ چنانچہ مؤمن کو ہر ایسے انسان کی صحبت اور مل کر رہنے سے دُور رہنا چاہئے جو اللہ کا باغی اور دشمن ہو۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح میں باب باندھتے ہیں: ''باب من الدّین الفرار من الفتن''(۱۸۴) (فتنوں سے اور فتنے کی جگہ سے دور رہنا دین میں داخل ہے'' کا بیان)

پھر اس باب کے تحت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی درج ذیل حدیث نقل کی ہے:

((یُوْشکُ اَنْ یَکُوْنَ خَیرَ مَالِ الْمُسلِمِ غَنَمٌ یَتبَعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ یفِرُّ بِدِیْنِهِ مِنَ الْفِتَنِ))

---

(۱۸۳)مجموع فتاوی الشیخ ابن باز ۳/۱۰٤٦۔(۱۸۴)صحیح البخاری 'کتاب الایمان۔

''قریب ہے کہ مسلمان کا بہترین مال بکریاں ہوں جنہیں لے کر وہ پہاڑ کی چوٹیوں اور گھاٹیوں میں چلا جائے۔ایسا وہ فتنوں سے اپنا دین بچانے کے لئے کرے گا۔''

نیز مشرکین کے ساتھ سکونت کی ممانعت میں آپ ﷺ کی اس حدیث کے عمومی الفاظ سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے:

((لَاتُسَاكِنُوا الْمُشْرِكِيْنَ وَلَا تُجَامِعُوْهُمْ)) (۱۸۵)

''نہ ہی مشرکین کے ساتھ سکونت اختیار کرو اور نہ ہی ان کے ساتھ رہو۔''

دوسری بحث: کافروں کے ساتھ دوستی رکھنا

کافروں کے ساتھ سکونت اور اُن کے پڑوس میں رہنے کی وجہ سے بسا اوقات ایک مسلمان ان سے دوستی بھی کر بیٹھتا ہے' خصوصاً جبکہ وہ ایک ساتھ پڑھتا یا کسی ایک ہی جگہ کام کرتا ہو۔از روئے شرع ایسا بھی جائز نہیں ہے کہ اللہ کے ولی کی دوستی اللہ کے دشمن سے ہو' کیونکہ کافر اللہ کا دشمن ہے اور مؤمن اللہ کا دوست ہے' اس لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ اپنے دوست کے دشمن سے دوستی کی جائے' بلکہ اگر حالات وضروریات ایک جگہ رہنے اور ایک ساتھ اٹھنے بیٹھنے پر مجبور بھی کرتے ہیں تو ایک مسلمان کو کافر سے دوستی کا ہاتھ نہیں بڑھانا چاہئے۔بلکہ حتی الامکان اس سے دوری اور اس کے اَعمالِ کفر سے براءت کا اظہار کرنا چاہئے۔جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

فضیلۃ الشیخ علامہ ابن العثیمین رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص کافروں کے ساتھ کام کرتا ہے' اسے آپ کیا نصیحت کرتے ہیں؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ یہ میرا بھائی جو کافروں کے ساتھ مل کر کام کر رہا ہے اسے میری نصیحت ہے کہ وہ کوئی ایسا کام ڈھونڈ لے جس میں اللہ اور اس کے رسول کا کوئی دشمن (جو اسلام کے علاوہ کسی اور دین کا پابند ہے) اگر یہ میسر آجائے تو یہی بہتر اور مناسب ہے۔اور اگر کوئی ایسا میسر نہ آئے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے' کیونکہ وہ اپنی ڈیوٹی نبھا رہا ہے اور کافر اپنی ڈیوٹی دے رہا ہے: لیکن اس شرط کے ساتھ کہ نہ تو اس کے دل میں کافر کی محبت و دوستی ہو اور نہ ہی اس سے موالات رکھے' اور یہ بھی کہ ان سے متعلق دیگر احکام کا پابند رہے' جیسے ان سے سلام میں پہل نہ کرے اور ان کے سلام کا جواب حسب مجبوری دے اسی طرح نہ اُن کے جنازے میں شریک ہو نہ ان کی عید میں شرکت کرے اور نہ ہی عیدوں کے موقع پر انہیں مبارک باد دے۔ (۱۸۶)

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَا تُصَاحِبْ اِلَّا مُؤْمِنًا وَلَا يَاكُلْ طَعَامَكَ اِلَّا تَقِيٌّ)) (۱۸۷)

''ساتھی صرف مؤمن کو بناؤ اور تمہارا کھانا صرف متقی لوگ ہی کھائیں۔''

علماء کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ کے اس فرمان کا مقصد مسلمانوں کو منافقین اور کفار کی صحبت سے روکنا ہے' کیونکہ ان کی صحبت دین کے لئے نقصان دہ ہے۔ (۱۸۸)

ایک اور حدیث میں ہے کہ:

((اَلرَّجُلُ عَلٰى دِيْنِ خَلِيْلِهٖ'فَلْيَنْظُرْ اَحَدُكُمْ مَنْ يُّخَالِلُ)) (۱۸۹)

''آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔پس تم یہ دیکھو کہ کس سے دوستی کر رہے ہو۔''

یعنی جو شخص کسی سے دوستی کرنا چاہتا ہے پہلے اُسے عینِ بصیرت سے دیکھے۔اگر اُس کے دین و اخلاق کو پسند کرتا ہے تو دوستی کرے ورنہ اسے چھوڑ دے۔ (۱۹۰)

اب سوال ہے کہ کون سا مسلمان ہے جو کافر اور اللہ و رسول کے دشمن کے دین کو پسند کرے گا؟ لہٰذا کسی مسلمان کی کافر و مشرک اور منافق بلکہ بدکردار مسلمان سے بھی دوستی نہیں ہوسکتی۔

---

(۱۸۶) مجموع فتاویٰ ورسائل الشیخ ۳/ ۳۹' ۴۰۔ (۱۸۷) سنن ابی داؤد: ۴۸۳۲' الادب' باب ۱۹۔ وسنن الترمذی: ۲۳۹۵' الزھد' باب ۵۵۔ ومسند احمد ۳/ ۳۸ بروایت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ۔ (۱۸۸) دیکھئے عون المعبود ۱۲/ ۱۷۹۔ (۱۸۹) سنن ابی داؤد' الادب' باب ۱۹۔ وسنن الترمذی: ۲۳۷۸' الزھد' باب ۴۵۔ ومسند احمد ۲/ ۳۰۳' بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔ (۱۹۰) فیض القدیر ۴/ ۶۹۔

تیسری بحث: کافروں کی زیارت

اگر کسی مسلمان کا کوئی قریبی عزیز اور قریبی رشتہ دار کافر ہے اور اس کے یہاں آمد و رفت کا سلسلہ رکھنے میں دین کا کوئی نقصان نہیں ہے تو یہ جائز ہے' ورنہ ناجائز۔ لیکن اگر کافر رشتہ دار نہیں تو اس کے یہاں بے مقصد آمد و رفت کا سلسلہ رکھنا' خصوصاً وقت گزارنے اور گپ شپ کے لئے جانا جائز نہ ہوگا۔ [۱۹۱]

البتہ اگر ہماری زیارت سے یہ امید ہو کہ وہ کافر اسلام کے قریب ہو جائے گا تو اس کی زیارت جائز ہوگی' لیکن بغیر کسی مقصد کے صرف دنیاوی مقاصد کے لئے کافروں کی زیارت اور ان کے یہاں آمد و رفت کا سلسلہ رکھنا جائز نہ ہوگا' خصوصاً عورتوں کو اس کی اجازت قطعاً نہ دی جائے گی۔ اور یہ بات مشاہدہ میں ہے کہ کچھ لوگ مسلمان ہوئے لیکن ان کی آمد و رفت خصوصاً عائلی اور خاندانی زیارت کافروں کے ساتھ رہی تو ان کے بچے اپنے پرانے کافرانہ و مشرکانہ اخلاق و عادات سے چھٹکارا حاصل نہ کر سکے۔

چوتھی بحث: عیادت اور تعزیت

کسی کافر کی عیادت کے لئے جایا جا سکتا ہے' خصوصاً جبکہ اس کی عیادت کے پیچھے کوئی مقصد پوشیدہ ہو۔ چنانچہ امام بخاری ؒ اپنی صحیح میں باب باندھتے ہیں: ''باب عیادۃ المشرک''[۱۹۲] (مشرک کی زیارت کا بیان)۔

اس باب کے تحت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث نقل کی ہے کہ ایک یہودی لڑکا اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ ایک بار وہ بیمار پڑ گیا تو آپ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ اسلام لے آؤ' اس نے آپ کی بات مان لی اور اسلام لے آیا۔ [۱۹۳]

اس سے معلوم ہوا کہ مشرک کی عیادت کو جانا صحیح ہے اور بہتر ہے' اور سب سے بہتر یہ ہے کہ اس وقت اسے نصیحت کی جائے اور اسے اسلام کی دعوت دی جائے۔ [۱۹۴]

یہی حکم ان کی تعزیت کا بھی ہے' بشرطیکہ وہاں منکرات کا ارتکاب نہ ہو رہا ہو۔

پانچویں بحث: خرید و فروخت یا کسی اور ضرورت کے تحت ان کے پاس بیٹھنا

نصوصِ کتاب و سنت اور سلف کے معمول سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کسی کافر کی دکان سے خرید و فروخت کے لئے ان کے پاس بیٹھا جا سکتا ہے' اسی طرح اگر پڑوس میں کوئی غیر مسلم ہے یا دُور سے ملاقات کے لئے آیا ہے تو کبھی کبھار ان کے ساتھ مجلس کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّاكَ رَجُلًا﴾ (الکھف:۳۷)

''اس کے ساتھی نے اس سے بات کرتے ہوئے کہا کہ کیا تو اس خالق سے کفر کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا' پھر نطفے سے' بالآخر تجھے پورا آدمی بنا دیا؟''

اس آیت میں دو ساتھیوں مؤمن اور کافر کا ذکر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفر و ایمان کے فرق کے باوجود دو آدمیوں میں مصاحبت ہو سکتی ہے' خصوصاً جبکہ ایسی صحبت کا مقصد نصیحت و وعظ ہو۔

خود اللہ کے رسول ﷺ کے پاس یہود آ کر بیٹھتے تھے اور آپ کا ان سے لین دین کا معاملہ بھی رہتا تھا۔ یہ باتیں ایسی ہیں جو ہر خاص و عام کو معلوم ہیں' اس لئے اس کی تفصیل کی چنداں ضرورت نہیں۔

چھٹی بحث: اُن کی مذہبی تقریبات میں شرکت

کسی غیر مسلم کے پڑوس میں رہنے کی وجہ سے بسا اوقات خوشی و غمی میں شرکت کا موقع ملتا ہے۔ اس سلسلے میں قرآن کا ایک ٹھوس اور اٹل فیصلہ یہ ہے کہ:

---

(۱۹۱) مجموع فتاویٰ شیخ ابن باز ۳/۱۰۵۱۔

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۖ﴾

''اور نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم وزیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو''۔ (المائدۃ:۲)

یہ ایک نہایت اہم اصول ہے۔ کاش کہ مسلمان اس اصول کو اپناتے تو قدم قدم پر ان کی رہنمائی ہوتی۔ اس اصول کے پیش نظر علماء نے کافروں کی مذہبی تقریب میں شرکت کو ناجائز کہا ہے' کیونکہ اس طرح گویا معصیت اور گناہ کے کاموں میں اُن سے رضامندی اور ان کی مدد ہورہی ہے۔[۱۹۵] اور اس سے بھی بُرا یہ ہے کہ اُن کی عیدوں کے موقع پر انہیں مبارکباد پیش کی جائے۔ امام ابن القیم رحمہ اللہ نے اس کی حرمت پر علماء کا اتفاق نقل کیا ہے۔[۱۹۶] اس کی تفصیل مشابہت کی بحث میں آرہی ہے۔

ساتویں بحث: ہدیئے اور تحفے

کافروں کو ہدیہ وتحفہ دینا جائز ہے۔ اور اگر اس کا مقصد انہیں دین اسلام کے قریب کرنا ہے یا ان کا ہدیہ قبول کرکے انہیں اپنے سے مانوس کرکے مذہبی باتیں ان تک پہنچانا ہے تو یہ چیز مستحب ہوگی۔ البتہ کسی مذہبی تہوار کے موقع پر ان کا ہدیہ قبول کرنا علماء کے نزدیک مختلف فیہ ہے۔ لیکن اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر ان کا ہدیہ قبول کرنے سے دل میں ان کی محبت پیدا ہوتی ہو یا ان کے مذہبی تہوار کی تعظیم ہوتی ہو تو ایسا کرنا قطعاً حرام ہے۔[۱۹۷]

آٹھویں بحث: حُسنِ سلوک سے پیش آنا

کافروں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا' مالی طور پر ان کی مدد کرنا' ان کی عزت کا پاس ولحاظ رکھنا' ان کے سامنے اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرنا' یہ ایسے امور ہیں جو نہ صرف جائز بلکہ بعض اوقات مستحب اور تاکیدی ہوجاتے ہیں' خصوصاً ایسے وقت میں جب یہ امید ہو کہ ایسا کرنے سے کافر دین اسلام کی طرف مائل ہوں گے۔ اور اگر کفار ومشرکین عزیز واقارب میں سے ہوں تو اس چیز کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ اَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (المائدۃ)

''جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں لڑی اور نہ ہی تمہیں جلاوطن کیا ان کے ساتھ سلوک واحسان کرنے اور منصفانہ برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا' بلکہ اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں صرف ان لوگوں کی محبت سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائیاں لڑیں اور تمہیں دیس نکالے دیئے۔ اور دیس نکالا دینے والوں کی مدد کی۔ جو لوگ ایسے کفار سے محبت کریں وہ قطعاً ظالم ہیں۔''

ان دونوں آیتوں پر غور کریں تو درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

(۱) کافروں کے ساتھ حسن سلوک تین شرطوں کے ساتھ جائز ہے

- وہ مسلمانوں سے برسرِپیکار نہ ہوں۔
- مسلمانوں کے خلاف سازشیں نہ کرتے ہوں اور نہ ہی انہوں نے مسلمانوں کو اُن کے مال واسباب سے دُور ہونے پر مجبور کیا ہو۔
- وہ مسلمانوں کے دشمنوں سے پینگیں نہ بڑھاتے ہوں اور کسی طرح سے ان کی مدد نہ کررہے ہوں۔

(۲) مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ انصاف کا دامن نہ چھوڑیں' حتیٰ کہ کافروں کے ساتھ بھی انصاف کرنے کو اللہ پسند فرماتا ہے۔

---

(۱۹۵) مجموع فتاویٰ ابن عثیمین ۳۲/۳'۳۳۔ (۱۹۶) احکام اھل الذمۃ ۲۰۵/۱۔

(۳) جو کافر مسلمانوں کے ساتھ برسر پیکار رہوں ان کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کی مدد جائز نہیں ہے' بلکہ ہر ممکن طور سے انہیں کمزور کرنا چاہئے۔

(۴) کافروں کے ساتھ دوستی اور وفاداری کسی صورت میں جائز نہیں ہے' بلکہ یہ ظلم ہے۔

(۵) حسنِ سلوک اور موالات میں فرق ہے۔ چنانچہ جو کافر مسلمانوں سے برسر پیکار نہ ہو ان سے حسن سلوک کیا جائے گا' لیکن موالات صرف اللہ و رسول اور مؤمنین کے ساتھ خاص ہے۔ اس لئے پہلی آیت میں حسن سلوک کا حکم ہے اس کے خاتمے پر صلہ رحمی اور احسان کا حکم ہے اور دوسری آیت کے خاتمے پر موالات اور دوستی سے منع کیا گیا ہے جس کا واضح مفہوم ہے کہ دونوں کا حکم الگ ہے۔

موالات اور حسن سلوک میں فرق

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ حسن سلوک اور موالات میں کیا فرق ہے؟ اس کی وضاحت کے لئے چند نکات قارئین کے سامنے رکھے جاتے ہیں جن پر غور کر کے دونوں میں بآسانی فرق کیا جا سکتا ہے:

۱۔ موالات و محبت کا تعلق دل سے ہے اور حسن سلوک ایک خارجی عمل ہے۔ یعنی جس کے ساتھ حسن سلوک کیا جا رہا ہے اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ اس سے موالات و محبت بھی کی جا رہی ہے۔ چنانچہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ آیت ﴿لَاتَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ...... ﴾ کے تحت فرماتے ہیں:

''صلہ رحمی اور احسان اس محبت اور دوستی کو مستلزم نہیں ہے جس سے اس آیت میں روکا گیا ہے' کیونکہ یہ آیت ہر اُس شخص کے بارے میں عام ہے جو قتال کرے یا نہ کرے (اور حسن سلوک صرف ان لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو برسر پیکار نہ ہوں)۔''(۱۹۸)

اس چیز کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب قول میں یوں واضح کیا گیا ہے:

الفرق بین الولاء وحسن الخلق یبنی علی قاعدۃ: خالط المؤمن بقلبک وخالط الفجار بخلقک

''موالات اور حسن سلوک میں فرق اس قاعدے پر مبنی ہے کہ مؤمن سے اپنے دل کی گہرائی سے ملو اور فاجر سے اپنے اخلاق سے۔''

۲۔ موالات ایک خالص مذہبی چیز ہے جس کی بنیاد اسلامی اصولوں پر ہوگی اور حسن سلوک خالص دنیاوی معاملہ ہے جس کی بنیاد فطرت اور طبیعت پر ہوگی۔ اس کی وضاحت اس طرح کی جا سکتی ہے کہ جن اشیاء سے موالات کا حکم شریعت میں موجود ہے اگرچہ طبیعت کا میلان اس طرف نہیں ہو رہا ہے پھر بھی اپنے قالب کو اس طرف مائل ہونے کے لئے مجبور کرنا پڑے گا اور جن اشیاء سے براءت کا حکم ہے اگر طبیعت ان کی مائل بھی ہو تب بھی اُن سے دور رہنا پڑے گا اور انہیں دل سے نکالنے کی کوشش کرنی پڑے گی۔ اس کی مثال عہد نبوی ﷺ کا وہ مشہور واقعہ ہے جو کتب سیرت و تفسیر میں مختصر و مطول موجود ہے' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ غزوۂ تبوک سے واپسی پر منافقین کے بارے میں جو آیتیں نازل ہوئیں انہیں سن کر جلاس بن سوید نے کہا کہ جو کچھ محمد (ﷺ) کہہ رہے ہیں اگر یہ سچ ہے تو ہم لوگ گدھے سے بھی بدتر ہیں۔ اس مجلس میں جلاس کی بیوی کا بیٹا اور اس کی گود میں پرورش پانے والا ایک نوجوان عمیر(۱۹۹) بن سعد بھی موجود تھا۔ انہوں نے یہ بات سنی اور کہا کہ یوں تو آپ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں' آپ کی تکلیف میرے نزدیک میری تکلیف سے زیادہ پریشان کن ہے' لیکن اس وقت آپ نے ایسی بات مُنہ سے نکالی ہے کہ اگر اسے میں اللہ کے رسول ﷺ تک پہنچاؤں تو اس میں میری رسوائی ہے اور نہ پہنچاؤں تو اس میں میری دینی ہلاکت و بربادی ہے اور ہر ایک میرے اوپر دوسرے سے بھاری ہے (لیکن رسوائی بربادی سے ہلکی چیز ہے) یہ کہہ کر عمیر بن سعد خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور جلاس کی باتیں کہہ سنائیں۔ جلاس کو جب پتہ چلا تو خدمت نبوی میں حاضر ہو کر عمیر کو جھٹلانے لگا کہ ہم نے ایسی بات ہرگز نہیں کی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

---

(۱۹۸) فتح الباری ۵/۲۲۲۔ (۱۹۹) عمیر بن سعد بن عبید الاوسی الانصاری بڑے پائے کے صحابی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں حمص کا گورنر مقرر فرمایا۔ آپ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ میں چاہتا ہوں کہ مجھے عمیر بن سعد جیسے لوگ ملیں جن سے میں مسلمانوں کی خدمت کیا کروں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے اس قدر متاثر تھے کہ انہیں ''نسیج وحدہ'' یعنی اپنی مثال آپ کہتے تھے۔ تقریباً ۴۵ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ سیر اعلام النبلاء ۲/۱۰۳'۵۵۷ تا ۵۶۲۔

﴿يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَ لَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَ مَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَ اِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَ مَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ﴾ (التوبة:٧٤)

''یہ قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ انہوں نے (ایسا) نہیں کہا' حالانکہ یقیناً کفر کا کلمہ ان کی زبان سے نکلا ہے' اور یہ اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے ہیں' اور انہوں نے اس کام کا قصد بھی کیا جو پورا نہ کر سکے۔ یہ صرف اس بات کا انتقام لے رہے ہیں کہ انہیں اللہ نے اپنے فضل سے اور اس کے رسول نے دولت مند کر دیا اور اگر یہ اب بھی توبہ کر لیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہے' اور اگر مُنہ موڑے رہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا و آخرت میں دردناک عذاب دے گا' اور زمین بھر میں ان کا کوئی حمایتی اور مددگار نہ کھڑا ہوگا۔''

اس آیت کے نزول کے بعد جلاس نے اپنے جرم سے توبہ کی اور اس پر قائم بھی رہے[200]

حضرت عمیر رضی اللہ عنہ پر وہ وقت سخت آزمائش کا تھا۔ ایک طرف اپنے سوتیلے باپ کے ساتھ حسن سلوک' اس کی محبت اور اس کے احسانات ہیں اور دوسری طرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے موالات' لیکن جب دونوں کا ٹکراؤ ہوا تو مجبور ہو کر موالات کی طرف مائل ہونا پڑا۔

۳۔ موالات اللہ' رسول اور مؤمنین کے ساتھ خاص ہے' جبکہ حسنِ سلوک عام ہے حتیٰ کہ چوپایوں کے ساتھ بھی مطلوب ہے۔ جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْاِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ' فَاِذَا قَتَلْتُمْ فَاَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ وَاِذَا ذَبَحْتُمْ فَاَحْسِنُوا الذِّبْحَةَ، وَلْيُحِدَّ اَحَدُكُمْ شَفْرَتَهٗ وَلْيُرِحْ ذَبِيْحَتَهٗ))[201]

''اللہ تعالیٰ نے ہر کام میں 'احسان' کو واجب کیا ہے' اس لئے جب قتل کرو تو اس میں بھی احسان سے کام لو اور ذبح کرو تو اس میں بھی احسان سے کام لو اور (وہ اس طرح کہ) اپنی چھری تیز کر لو اور جانور کو آرام پہنچاؤ۔''

پھر انسان تو اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کے ساتھ ''احسان'' یعنی اچھا معاملہ اور حسن سلوک کیا جائے خواہ مؤمن ہو یا کافر' لیکن محبت اور قلبی تعلق صرف اسی کے لئے ہونا چاہئے جو اللہ اور اُس کے رسول کا مطیع و فرماں بردار ہے۔

۴۔ موالات اور حسنِ سلوک میں جہاں ٹکراؤ ہوگا وہاں موالات کو مقدم کیا جائے گا' جیسا کہ دوسرے نمبر میں اس کی مثال گزر چکی ہے۔ اور اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک فرض ہے لیکن جب یہی چیز موالات سے ٹکرائے تو موالات کو مقدم کیا جائے گا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا﴾ (لقمان:١٥)

''اور اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ تو کسی ایسے کو شریک کرے جسے تو نہیں جانتا تو ان کی بات ہرگز نہ مان' البتہ دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ۔''

یعنی ان کی اطاعت ضروری ہے' ان کے حسن سلوک واجب ہے' لیکن اگر ان کی اطاعت اور ان کے ساتھ حسن سلوک اللہ کے حقوق سے ٹکرائے تو اللہ کے حق کو مقدم کرنا ہوگا۔ اسی لئے تو ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے غزوۂ اُحد میں اپنے باپ کے قتل سے دریغ نہیں کیا۔[202]

اس سلسلے میں سب زیادہ عبرتناک واقعہ وہ ہے جو سنن ابی داؤد وغیرہ میں صحیح سند سے مروی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک نابینا صحابی کے پاس ایک اُمِّ ولد[203] تھی جو اللہ کے رسول ﷺ کو برا بھلا کہتی تھی' وہ نابینا صحابی اسے روکتے تھے

---

(۲۰۱) صحیح مسلم:١٩٥٥'الصيد والذبائح'باب ١٠۔ و سنن ابی داؤد:٢٨١٥'الضحايا'باب ١٢۔ و مسند احمد ٤/١٢٣ بروایت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ۔ (۲۰۲) الدرر السنية ٨/١٤٨۔ (۲۰۳) ''ام ولد'' وہ لونڈی کہلاتی ہے جو اپنے مالک کے نطفے سے کوئی بچہ جن دے اس کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ مالک کے انتقال کے بعد وہ آزاد ہو جائے گی۔ بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ⇦

لیکن وہ اپنی حرکت سے باز نہ آتی تھی۔ایک رات کا واقعہ ہے کہ وہ آپ ﷺ کو گالی دینے لگی' اس نابینا صحابی سے برداشت نہ ہوا' وہ خنجر اُس کے پیٹ پر کھ کر اپنی پوری طاقت سے اس پر بیٹھ گئے اور اس کو قتل کر دیا' چاروں طرف خون ہی خون پھیل گیا۔صبح کو اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے لونڈی کے مقتول ہونے کا قصہ پیش ہوا۔آپ ﷺ نے لوگوں کو جمع کر کے فرمایا:''میں اس شخص کو' اگر میرا کچھ بھی حق ہے' اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ کھڑا ہو جائے''تو وہی نابینا بوڑھے صحابی رضی اللہ عنہ لوگوں کو پھلانگتے اور لڑکھڑاتے ہوئے آ کر آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گئے اور کہنے لگے:اے اللہ کے رسول ﷺ! میں اس کا قاتل ہوں۔یہ آپ کو برا بھلا کہتی تھی' میں اسے روکتا تھا اور جھڑکتا تھا' اس لونڈی سے میرے دو ہیرے جیسے بیٹے بھی ہیں' یہ میرے اوپر بڑی مہربان تھی' کل رات کی بات ہے کہ وہ آپ کو گالی دینے لگی تو میں نے خنجر اس کے پیٹ پر رکھا اور بیٹھ گیا' یہاں تک کہ اسے قتل کر دیا۔یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِشْهَدُوْا اَنَّ دَمَهَا هَدَرٌ)) (۲۰۴)

''گواہ رہو کہ اس کا خون رائیگاں ہے!''

۵۔موالات نہ ہی حسنِ سلوک کو مستلزم ہے اور نہ ہی حسنِ سلوک موالات مستلزم ہے' بلکہ دونوں ایک ہی جگہ جمع بھی ہو سکتے ہیں اور ایک دوسرے سے جُدا بھی۔چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ وَ اِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾

''ہم نے ہر انسان کو اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی نصیحت کی ہے۔ہاں' اگر وہ یہ کوشش کریں کہ تم میرے ساتھ اسے شریک کرو جس کا تمہیں علم نہیں تو اُن کا کہنا نہ مانو۔تم سب کا لوٹنا میری ہی طرف ہے' پھر میں ہر اُس چیز سے تم کو مطلع کروں گا جو تم کرتے رہے ہو۔'' (العنکبوت:۸)

اس آیت کے شانِ نزول میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا واقعہ بہت مشہور ہے کہ ان کے مسلمان ہونے پر ان کی والدہ نے کہا کہ نہ میں کھاؤں گی نہ پیوں گی یہاں تک کہ مجھے موت آ جائے' یا پھر تو محمد (ﷺ) کی نبوت کا انکار کر دے۔یہ اپنی والدہ کو زبردستی مُنہ کھول کر کھلاتے' جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔(۲۰۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک شخص نے خدمتِ نبوی ﷺ میں باریابی کی اجازت چاہی اور میں آپ ﷺ کے پاس موجود تھی۔آپ ﷺ نے فرمایا:((بِئْسَ اَخُو الْعَشِيْرَةِ اَوِ ابْنُ الْعَشِيْرَةِ)) یہ اپنے قبیلہ کا بہت بُرا آدمی ہے' اتنا کہنے کے بعد آپ ﷺ نے اسے اندر آنے کی اجازت دے دی اور اس سے بڑی نرمی سے بات کی۔پھر جب وہ چلا گیا تو ہم نے کہا:اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے اس کے بارے میں یہ کچھ فرمایا تھا پھر اس سے اس نرمی سے پیش آئے؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا:''اے عائشہ!

((اِنَّ شَرَّ النَّاسِ مَنْزِلَةً عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ وَدَعَهُ النَّاسُ اِتِّقَاءَ فُحْشِهٖ)) (۲۰۶)

''اللہ کے نزدیک قیامت کے روز بدترین مقام اس شخص کا ہے کہ لوگ اس کی بدکلامی کے خوف سے اسے چھوڑ دیں''۔

ان باتوں میں جو شخص اچھی طرح غور کرے گا اس پر موالات اور حسنِ سلوک کا فرق واضح ہو جائے گا۔(۲۰۷)

---

(۲۰۴)سنن ابی داؤد:۴۳۶۱'الحدود'باب ۲۔و سنن النسائی ۷/۱۰۸'تحریم الدم باب الحکم فیمن سبسب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔ (۲۰۵) قرآن کریم مع ترجمہ وتفسیر'ص۱۱۰۲ نیز دیکھئے صحیح مسلم:۱۷۴۷'المناقب:۲۶۔و سنن الترمذی:۳۱۷۹'تفسیر القرآن'باب ۳۰ بروایت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔(۲۰۶)صحیح البخاری:۶۰۵۶'الادب'باب ۴۸۔و صحیح مسلم:۲۵۹۱'الادب'باب ۲۳۔(۲۰۷) نیز دیکھئے الولاء والبراء فی الاسلام'ص۳۵ اور اس کے بعد۔

پانچویں بحث

غیر قوم سے مشابہت

وَلاء وبراء کے مظاہر میں سے ایک اہم مظہر مشابہت ہوتا ہے' کیونکہ عام طور پر ایک شخص دوسرے شخص کی ظاہر میں مشابہت اسی وقت کرتا ہے جب اس کے عمل کو قابلِ تقلید حد تک بہتر سمجھتا ہے اور قلبی طور پر اس کی طرف مائل ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ اسلام مسلمانوں کا الگ تشخص چاہتا ہے اور ساری دنیا پر اسے غالب دیکھنا چاہتا ہے' اس لئے وہ انہیں دوسری قوموں کی مشابہت سے سختی سے منع کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ثُمَّ جَعَلْنٰکَ عَلٰی شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْھَا وَ لَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ، اِنَّھُمْ لَنْ یُّغْنُوْا عَنْکَ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا ؕ وَ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ۚ وَ اللّٰہُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ﴾ (الجاثیة:۱۸'۱۹)

''پھر ہم نے آپ کو دین کی صحیح راہ پر قائم کر دیا' سو آپ اس پر لگے رہیں اور نادانوں کی خواہشوں کی پیروی میں نہ پڑیں۔ یاد رکھیں کہ یہ لوگ ہرگز اللہ کے سامنے آپ کے کچھ کام نہیں آ سکتے۔ سمجھ لیں کہ ظالم آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہوتے ہیں' اور پرہیزگاروں کا کارساز اللہ تعالیٰ ہے''۔

بنی اسرائیل پر معنوی اور مادّی نعمتوں کے ذکر اور بغیر کسی معقول وجہ کے ان کے آپس کے اختلافات کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کو حکم دے رہا ہے کہ آپ کی طرف جو شریعت نازل کی گئی ہے آپ اس پر جمے رہیں اور جن لوگوں نے اصل شریعت کی مخالفت کی ہے آپ ان کی مشابہت سے دُور رہیں اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ غیر قوم سے مشابہت کی تردید میں اس آیت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ اس آیت میں ''اَھْـوَآءَ ھُـمْ'' یعنی خواہشات کا لفظ بول کر بنی اسرائیل کی ظاہری روش اور باطل مذہب کی وہ باتیں مراد لے رہے ہیں جن کی بنی اسرائیل دوسروں سے پیروی کرانا چاہتے ہیں۔''(۲۰۸)

ایک اور آیت میں ارشاد ہے:

﴿وَ لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْبَیِّنٰتُ ؕ وَ اُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ﴾ (آل عمران:۱۰۵)

''تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے پاس روشن دلیلیں آ جانے کے بعد بھی تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا' انہی لوگوں کے لئے بڑا عذاب ہے۔''

اس آیت میں یہود ونصاریٰ کا ذکر ہے جن کے فرقوں کی تعداد ستر (۷۰) سے زیادہ ہے۔ نبی ﷺ کو اس فرقہ بندی واختلاف سے روکا گیا ہے...... اس طرح کے احکام سے واضح ہوتا ہے کہ اہل کتاب کی مخالفت کا ایک واضح حکم ہے' جو کام ہمارے لئے شریعت کا حصہ نہیں ہے اس میں اگر ہم اہل کتاب کی مشابہت سے بچیں تو جس مشابہت سے روکا گیا ہے اس سے بچنا آسان ہو جائے گا۔(۲۰۹)

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا ؕ وَ لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾ (البقرة:۱۰۴)

''اے ایمان والو! تم (نبی ﷺ کو) ''رَاعِـنَا'' نہ کہا کرو' بلکہ ''اُنْـظُـرْنَا'' کہو (یعنی ہماری طرف دیکھئے اور سنتے رہا کرو) اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔''

''رَاعِـنَـا'' کے معنی ہیں ہمارا لحاظ اور خیال کیجئے۔ بات سمجھ میں نہ آئے تو سامع اس لفظ کا استعمال کر کے متکلم کو اپنی طرف متوجہ کرتا تھا' لیکن یہودی اپنے بغض وعناد کی وجہ سے اس لفظ کو تھوڑا سا بگاڑ کر استعمال کرتے تھے جس سے اس کے معنی میں تبدیلی اور یہودیوں کے جذبۂ عناد کی تسلی ہو جاتی تھی۔ مثلاً وہ کہتے تھے ''رَاعِیْـنَـا''

---

(۲۰۸) راہِ حق کے تقاضے' ص۳۹۔ (۲۰۹) راہِ حق کے تقاضے' ص۴۰۔

(ہمارے چرواہے) یا ''رَاعِـــــنـــــا'' (احمق) وغیرہ۔ جیسے وہ السلام علیکم کے بجائے اللہ کے رسول ﷺ کو ''السام علیکم'' (یعنی تم پر موت آجائے) کہا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا: تم ''اُنْظُرْنَا'' کہا کرو! اس سے ایک تو یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ ایسے الفاظ جن میں تنقیص واہانت کا شائبہ ہو ادب واحترام کے پیش نظر اور سدّ ذریعہ کے طور پر ان کا استعمال صحیح نہیں ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ کفار کے افعال واقوال میں مشابہت اختیار کرنے سے بچا جائے۔ [(۲۱۰)]

اس طرح کی اور بھی بہت سی آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غیر قوموں کی مشابہت سے روکا ہے۔ ان آیات کی تفصیل امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب ''اقتضاء الصّراط المسقیم'' اور اس کا اختصار وترجمہ ''راہِ حق کے تقاضے'' میں دیکھا جاسکتا ہے۔ [(۲۱۱)]

اسی طرح احادیث شریفہ میں کثرت سے غیر قوموں کی مشابہت سے روکا گیا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَشَبَّهَ بِغَيْرِنَا)) [(۲۱۲)]

''وہ ہم میں سے نہیں جو ہمارے علاوہ کی مشابہت اختیار کرے۔''

ایک دوسری حدیث میں ہے:

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ عَمِلَ بِسُنَّةِ غَيْرِنَا)) [(۲۱۳)]

''جو غیروں کے طریقے پر عمل کرے وہ ہم میں سے نہیں۔''

ایک اور حدیث میں ہے:

((مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ)) [(۲۱۴)]

''جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہے۔'' [(۲۱۵)]

ایک اور حدیث میں ہے:

((هَدْيُنَا مُخَالِفٌ لِهَدْيِهِمْ)) [(۲۱۶)]

''ہمارا طریقہ مشرکین کے طریقے سے الگ ہے۔''

ان احادیث اور اس قسم کی دوسری متعدد احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے مسلمانوں کو سختی سے غیر قوم کی مشابہت سے منع فرمایا ہے۔ اور یہ ممانعت کسی ایک میدان میں خاص نہیں ہے' بلکہ تمام امور میں مشابہت کی ممانعت اس کثرت سے تھی کہ اس کا احساس غیر قوموں کو بھی ہوجاتا تھا۔ چنانچہ صحیح مسلم شریف میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہود کے ہاں جب عورت حائضہ ہوجاتی تو نہ وہ اس کے ساتھ کھاتے پیتے تھے اور نہ ہی اس کے ساتھ ایک جگہ رہتے تھے۔ جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ ﷺ سے اس بارے میں پوچھا تو یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَ لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾ (البقرة:۲۲۲)

اور آپ سے لوگ حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں' کہہ دیجئے کہ وہ گندگی ہے' حالت حیض میں عورتوں سے الگ رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہوجائیں ان کے قریب نہ جاؤ۔ ہاں جب وہ پاک ہوجائیں تو ان کے پاس جاؤ جہاں سے اللہ نے تمہیں جانے کی اجازت دی ہے' اللہ توبہ کرنے والوں کو

---

(۲۱۰) تفسیر احسن البیان ' آیت مذکورہ کی تفسیر۔ (۲۱۱) دیکھئے اقتضاء الصراط المستقیم ' ج ۱ ص ۸۳ تا ۱۱۱۔ اور راہِ حق کے تقاضے' ص ۳۶ تا ۴۷۔ (۲۱۲) سنن الترمذی: ۲۶۹۵' الاستئذان' باب ماجاء فی کراهیة اشارة الید بالسلام۔ والمعجم الاوسط للطبرانی (مجمع الزوائد ۸/۳۹) بروایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔ دیکھئے الصحیحة: ۲۱۹٤۔ (۲۱۳) الطبرانی الکبیر (مجمع الزوائد ۵/۱۶۹) بروایت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما۔ دیکھئے الصحیحة: ۲۱۹٤۔ (۲۱۵) امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے کم از کم جس حکم کا پتہ چلتا ہے وہ حرمت کا ہے' اگرچہ اس حدیث کا ظاہر یہی بتلا رہا ہے کہ غیر قوم کی مشابہت کرنے والا کافر ہوجاتا ہے۔ اقتضاء الصراط المستقیم ۱/۲٤۰ (۲۱۶) السنن الکبری للبیهقی ۵/۱۲۵ دیکھئے جلباب المرأة' ص ۱۸۰ بروایت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ۔

اور پاک رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔''

اس آیت کی وضاحت میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جماع کے علاوہ حائضہ سے ہر قسم کا اختلاط رکھو۔ جب یہود کو یہ بات معلوم ہوئی تو کہنے لگے کہ یہ شخص کوئی چیز نہیں چھوڑتا' بلکہ ہر چیز میں ہماری مخالفت کرتا ہے۔ (۲۱۷)

اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ قرآنِ مجید میں بعثتِ رسول ﷺ کا ایک مقصد یہ بیان کیا گیا ہے کہ دنیا کے سارے باطل ادیان پر اسلام کو غلبہ حاصل رہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ؕ وَ كَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا﴾ (الفتح:۲۸)

''وہ (اللہ) ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام ادیان پر غالب کر دے' اور اس حقیقت پر اللہ کی گواہی کافی ہے۔''

اور اس غلبے کے جو اسباب ہیں ان میں سے ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ مسلمان غیر قوم کی مشابہت سے بچتے رہیں۔ درج ذیل فرمانِ نبوی ﷺ اس حقیقت کو واضح کر رہا ہے:

((لَا یَزَالُ الدِّیْنُ ظَاهِرًا مَا عَجَّلَ النَّاسُ لِاَنَّ الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی یُؤَخِّرُوْنَ))

''جب تک لوگ روزہ افطار کرنے میں جلد بازی کرتے رہیں گے دین غالب رہے گا' کیونکہ یہود و نصاریٰ افطار میں تاخیر کرتے ہیں۔'' (۲۱۸)

اس حدیث میں یہود و نصاریٰ کی مخالفت کو دین کے غلبے کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ ابن ماجہ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ جب تک مسلمان اللہ کے دشمنوں کی مخالفت کا اہتمام کرتے رہیں گے اللہ اُن کی مدد فرماتا رہے گا اور دین کو غلبہ عنایت فرمائے گا۔ (۲۱۹)

چونکہ مشابہت کا موضوع بڑا اہم اور عام لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہے' اس لئے اسے ہم قدرے تفصیل سے سامنے رکھتے ہیں۔ قارئین کی سہولت کے لئے اسے درج ذیل حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

۱۔ غیر قوم کی مشابہت سے کیوں روکا گیا ہے؟

۲۔ کن لوگوں کی مشابہت سے روکا گیا ہے؟

۳۔ کن امور میں مشابہت سے روکا گیا ہے؟

۴۔ چند ضروری اور اہم باتیں۔

کافر قوموں کی مشابہت سے کیوں روکا گیا ہے؟

۱۔ غیر مسلموں کے طور طریقے عام طور پر ضلالت و گمراہی پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اور اگر ان میں سے کسی عمل کے اندر بظاہر خوبی نظر آ رہی ہو تو وہ بھی گمراہی اور ضلالت ہی ہے' کیونکہ اگر اس کے اندر کچھ بھی حقانیت ہوتی یا خیر کا پہلو ہوتا تو اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کا حکم دیتا' اس لئے کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَیُّهَا النَّاسُ لَیْسَ مِنْ شَیْءٍ یُقَرِّبُكُمْ اِلَی الْجَنَّةِ وَیُبَاعِدُكُمْ مِنَ النَّارِ اِلَّا قَدْ اَمَرْتُكُمْ بِهٖ ' وَلَیْسَ شَیْءٌ یُقَرِّبُكُمْ مِنَ النَّارِ وَتُبَاعِدُكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ اِلَّا قَدْ نَهَیْتُكُمْ عَنْهُ)) (۲۲۰)

''اے لوگو! ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو تمہیں جنت سے قریب کر دے اور جہنم سے دُور کرے مگر یہ کہ میں نے تمہیں اس کا حکم دیا ہے' اور ایسی کوئی چیز نہیں ہے کہ وہ تمہیں جہنم کے نزدیک کرے اور جنت سے دُور کرے اِلّا یہ کہ میں نے اس سے تمہیں روک دیا ہے۔''

اب اس صریح ارشاد کے بعد بھی اگر عقیدے' عبادت یا عادت میں کافر قوم کی مشابہت کی گئی تو گویا اپنے عمل سے اس کے اچھے ہونے کا اقرار کیا' اور یہ چیز یقیناً گمراہی

---

(۲۱۷) صحیح مسلم:۲۔۳' الحیض' باب ۴۰۔ و سنن ابی داؤد:۲۱۶۵' النکاح' باب ۴۷۔ و الترمذی:۲۹۷۷' التفسیر' تفسیر سورۃ البقرۃ۔ (۲۱۸) مسند احمد ۲/۴۵۰۔ و سنن ابی داؤد' ۲۳۵۳' الصوم' باب ۲۰۔ و سنن ابن ماجۃ:۱۶۹۸' الصیام' باب ۲۴' بروایت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ (۲۱۹) شرح السندی ۳۲۴۸۲۔ نیز دیکھئے اقتضاء الصراط المستقیم ۱/۱۸۶۔

اوراسلام کے منافی ہے۔

۲۔کسی قوم کی مشابہت کا ایک معنی یہ بھی ہوتا ہے کہ مشابہت کرنے والا خود کو اُس کی پیروی میں دے رہا ہے' کیونکہ کسی قوم کی مشابہت کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ جس چیز میں اس کی مشابہت کی جا رہی ہے اس چیز میں اسے اپنا پیشوا مانا جا رہا ہے' حالانکہ ایک مسلمان کو اللہ' اس کے رسول اور مؤمنین کے طریقے کی اتباع کا حکم ہے اور اہل ایمان کے طریقے کی مخالفت کرنے والے کو جہنم اور دردناک عذاب کی دھمکی دی گئی ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا﴾

(النساء:۱۱۵)

''جو شخص راہِ ہدایت کے واضح ہو جانے کے باوجود بھی رسول (ﷺ) کے خلاف عمل کرے اور تمام مؤمنین کی راہ کو چھوڑ کر چلے' ہم اسے اُدھر ہی متوجہ کر دیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہوا اور اسے دوزخ میں ڈال دیں گے' جو بہت ہی بری جگہ ہے۔''

۳۔کسی قوم سے ظاہری مشابہت اس کی طرف قلبی میلان کا سبب بنتی ہے' جس طرح کہ باطنی محبت کا اثر ظاہری طور پر مشابہت کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔یہ امر ہر شخص کے مشاہدے میں ہے کہ اگر اجنبی جگہ پر ایک زبان بولنے والے دو آدمی ہوں تو اُن میں سے ہر ایک دوسرے کی طرف مائل ہونے کی کوشش کرتا ہے اور اس کے نزدیک بیٹھتا ہے اور اس سے اپنے دل کی بات کہتا ہے۔اب ظاہر ہے کہ سب کچھ اسی ظاہری مشابہت کا اثر ہے جو دونوں میں زبان کی صورت میں پائی جا رہی ہے۔اس لئے اگر کوئی شخص کافروں کی مشابہت کرتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ کہ کافروں کے ساتھ اس کی موالات بھی ہوگی اور ان کے ساتھ مودّت واُلفت کا رشتہ بھی استوار ہوگا' جس کے نتیجے میں وہ آہستہ آہستہ مسلمانوں سے دُور ہوتا چلا جائے گا۔یہ بات اسلام کے منافی امور میں داخل ہے۔یہ ایسی چیز ہے' جس کا مشاہدہ ہر صاحب ضمیر کرتا ہے۔

۴۔مخلوقات کی فطرت ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے اثر پذیری کی صلاحیت رکھتا ہے۔مثل مشہور ہے کہ خربوزہ خربوزے کو دیکھ کر رنگ پکڑتا ہے۔اور جب دو چیزوں میں ظاہراً مشابہت پائی جاتی ہے تو اُس وقت اثر پذیری اور بڑھ جاتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ کئی بہت سی بدعتیں مسلمانوں میں غیر قوموں کے ساتھ میل جول اور اُن کے ساتھ ظاہری امور میں مشابہت کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں۔یہ امر مشاہدے میں ہے کہ جو لوگ غیر قوموں کے علاقے میں رہتے ہیں پہلے وہ اُن کے ساتھ ظاہری اعمال میں مشابہت کرتے ہیں' پھر آہستہ آہستہ عبادات میں بھی مشابہت شروع ہو جاتی ہے۔برخلاف اس کے اگر کوئی بدعقیدہ اور گناہ گار آدمی نیک لوگوں کے ساتھ رہنا شروع کرتا ہے تو پہلے پہل اپنے مظہر میں ان کی مشابہت شروع کرتا ہے' پھر آہستہ آہستہ وہ بہت سے گناہوں اور غلط عقائد سے بھی رُک جاتا ہے۔

۵۔مشابہت میں پڑنے والا بالعموم کافروں کے اخلاق وعادات سے متاثر ہوتا ہے' اس کے اُن کے اعمال کو اچھی نظر سے دیکھنا شروع کر دیتا ہے' نتیجتاً وہ مسلمانوں اور شرعی احکام وآداب کو غیر مستحسن بلکہ ناپسندیدہ کہنا شروع کر دیتا ہے' اور یہی چیز آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر سنتوں سے کراہت کا سبب بن جاتی ہے۔اور بالآخر وہ حدودِ اسلام سے نکل کر حدودِ کفر میں داخل ہو جاتا ہے۔العیاذ باللہ!

۶۔غیر قوم سے مشابہت کرنے والا ذہنی پسماندگی کا شکار ہوتا ہے۔چنانچہ جس کی مشابہت کر رہا ہے اسے اپنے سے بہتر اور باعزت سمجھتا ہے اور خود کو اس سے حقیر اور کم تر درجہ کا سمجھتا ہے۔یہ ایسی چیز ہے جس کا احساس عام طور پر لوگ نہیں کر پاتے' لیکن حقیقت یہی ہے کہ عام طور پر مشابہت کا بنیادی سبب یہی ذہنی پسماندگی بنتا ہے' حالانکہ یہ کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے کہ کوئی مسلمان خود کو اللہ کے دشمن سے حقیر اور اللہ کے باغی کو اپنے آپ سے بہتر سمجھے۔[۲۲۱]

کن کی مشابہت سے روکا گیا ہے؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جن کی مشابہت سے روکا گیا ہے۔ذرا تفصیل ودلیل ملاحظہ فرمائیں!

---

(۲۲۰) شرح السنة: ۱۱۱/۱۴'۴۱۱۱/۱۴'۳۰۳ـ ومستدرك الحاكم ۴/۲' بروایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔اس حدیث کی سند ضعیف ہے لیکن دوسرے صحابہ کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے' اس لئے عطاء نے اسے قبول کیا ہے۔جیسے حضرت مطلب کی روایت شرح السنہ میں ۱۴/۲۰۳' جابر بن عبداللہ کی روایت مستدرک حاکم میں ۴/۲ اور ابو امامہ کی روایت حلیۃ الاولیاء ۱۰/۲۶۔

۱۔ خالق کے ساتھ مشابہت

شریعت نے مسلمانوں کو خالق کی مشابہت سے روکا ہے۔ قرآن واحادیث میں متعدّد جگہ اس کا ذکر آیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۞ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۞ لَمْ يَلِدْ وَ لَمْ يُوْلَدْ ۞ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۞﴾ (الاخلاص)

''کہو وہ اللہ یکتا ہے۔ اللہ سب سے بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج ہیں۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے۔ اور نہ کوئی اس کا ہم سر ہے۔''

یعنی نہ ہی کوئی اس کا مثیل ہے اور نہ ہی کوئی اس کا شبیہ ہے۔ (۲۲۲)

یہاں لفظ ''کُفُوًا'' استعمال ہوا ہے جس کے معنی نظیر، مشابہ، مماثل، ہم رتبہ اور مساوی کے ہیں۔

پس اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ساری کائنات میں کوئی نہیں ہے، نہ کبھی تھا، نہ کبھی ہوسکتا ہے جو اللہ کے مانند یا اُس کے ہم مرتبہ ہو، یا جو اپنی صفات، افعال اور اختیارات میں اس سے کسی درجہ میں مشابہت رکھتا ہو۔ (۲۲۳)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾

''کائنات کی کوئی چیز اُس کے مشابہ نہیں ہے، وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَ لَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّ مَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَ كُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ (الانعام:۹۳)

''اور اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ تہمت لگائے یا یوں کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے، حالانکہ اس کے پاس کسی بات کی بھی وحی نہیں آئی، اور جو شخص یوں کہے کہ جیسا کلام اللہ نے نازل کیا ہے اسی طرح کا میں بھی لاتا ہوں۔ اور اگر اُس وقت آپ دیکھیں جب کہ یہ ظالم موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے کہ اپنی جانیں نکالو! آج تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی، اس سبب سے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ذمہ جھوٹی باتیں لگاتے تھے اور تم اللہ تعالیٰ کی آیات سے تکبر کرتے تھے۔''

یعنی جو شخص احکام اور تشریع میں اللہ کی مشابہت کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ جس طرح اللہ کو شریعت سازی اور قانون سازی کا حق ہے اسی طرح مجھے بھی یہ حق حاصل ہے، یا قوانین الٰہیہ کی طرح میں بھی قانون بنا سکتا ہوں، تو ایسا شخص سب سے بڑا ظالم اور کافر ہے۔ ان آیات اور اس طرح کی دوسری آیات میں صراحت کے ساتھ خالق کی مشابہت کو ظلم و کفر قرار دیا گیا ہے۔

حدیث قدسی میں ہے:

((مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ يَخْلُقُ خَلْقًا كَخَلْقِيْ فَلْيَخْلُقُوْا ذَرَّةً اَوْ لِيَخْلُقُوْا حَبَّةً اَوْ لِيَخْلُقُوْا شَعِيْرَةً)) (۲۲۴)

''اُس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوسکتا ہے جو میرے جیسا پیدا کرنا چاہتا ہے! پس وہ ایک ذرّہ یا ایک دانہ یا ایک جو ہی پیدا کر کے دکھا دیں۔''

---

(۲۲۱) تفصیل کے لئے دیکھئے اقتضاء الصراط المستقیم، ۱/۳۷۶، ۴۸۸۔ اور ڈاکٹر ناصر العقل کا الرسالہ: من تشبہ بقوم فھو منھم، ص ۹، ۱۲۔ **(۲۲۲)** فتح الباری ۸/۹۱۲۔ **(۲۲۴)** صحیح البخاری: ۵۹۵۲، اللباس، باب ۹۰۔ و صحیح مسلم: ۲۱۱۱، اللباس و الزینۃ، باب ۶، **بروایت ابو ہریرہ** رضی اللہ عنہ۔

اس حدیث کی بنیاد پر علماء کا کہنا ہے کہ ذی روح کی تصویر بنانا خالق کی مشابہت اور گناہِ کبیرہ ہے۔[۲۲۵] حتیٰ کہ اگر کوئی شخص تصویر بناتا ہے اور اس کی نیت اللہ کی مشابہت کی نہیں ہے تو یہ بھی حرام ہوگا۔[۲۲۶]

اسی طرح ہانی نام کے ایک صحابی خدمتِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے جنہیں لوگ ابوالحکم کہہ کر پکارتے تھے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

((اِنَّ اللّٰهُ هُوَالْحَكَمُ وَاِلَيْهِ الْحُكْمُ))

''اللہ تعالیٰ ہی حَکَم ہے اور فیصلہ بھی اُسی کا ہے۔''

اس حدیث کے آخر میں ہے کہ آپ ﷺ نے ان کی یہ کنیت بدل کر اُن کے بڑے بیٹے شریح کے نام پر ان کی کنیت رکھ دی۔[۲۲۷]

اسی طرح اور بہت سے اسماء جن کے اندر اللہ کی صفات سے مشابہت پائی جاتی تھی، اللہ کے رسول ﷺ نے بدل دیئے تھے، جیسے عزیز او رمَلِکُ الا ملاک (شہنشاہ) وغیرہ۔[۲۲۸]

اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے:

﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا﴾ (مریم:٦٥)

''کیا تیرے علم میں اس کا ہم نام اور ہم پلہ بھی کوئی ہے؟''

ان دلائل سے پتہ چلتا ہے کہ خالق کی مشابہت بندوں کے لئے جائز نہیں ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص کسی ایسی صفت اور خوبی کا دعویٰ کرتا ہے جو اللہ کے ساتھ خاص ہے تو وہ کفر اور اسلام کے منافی امور میں داخل ہوگا۔ جیسے غیب دانی، مُردے کو زندہ کرنا، بیٹا یا بیٹی عطا کرنا وغیرہ، بشرطیکہ خالق سے مشابہت کا دعویٰ ہو یا ایسا کچھ بقصد و ارادہ کیا جائے۔ لیکن اگر بغیر قصد و ارادہ کے کوئی ایسا کام کیا گیا جس سے ربّ العالمین کی مشابہت ہوتی ہو تو وہ کفر نہ ہوگا البتہ اس کام کی نوعیت سے اس کا حکم گناہِ کبیرہ یا مکروہ کے مابین ہوگا۔

۲۔ انسانوں کے ساتھ مشابہت

شریعت نے انسانوں میں سے جن لوگوں کی مشابہت سے مسلمانوں کو روکا ہے وہ درجِ ذیل ہیں:

۱۔ کفار (عمومی طور پر) ۲۔ مشرکین ۳۔ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) ۴۔ مجوس ۵۔ اہل عجم ۶۔ اہل جاہلیت ۷۔ اہل بدعت ۸۔ اہل فسق ۹۔ صحرا نشین اور دیہاتی ۱۰۔ ایک جنس کی دوسری جنس سے مشابہت۔

---

(۲۲۵) الکبائر لامام الذہبی، ص ١٦١۔ وتنبیه الغافلین لابن النحاس، ص ١٩٢۔ (۲۲۶) القول المفید ٢٠٣/٣، طبقة الاولیٰ۔ (۲۲۷) سنن ابی داؤد: ٤٩٥٥ الادب، باب ٧٠۔ وسنن النسائی ٢٢٢/٨ اقضاء بروایت هانی بن یزید۔ وصحیح سنن النسائی: ٤٩٨٠، ١٠٩١/٣۔ (۲۲۸) دیکھئے سنن ابی داؤد مع العون المعبود ٢٩٨/١٣ اور اس کے بعد۔ مشہور سلفی عالم بکر بن عبداللہ ابوزید حفظہ اللہ نے اپنے رسالہ نسیمة المولود (ص ٤٦) میں ہر اُس کام کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے جو اللہ کے ساتھ خاص ہیں جیسے الرحمن، الرحیم، الخالق الباری وغیرہ۔ قابل توجہ بات: ہمارے ماحول میں عبدیت کے ساتھ جو نام رکھے جاتے ہیں انہیں پکارتے وقت عام طور پر لوگ ''عبد'' کا لفظ چھوڑ کر صرف اس کے بعد والا نام لے کر پکارتے ہیں، جیسے عبدالرحمٰن کو صرف رحمٰن، عبدالخالق کو صرف خالق اور عدالباری کو صرف ''باری''۔ یہی معاملہ دوسرے ناموں کے ساتھ بھی ہوتا ہے جو قطعاً غیر مناسب ہے بلکہ بعض حالات میں ناجائز اور حرام کے قریب ہے جس سے پرہیز ضروری ہے۔

❀❀❀❀❀

i۔عمومی طور پر کُفّار کی مشابہت

کفار خواہ کسی جگہ کے رہنے والے ہوں' کسی بھی جماعت سے تعلق رکھنے والوں ہوں' وہ مشرک ہوں یا ملحد' مادّہ پرست ہوں یا کمیونسٹ' جس قسم کے بھی ہوں ان کے ساتھ اُن کے امتیازی کاموں میں مشابہت اختیار کرنا قطعاً جائز نہیں ہے' بلکہ شریعت مسلمان سے اس بات کا مطالبہ کرتی ہے کہ وہ ہمہ قسم کے کافروں کی مخالفت کرے۔حدیث شریف میں ہے کہ:

((وَلَا تَلْبَسُوا الْحَرِيرَ وَالدِّيبَاجَ وَلَاتَشْرَبُوا فِيْ آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَاتَاكُلُوْا فِيْ صِحَافِهَا'فَاِنَّهَا لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَكُمْ فِي الآخِرَةِ)) (۲۲۹)

''ریشم ودیباج نہ پہنو اور سونے چاندی کے برتنوں میں نہ کھاؤ پیو' کیونکہ وہ کافروں کے لئے دنیا میں ہیں اور تمہارے لئے آخرت میں!''

اس حدیث میں صراحت کے ساتھ مسلمان مَردوں کے لئے ریشم کا استعمال اور عام مسلمانوں کے لئے سونے اور چاندی کے برتنوں کا استعمال حرام قرار دیا گیا ہے ۔اور اس کی ایک علت یہ بیان ہوئی ہے کہ دنیا میں یہ کافروں کا لباس ہے اور کافروں کے ساتھ مشابہت جائز نہیں' خواہ کفار اِس کا استعمال اِسے حلال جان کر کرتے ہوں یا صرف عادت کے طور پر اس کا استعمال کرتے ہوں۔ بہرحال علماء نے مذکورہ چیزوں کی تحریم عِلّت یہ بیان کی ہے کہ یہ کافروں کا لباس ہے۔ (۲۳۰)

امام ابنِ دقیق العید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں کفار کے ساتھ مشابہت سے روکا گیا ہے۔ (۲۳۱)

ایک اور حدیث میں ہے' حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے زرد رنگ میں رنگا ہوا ایک جوڑا پہنے دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ هٰذِهِ ثِيَابُ الْكُفَّارِ فَلَا تَلْبَسْهَا)) (۲۳۲)

''یہ کافروں کا لباس ہے' اسے نہ پہنو۔''

دوسرے الفاظ میں یہ حدیث اس طرح مروی ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ سے سوال کیا کہ کیا تمہاری ماں نے یہ تمہیں پہنایا ہے؟ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا میں اِسے دھوڈالوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں' بلکہ اسے جلا دو۔'' (۲۳۳)

یہ حدیث نصِ صریح ہے کہ ظاہری لباس میں بھی کافروں کی مشابہت جائز نہیں ہے۔ (۲۳۴)

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کے کپڑے پہننے سے ممانعت کی علت کفار کی مشابہت ہے۔ (۲۳۵)

یہ رنگ اگرچہ بذاتِ خود جائز ہے لیکن چونکہ یہ رنگ کافروں کا شعار ہے اس لئے حرام ہے۔اور اگر اسے حلال سمجھا گیا یا اس کے ذریعے کافروں کا تقرب اور خوشنودی کے حصول کی کوشش کی گئی تو یہی چیز اسلام کے منافی امور میں داخل ہوسکتی ہے۔ ہندو جوگی بھی اظہار مذمت کی خاطر صرف پیلے رنگ کا کپڑا پہنتے ہیں' اس لئے اس قسم کا خاص کپڑا یا رنگ ماحول کے اعتبار سے اپنا حکم لے لے گا۔

ii-مشرکوں کے ساتھ مشابہت

ہر وہ کام جو مشرکین کے ساتھ خاص ہو یا وہ کام جو مشرک لوگ اپنا شعار سمجھ کر کرتے ہوں تو ایسے امور میں مشرکین کی مشابہت ناجائز ہوگی' لیکن اگر یہی مشابہت غیر اللہ کی عبادت میں ہوئی اور مشابہت بقصد وارادہ کی گئی تو وہ یقیناً شرک اور اسلام کے منافی ہوگی' جیسے گانے بجانے کو عبادت سمجھنا' مُردوں کا وسیلہ لینا' قبر یا استھان پر ذبح کرنا اور غیر اللہ کے نام پر جانور وغیرہ چھوڑنا' یہ سب شرکیہ امور ہیں۔یہی وجہ ہے کہ عمرو بن لحی الخزاعی کو اللہ کے رسول ﷺ نے جہنم میں اپنی انتڑیوں کو گھسیٹتے دیکھا' کیونکہ یہ وہ پہلا شخص ہے جس نے غیر قوم کی مشابہت میں دین ابراہیمی کو بدلا تھا۔ چنانچہ صحیحین میں ہے:

---

(۲۲۹)صحیح البخاری :۵۶۳۲الاشربۃ 'باب ۲۷۔وصحیح مسلم:۲۰۶۷اللباس والزینۃ 'باب ۱' بروایت حذیفہ رضی اللہ عنہ۔(۲۳۰)اقتضاء الصراط المستقیم ۳۲۲/۱۔ (۲۳۱)احکام الاحکام۲۱۵/۲۔ (۲۳۲)صحیح مسلم:۲۰۷۷اللباس والزینۃ'باب۷۔ومسند احمد ۲۰۷/۲۔دیکھئے شرح احمد شاکر للمسند ۱۹/۱۰۔ (۲۳۳)صحیح مسلم۱۶۴۷/۳۔(۲۳۴)شرح احمد شاکر ۱۹/۱۰۔(۲۳۵)المفہم ۳۹۹/۵۔

((رَاَیْتُ عَمْرَوبْنَ عَامِرِ الْخُزَعِی یَجُرُّ قُصْبَهٗ فِی النَّارِ وَکَانَ اَوَّلَ مَنْ سَیَّبَ السَّوَائِبَ)) (۲۳۶)

''میں نے عمرو بن عامر الخزاعی کو دیکھا کہ وہ جہنم میں اپنی آنتوں کو گھسیٹ رہا ہے' کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے بُتوں کے نام پر جانوروں کو چھوڑا تھا۔''

یہ شخص مکہ کا سردار تھا' لوگ اس کا احترام کرتے تھے اور مکہ کے اطراف میں آباد قبائل عرب میں اسے ایک خاص مقام حاصل تھا' یہ شخص جب شام کی طرف گیا اور وہاں مشرکین کو بُت پوجتے' بُتوں کے نام کے چڑھاوے چڑھاتے' غیر اللہ کے نام پر جانور قربان کرتے اور اُن کے نام پر سانڈ چھوڑتے دیکھا تو اسے یہ باتیں اچھی لگیں اور کچھ مورتیاں مانگ کر لایا اور انہیں مکّہ مکرمہ میں نصب کر دیا' نتیجتاً لوگوں کو شرک کے مرض میں مبتلا کر دیا۔

مشرکین کی مشابہت سے بہت سی احادیث میں روکا گیا ہے۔حتیٰ کہ اگر مشابہت ظاہری شکل میں اور بغیر قصد کے بھی پائی جارہی ہو تو بھی حرام اور ناجائز ہوگی۔چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے سورج کے طلوع وغروب کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا اور اس کی عِلّت یہ بیان فرمائی کہ:

((فَاِنَّھَا تَطْلُعُ بَیْنَ قَرْنَیْ شَیْطَانٍ وَیُصَلِّیْ لَھَا الْکُفَّارُ......فَاِنَّھَاتَغْرُبُ بَیْنَ قَرْنَیْ شَیْطَانٍ وَیُصَلِّیْ لَھَا الْکُفَّارُ)) (۲۳۷)

''(سورج کے طلوع وغروب کے وقت نماز نہ پڑھو) کیونکہ وہ شیطان کے دونوں سینگوں کے بیچ میں طلوع ہوتا ہے اور اس وقت کفار (یعنی مشرکین) اسے سجدہ کرتے ہیں......' اور یقیناً وہ شیطان کے دونوں سینگوں کے بیچ میں غروب ہوتا ہے اور اس وقت کفار اسے سجدہ کرتے ہیں۔'' (سورج کے طلوع وغروب کے وقت شیطان اس کے قریب ہوجاتا ہے تاکہ اس کی عبادت ہو۔)

جبکہ یہ بات واضح ہے کہ کسی بھی مسلمان کا ارادہ سورج کو سجدہ کرنا نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی مؤحد سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ سورج کو سجدہ کرنے کا ارادہ کرے گا' لیکن چونکہ اُس وقت خصوصی طور پر مشرکین اہتمام سے سورج کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان سورج سے اپنے سینگوں کو لگا کر کھڑا ہوتا ہے اس لئے ظاہری مشابہت کی وجہ سے مسلمانوں کو اس وقت نماز پڑھنے سے بھی روکا گیا ہے۔

اسی طرح حج کے موقع پر مشرکین عرفات سے سورج کے پیلا پڑنے کے پر ڈوبنے سے پہلے رخصت ہوجاتے تھے اور مزدلفہ سے سورج نکلنے کے بعد روانہ ہوتے تھے' اس لئے ان کی مشابہت سے بچنے کے لئے اور ان کی مخالفت میں رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ عرفات سے سورج ڈوبنے کے بعد رخصت ہوں اور مزدلفہ کو سورج نکلنے سے پہلے چھوڑ دیں۔ (۲۳۸) اور فرمایا کہ:

((ھَدْیُنَامُخَالِفُ لِھَدْیِھِمْ)) (۲۳۹)

''ہمارا طریقہ مشرکین کے طریقے کے خلاف ہے۔''

ان احادیث سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ مشرکین کی مشابہت سے بچنے کا اہتمام کثرت سے فرمایا کرتے تھے۔

ان دلائل کی بنیاد پر اہل سنت کا اتفاق ہے کہ مشرکین سے مشابہت ناجائز اور حرام ہے' حتیٰ کہ ظاہری لباس میں بھی ان کی مشابہت جائز نہیں ہے۔امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عقبہ بن فرقد کو نصیحت کرتے ہوئے لکھا تھا کہ:

وَاِیَّاکُمْ وَالتَنَعُّمَ وَزِیَّ اَھْلِ الشِّرْکِ وَلُبُوْسَ الْحَرِیْرَ (۲۴۰)

''تم ناز ونعمت' مشرکین کے سے لباس اور ریشم پہننے سے بچتے رہنا۔''

iii- اہل کتاب سے مشابہت

اہل کتاب سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں' کیونکہ عصرِ نبوی ﷺ میں صرف یہی اُمتیں تھیں جن کے پاس آسمانی کتاب موجود تھی اور یہ اپنے آپ کو شعب اللہ المختار (اللہ تعالیٰ کی محبوب قوم) کہتے تھے۔اور چونکہ اِن کے بہت سے اعمال مسلمانوں کے اعمال سے مشابہت رکھتے تھے لہٰذا مسلمان مشرکین کے مقابلہ میں

---

(۲۳۶) صحیح البخاری: ۳۵۲۱' المناقب' باب ۹۔ وصحیح مسلم: ۲۸۵۶ الجنة' باب ۱۳' بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (۲۳۷) صحیح مسلم: ۸۳۲' المسافرین۔ وسنن ابی داؤد: ۱۲۷۷ الصلاة' باب ۲۹۹۔ ومسند احمد ۴/۱۱۲' بروایت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ۔ (۲۳۹) سنن الکبری للبیھقی ۵/۱۲۵۔ (۲۴۰) صحیح مسلم: ۲۰۶۹' اللباس ۳/۱۶۴۲۔ یہ حدیث صحیح بخاری میں بھی مختصراً وارد ہے' دیکھئے' حدیث: ۵۸۲۰' اللباس۔

انہیں بنظرِ احترام دیکھتے تھے' خود اللہ کے رسول ﷺ بھی ابتداء میں اہل کتاب خصوصاً یہود کی موافقت کو پسند فرماتے تھے (۲۴۱) یہاں تک کہ آپ ﷺ کو ان کی مخالفت کا حکم دیا گیا اُن کی مشابہت سے روکا گیا' حتیٰ کہ وہ کام جو اسلام' یہودیت اور نصرانیت میں مشترک تھے ان میں کمی زیادتی یا بعض کیفیات میں فرق کے ذریعے ان سے مخالفت کا حکم دیا گیا۔ کچھ باتیں پیشِ خدمت ہیں' جسے تفصیل درکار ہو وہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ ؒ کی کتاب ''**اقتضاء الصراط المُستقیم**'' کا ضرور مطالعہ کرے۔

قرآنِ مجید میں متعدد جگہ اہلِ کتاب کی مشابہت سے منع کیا گیا ہے۔ ایک جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ (آل عمران:۱۰۵)

''تم اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے پاس روشن دلیلیں آ جانے کے بعد بھی تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا' ایسے لوگوں کے لئے بڑا عذاب ہے۔''

اس آیت میں مراد یہود و نصاریٰ ہیں جو ستر سے زائد فرقوں میں بٹ گئے تھے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَ مَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَ لَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ (الحدید:۱۶)

''کیا ایمان لانے والوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اُن کے دل اللہ کے ذکر سے خوف زدہ ہو جائیں اور اس کے نازل کردہ حق کے آگے جھکیں' اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں پہلے کتاب دی گئی تھی' پھر ایک لمبی مدت اُن پر گزر گئی تو اُن کے دل سخت ہو گئے' اور آج ان میں سے اکثر فاسق بنے ہوئے ہیں''۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کی مشابہت سے منع کر رہا ہے کہ یہود و نصاریٰ کو تم سے قبل کتاب دی گئی تھی اور جب ایک مدت گزر گئی تو اُن لوگوں نے اس کتاب میں تبدیل و تحریف سے کام لیا' اس کے احکام کو چند ٹکوں کے عوض بیچ دیا' مختلف فیہ آراء اور علماء کی تقلید کو اپنا شعار بنا لیا' عالموں اور مفتیوں کو حلال و حرام ٹھہرانے کا اختیار دے دیا' تو جب انہوں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں کو سخت کر دیا کہ پند و نصیحت سننے کے باوجود نرم نہ ہوتے تھے' اس لئے اے مسلمانو! تم ایسا کرنے سے بچو۔ (۲۴۲)

ایک اور حدیث میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَشَبَّهَ بِغَيْرِنَا ' لَا تَشَبَّهُوْا بِالْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى ' فَاِنَّ تَسْلِيْمَ الْيَهُوْدِ الْاِشَارَةُ بِالْاَصَابِعِ وَتَسْلِيْمَ النَّصَارٰى الْاِشَارَةُ بِالْاَكُفِّ)) (۲۴۳)

''جو کافر قوم سے مشابہت کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ یہود و نصاریٰ کی مشابہت نہ کرو' اس لئے کہ یہود انگلی کے اشارہ سے سلام کرتے ہیں اور نصاریٰ ہتھیلی کے اشارہ سے۔''

اس حدیث میں اشارہ سے سلام کرنے کی ممانعت وارد ہے اور علّت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس میں اہلِ کتاب کی مشابہت ہے۔ (۲۴۴)

حدیث میں ایک واقعہ وارد ہوا ہے' اس پر ذرا غور کرو!

ایک بار اللہ کے رسول ﷺ کا گزر انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کے بوڑھوں کی ایک جماعت پر ہوا جن کی داڑھیاں سفید تھیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((يَامَعْشَرَ الْاَنْصَارِ حَمِّرُوْا وَصَفِّرُوْا وَخَالِفُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ))

''اے انصار کی جماعت! اپنی داڑھیوں کو لال پیلا کر لو اور (اس طرح سے) اہل کتاب کی مخالفت کرو۔''

پھر آپ ﷺ سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اہل کتاب صرف پائجامہ پہنتے ہیں' اور پر ازار نہیں باندھتے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

---

(۲۴۱) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ و کان رسول اللہ ﷺ (۲۴۲) تفسیر ابن کثیر ۳۹۸/۲۴۔ (۲۴۳) سنن الترمذی: ۲۶۹۵ الاستیذان۔ یہ حدیث گزر چکی ہے۔ (۲۴۴) اس صراحت کے باوجود آج مسلمانوں کا ایک طبقہ کس قدر ان کی مشابہت میں کوشاں ہے کہ بعض اداروں سلام کرنے کے بجائے سیلوٹ مارنے کا طریقہ ہی یہود و نصاریٰ سے ماخوذ ہے۔

((تَسَرْوَلُوْا وَائْتَزِرُوْا وَخَالِفُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ))

''تم پاجامہ بھی پہنو اور تہبند بھی باندھو اور (اس طرح سے) اہل کتاب کی مخالفت کرو۔''

صحابہ رضی اللہ عنہم نے مزید عرض کیا کہ اہلِ کتاب خُف (چمڑے کا موزہ) پہنتے ہیں، جوتا نہیں پہنتے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فَتَخَفَّفُوْا وَانْتَعِلُوْا وَخَالِفُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ))

''تم لوگ خُف (چمڑے کا موزہ) بھی پہنو اور جوتا بھی پہنو اور (اس طرح سے) اہل کتاب کی مخالفت کرو۔''

راوی کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اہل کتاب اپنی داڑھیاں کاٹتے اور مونچھیں لمبی کرتے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((قُصُّوْا سِبَالَكُمْ وَوَفِّرُوْا عَثَانِيْنَكُمْ وَخَالِفُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ))

''اپنی مونچھیں کاٹو اور داڑھیاں بڑھاؤ، اہل کتاب کی مخالفت کرو۔''

یہ حدیثیں اس بات پر صریح دلیل ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ کتاب کی بکثرت مخالفت کا حکم دیا ہے اور ان کی مشابہت سے بچنے کا کہا ہے۔[۲۴۶]

iv- مجوس کی مشابہت

مجوس شرقِ اوسط میں بسنے والی اُس قوم کو کہا جاتا ہے جو سورج یا آگ کی پوجا کرتی ہے۔ یہ لوگ چونکہ عمومی طور پر کفار و مشرکین میں داخل ہیں، اس لئے ان تمام نصوص سے جن میں کفار و مشرکین سے عدم مشابہت کا حکم وارد ہے، مجوس کی مخالفت اور عدم مشابہت کا بھی ثبوت ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ کچھ خاص دلائل بھی ہیں جن میں صراحت کے ساتھ مشابہت سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے:

((جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَاَرْخُوا اللِّحٰى ، خَالِفُوا الْمَجُوْسَ))[۲۴۷]

''مونچھیں کاٹو اور داڑھی کو اس کی حالت پر چھوڑ دو، (اس طرح سے) مجوس کی مخالفت کرو۔''

اس حدیث کے اندر مونچھوں کو پست کرنے اور داڑھی کو بڑھانے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کی علت یہ بیان ہوئی ہے کہ مجوس کی مخالفت کرو، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجوسیوں کی مخالفت ایک ایسا امر ہے جو مقصودِ شرع ہے اسی قاعدہ کی بنیاد پر علماء نے بہت سے ایسے امور کو جن میں شریعت کی طرف سے کوئی حکم نہیں تھا، مجوس کی مخالفت کی وجہ سے ممنوع قرار دیا ہے،[۲۴۸] جیسے سامنے آگ رکھ کر نماز پڑھنا، سارے سر کے بالوں کے مقابلے میں کناروں کے بالوں کو چھوٹا کرنا، جسے عرف عام میں انگریزی یا بودا کہا جاتا ہے۔[۲۴۹]

ذیل کی حدیث اس امر کو مزید واضح کرتی ہے:

''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جس کی مونچھیں لمبی تھیں، اس سے فرمایا: ''اپنی مونچھیں کاٹ دو، کیونکہ اس طرح تمہارے کھانے پینے کی جگہ کے لئے صفائی ہے، تمہارے نبی کی سنت کے زیادہ قریب ہے اور جذام (کوڑھ) کی بیماری سے حفاظت اور مجوسیت سے براءت کا اظہار ہے۔''[۲۵۰]

v- اہل عجم کی مشابہت

لغت میں لفظ ''عجم'' لفظ ''عرب'' کی ضد ہے۔[۲۵۱] یعنی جزیرۂ عرب سے باہر کے لوگوں کو عجم کہا جاتا ہے۔ اسی طرح ہر وہ شخص جس کا باپ عربی نہ ہو اُسے عجمی کہتے ہیں۔[۲۵۲]

اصطلاح میں عام طور پر لفظ ''عجم'' بول کر اہل فارس مراد لیا جاتا ہے۔ امام العز بن عبد السلام رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ وہ اعاجم جن کی مشابہت سے

---

(۲۴۶) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اہل کتاب کی مخالفت میں وارد مسائل کو جمع کیا تو بتیس سے زائد تھے۔ اور ان مسائل کو انہوں نے اپنی تالیف ''القول الثبت فی الصوم یوم السبت'' میں تفصیل و دلیل کے ساتھ نقل کیا ہے۔ فتح الباری، کتاب اللباس، باب الفرق ۱۰/۳۶۳۔ (۲۴۷) صحیح مسلم: ۲۶۰ الطهارة۔ ومسند احمد ۲/۳۶۶ بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ (۲۴۸) اقتضاء الصراط المستقیم ۱/۱۸۲۔ فیض القدیر ۳/۳۵۶۔ (۲۴۹) فتح الباری ۱/۵۲۷، المغنی ۳/۸۸، شرح فتح القدیر ۱/۴۱۶، اقتضاء الصراط المستقیم ۱/۲۷۰۔ الآداب ⇦

ہمیں روکا گیا ہے وہ اس زمانے کے ''کسریٰ'' کے متبعین تھے۔ (۲۵۳)

اور کبھی کبھار اس سے مراد عرب کے علاوہ باہر کے کافر مراد ہوتے ہیں اور کبھی جزیرۂ عرب سے باہر کے ساکنین مراد ہوتے ہیں' خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر۔ جیسے فارس' روم' ترک اور حبشہ وغیرہ کے رہنے والے۔ (۲۵۴)

متعدد احادیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے اہل فارس وغیرہ کی مشابہت سے منع فرمایا ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ ایک چھڑی کا سہارا لئے ہوئے ہمارے پاس تشریف لائے' آپ ﷺ کو دیکھ کر ہم لوگ کھڑے ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کھڑے مت ہو' اس طرح عجمی لوگ (یا فارس کے لوگ) اپنے بڑوں کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔'' (۲۵۵)

ایک اور حدیث جو حضرت ابوریحانہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' اس میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے درج ذیل چیزوں سے منع فرمایا:

''وَشر (دانتوں کو تیز کرنے) سے' (جسم پر نشان) گودنے سے' پلکوں کے بال اکھاڑنے سے' بغیر کسی پردے کے مَرد کے مَرد کے ساتھ ایک بستر پر سونے سے' ایک عورت کے دوسری عورت کے ساتھ بستر پر سونے سے' عجمیوں کی طرح دامن پر ریشم لگانے سے' عجمیوں کی طرح اپنے کندھے پر ریشم کی لڑیاں لگانے سے' کسی کا مال لوٹ کر یا چھین کر کھانے سے' درندوں کے چمڑے پر بیٹھنے سے (۲۵۶) اور حاکم (قاضی) کے علاوہ کسی دوسرے کے انگوٹھی پہننے سے۔'' (۲۵۷)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بہت سے فقہاء کو یہ حدیث سمجھنے میں مشکل پیش آئی ہے' کیونکہ اس حدیث میں ریشم کی تھوڑی مقدار سے بھی روکا گیا ہے' جبکہ بہت سی نصوص سے تھوڑی مقدار میں ریشم کا جواز ملتا ہے' (۲۵۸) حالانکہ اس حدیث میں جو حرمت مذکور ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا کرنا چونکہ عجمیوں کا کام تھا' جیسا کہ آپ ﷺ نے حدیث میں دونوں جگہ ''مثل الاعاجم'' کی قید لگائی ہے' یعنی:

عام حالات میں تھوڑی مقدار میں ریشم تو جائز ہے لیکن مذکورہ دونوں صورتیں (تھوڑی مقدار ہونے کے باوجود) اس لئے ممنوع ہیں کہ ان میں عجمیوں کے ساتھ مشابہت ہے۔ (۲۵۹)

vi- اہلِ جاہلیت کی مشابہت

جاہلیت سے ہماری مراد وہ اعمال ہیں جو بعثتِ نبوی ﷺ سے قبل کافروں میں رائج تھے' جیسے عورتوں کا اپنی پوشیدہ زینتوں کا اظہار کرنا' خاندانی حسب ونسب کا فخر

⇐ الشریعہ ۳/۳۳۵۔ (۲۵۰) فیض القدیر ۳/۴۵۶' البیان والتعریف باسباب ورود الحدیث ۲/۲۶۴۔ ان دونوں کتابوں کے علاوہ یہ حدیث مجھے اور کہیں نہ مل سکی اس لئے اس میں صحت وضعف کا حکم نہیں لگ سکتا۔ (۲۵۱) مفردات القرآن' ص ۳۷۳ (۲۵۲) تحریر التنبیہ للنووی' ص ۲۷۸۔ (۲۵۳) فتاویٰ العز بن عبدالسلام' ص ۴۵۔ (۲۵۴) اقتضاء الصراط المستقیم ۱/۳۶۷۔ (۲۵۵) سنن ابی داؤد: ۵۲۳۰ الأدب' باب ۱۵۱۔ وسنن ابن ماجہ: ۳۸۳۶ الدعاء' باب ۲' دیکھئے صحیح الجامع: ۷۳۸۰۔ (۲۵۶) اس کی ایک علت یہ بیان ہوئی ہے کہ یہ عجمیوں کا طریقہ ہے' عون المعبود ۱۱/۹۸۔ (۲۵۷) سنن ابی داؤد: ۴۰۳۱ اللباس' باب ۱۰۔ وسنن النسائی ۸/۱۴۳ و ۱۴۹۔ ومسند احمد ۴/۱۳۴' ۱۳۵۔ (۲۵۸) امام ابن تیمیہؒ نے اس حدیث کو حجت قرار دیا ہے۔ اقتضاء الصراط المستقیم ۱/۳۰۸۔ شریعت کا اصل قاعدہ تو یہی ہے کہ مسلمان مردوں پر ریشم حرام ہے لیکن چند صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں جن کا ثبوت صحیح حدیثوں سے ہے۔

۱) ضرورت کے تحت: اگر کسی کے جسم پر جرب یعنی کھجلی کی بیماری ہو اور عام لباس سے حساسیت اور الرجی ہو تو وہ حسب ضرورت ریشم پہن سکتا ہے۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو کھجلی کی وجہ سے ریشم پہننے کی اجازت دی تھی۔ (صحیح البخاری: ۵۸۳۹' اللباس۔ وصحیح مسلم: ۲۰۷۶ اللباس)

۲) تھوڑی مقدار: چار انگل کے قریب مقدار میں ریشم مردوں کے لئے حلال ہے یعنی اگر پورا کپڑا غیر ریشم کا ہو لیکن ریشم کی مقدار اس میں چار انگل کی چوڑائی میں ہو تو جائز ہے' اگر اس سے زیادہ ہو گا تو ناجائز ہو گا۔ چنانچہ صحیحین وغیرہ میں حضرت ابوعثمان نہدیؒ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عقبہ بن فرقد رضی اللہ عنہ کے پاس لکھا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ریشم پہننے سے منع فرمایا الاّ یہ کہ اتنی اتنی مقدار میں ہو دو انگلی' تین انگلی اور چار انگلی کے برابر۔ (صحیح البخاری: ۵۸۲۸ اللباس' باب ۲۵۔ وسنن ابی داؤد: ۴۰۴۲ اللباس' باب ۹۔ یہ الفاظ سنن ابی داؤد کے ہیں)

۳) خالص ریشم نہ ہو: اگر کپڑا خالص ریشم کا نہ ہو بلکہ اس میں سوت وغیرہ کی ملاوٹ ہو اور ریشم کے دھاگے کی مقدار کم ہو' اس طرح کے دیکھنے والا اسے ریشم نہ سمجھے تو ایسا کپڑا پہننا بھی جائز ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے خالص ریشم پہننے سے منع فرمایا ہے الاّ یہ کہ اس میں ریشم کا نشان یا تانا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (مسند احمد: ۳۱۳' ۱/۲۱۸۔ وسنن ابی داؤد: ۴۰۳۷ اللباس۔ دیکھئے ارواء الغلیل ۱/۳۱۰) ۴) میدان جنگ میں: اگر آدمی میدان جنگ میں ہے اور دشمنوں کو غصہ دلانا مقصود ہے تو ریشم پہن سکتا ہے۔ (دیکھئے صحیح البخاری' ⇐

جتانا، دین سے دوری اور قبیلے، خاندان اور نسل کے تعصب کا اظہار کرنا۔ (۲۶۰) عام طور پر لفظ جاہلیت [۱] بول کر یہی امور مراد لئے جاتے ہیں۔ (۲۶۱)
اس کے علاوہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ نے جاہلیت کا ایک مفہوم یہ بھی لیا ہے کہ جاہلیت ہر وہ کام ہے جو رسولوں کی لائی ہوئی شریعت کے خلاف ہو۔ (۲۶۲)
اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے مسلمانوں کو اہلِ جاہلیت کی مشابہت سے روکا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَرْنَ فِي بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى ﴾ (الاحزاب:۳۳)

''اور اپنے گھروں میں قرار پکڑو اور قدیم جاہلیت کے زمانے کی طرح اپنے بناؤ سنگھار کا اظہار نہ کرو!''

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ اُمّہات المؤمنین کو خطاب کر کے فرماتا ہے کہ جس طرح زمانۂ جاہلیت میں عورتیں اپنا سر، چہرہ، باز و اور چھاتی وغیرہ کو ظاہر کر کے اور ہر قسم کے بناؤ سنگھار کے ساتھ باہر نکلتی تھیں اب اس عادت کو چھوڑ و اور ان کی مشابہت اختیار نہ کرو۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ط وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴾

''کیا یہ لوگ پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ یقین رکھنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے بہتر فیصلے اور حکم کرنے والا کون ہوسکتا ہے؟''

یعنی زمانۂ جاہلیت کے لوگ جس طرح اپنے فیصلے صرف خواہشات و آراء یا قبیلے اور خاندان کے رسم ورواج کے مطابق کرتے تھے اور وہی اصول وقوانین ان کے ہاں رائج تھے جو انہوں نے اپنی ذاتی پسند وناپسند کے تحت مرتب کیے تھے، اب اس طرح کے قوانین کو ماننا اور ان کے مطابق فیصلہ کرنا قطعاً جائز نہیں۔ (۲۶۳) عصرِ حاضر میں قرآن وحدیث کی واضح تعلیمات کے علی الرغم موجودہ پارلیمنٹ ومجلس شوریٰ کے فیصلوں یا فرانس، برطانیہ اور امریکہ کے قوانین کو تسلیم کرنا، اقوام متحدہ کی برتری کو تسلیم کرنا جاہلیت کی سنت کو زندہ کرنے اور اہل جاہلیت کی مشابہت کے مترادف ہے، جس کی قباحت کو مزید واضح کرتے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((اَبْغَضَ النَّاسِ اِلَى اللّٰهِ ثَلَاثَةٌ: مُلْحِدٌ فِي الْحَرَمِ وَ مُبْتَغٍ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَمُطَّلِبُ دَمِ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِغَيْرِ حَقٍّ لِيُهْرِيْقَ دَمَهُ)) (۲۶۴)

''اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ تین قسم کے لوگ ہیں: ۱۔ حرم میں فتنہ وفساد برپا کرنے والا ۲۔ اسلام آنے کے بعد زمانۂ جاہلیت کے کسی طریقے کو رواج دینے والا ۳۔ ناحق کسی مسلمان کا خون بہانے کی کوشش کرنے والا۔'' (۲۶۵)

اسی لئے عہد نبوی ﷺ کے سب سے بڑے اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تھا:

((اِنَّ دِمَاءَ كُمْ وَامْوَالَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا، فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا، فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا، اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مِنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوْعٌ و دِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعَةٌ)) (۲۶۶)

''تمہارے خون اور تمہارے مال ایک دوسرے پر اسی طرح محترم ہیں جس طرح یہ مہینہ، یہ دن اور یہ شہر محترم ہے، اور واضح رہے کہ جاہلیت کا ہر کام میرے پیروں تلے ہے اور جاہلیت کے زمانے کا ہر خون رائیگاں ہے۔''

سب سے بڑے اجتماع میں یہ ایک اعلان تھا کہ اسلام میں زمانۂ جاہلیت کے سارے کام ختم کر دیئے گئے، کسی بھی کام میں ان کی مشابہت جائز نہ ہوگی۔

⇐ كتاب الجهاد، باب ۹۱ و فتح البارى ۶/۱۰۱ و شرح رياض الصالحين ۷/۳۳۷، ۳۳۸) لیکن حدیث زیر بحث سے ایک فائدہ یہ بھی حاصل ہوا کہ جن حالات میں یا جس مقدار میں ریشم پہننا جائز ہے اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اس میں غیر قوم کی مشابہت نہ پائی جاتی ہو بلکہ کوئی دوسری مصلحت یا ضرورت پوشیدہ ہو۔ (۲۵۹) دیکھئے اقتضاء الصراط المستقیم ۱/۳۰۹۔ (۲۶۰) الشبه المنهى عنه، ص ۵۶۔ [۱]: اس سے ملتا جلتا لفظ ''جہالت'' ہے جس کے معنی نادانی، لاعلمی، گنوارپن، کسی پر زیادتی کرنا اور بھول چوک ہے۔ ان دونوں میں فرق ملحوظ رکھنا چاہیے۔ (۲۶۱) اقتضاء الصراط المستقيم ۱/ ۲۳۲۔ (۲۶۲) اقتضاء الصراط المستقيم ۱/۲۳۰۔ تفصیل کے لئے دیکھئے اقتضاء الصراط المستقيم ۱/ ۳۰۹۔ (۲۶۳) تفسير ابن كثير ۲/۹۳، ۹۴۔ (۲۶۵) ان تین امور کو ⇐

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک بار احمس سے آئی ہوئی ایک عورت کے پاس سے گزرے تو معلوم ہوا کہ اس نے خاموش رہ کر حج کرنے کا ارادہ کیا ہے' تو حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ ایسا نہ کرو' کیونکہ ایسا کرنا جاہلیت کا کام ہے۔[(۲۶۷)]

حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے اُس عورت کو خاموش رہنے سے منع فرمایا اور اس کے ناجائز ہونے کی علت یہ بیان فرمائی کہ یہ جاہلیت کا طریقہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر وہ کام جو زمانۂ جاہلیت کے لوگ ثواب اور بہتر سمجھ کر کرتے تھے اور شریعت میں اس کے مشروع اور عدمِ مشروع ہونے پر کوئی نص نہیں ہے تو جاہلیت کی مشابہت کی وجہ سے ممنوع اور ناجائز ہوگا۔

آج ہماری قوم کی جاہلیت پر افسوس ہے کہ ایسے صریح احکامات کے باوجود جاہلیت کی سنتیں مختلف میدانوں میں زندہ کی جا رہی ہیں' حتیٰ کہ دین کا میدان بھی اس سے محفوظ نہیں رہ سکا۔ ہندوستان کے کسی علاقے میں کوئی چپ سائیں گزرے ہیں جن کے مریدین اور ان کے ماننے والے آج بھی پائے جاتے ہیں جو انہیں اپنا پیشوا سمجھتے ہیں۔ اور آج بھی ان کے مزار پر جو شخص بیٹھتا ہے وہ بھی خاموش رہتا ہے۔

عصرِ حاضر میں احتجاج کے طور پر اپنی بات منوانے کے لئے کھانے پینے سے رُک جانے (بھوک ہڑتال) کو بھی بعض علماء اسی حکم میں شمار کرتے ہیں۔ یہ چیز بھی اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کی وجہ سے ممنوع تو ہے ہی لیکن جاہلیت کی مشابہت اور غیر قوم کی تقلید کی وجہ سے اس کی قباحت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

vii- اہلِ بدعت سے مشابہت

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو صراطِ مستقیم پر گامزن رہنے کا حکم دیتے ہوئے اہلِ بدعت وضلالت کے طریقے سے بچنے کا حکم دیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾

(الانعام:۱۵۳)

''اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے' اِس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی۔ اس کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیزگاری اختیار کرو۔''

اس حکم کو مزید تقویت دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ اللہ کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے راستے سے اعراض کرتے ہیں اور سلف صالحین کے طریقے کے علاوہ اہلِ بدعت کا راستہ اختیار کرتے ہیں وہ جہنمی ہیں۔

﴿وَ مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰی وَ یَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا﴾

(النساء:۱۱۵)

''جو شخص راہِ ہدایت واضح ہو جانے کے باوجود بھی رسول ﷺ کے خلاف عمل کرے اور تمام مؤمنوں کی راہ کو چھوڑ کر چلے' ہم اُسے ادھر ہی متوجہ کر دیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہوا اور اسے دوزخ میں ڈال دیں گے' اور وہ پہنچنے کی بہت بری جگہ ہے۔''

اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں خواہشاتِ نفس کی پیروی سے جو کہ بدعت کی بنیاد ہے' سختی سے منع فرمایا ہے اور اُمتِ مُسلمہ کو متنبہ کیا ہے کہ وہ نفس پرست جماعتوں سے پرہیز کریں اور ان کی مشابہت سے بچیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اہل کتاب کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ:

﴿قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ غَیْرَ الْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا كَثِیْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ

← سب سے زیادہ ناپسندیدہ اس لئے کہا گیا ہے کہ فساد یا تو دین میں ہوگا یا دنیاوی معاملات میں۔ دنیاوی اعتبار سے سب سے بڑا فساد یہ ہے کہ زمین پر خونریزی اور بے گناہ لوگوں کا ناحق قتل ہو' اس لئے کسی کے ناحق قتل کو کفر وشرک کے بعد' جو دین کا فساد ہے' سب سے بڑا گناہ کہا گیا ہے۔ اور دین کے فساد کی دو قسمیں ہیں' یا تو عمل سے متعلق ہوگا یا مکانِ عمل سے متعلق۔ جاہلیت کی سنت کو زندہ کرنا عمل کا فساد ہے اور حرم مبارک میں الحاد مکانِ عمل کا فساد ہے۔ دیکھئے اقتضاء الصراط المستقیم ۱/۲۲۵'۲۲۶۔ (۲۶۶) صحیح مسلم:۱۲۱۸' الحج حجة النبی ﷺ۔ و سنن ابی داؤد:۱۹۰۵ الحج' باب صفة حجة النبی ﷺ' بروایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ۔ (۲۶۷) صحیح البخاری:۳۸۳۴' فضائل الصحابة۔

السَّبِيْلِ ﴾ (المائدۃ:۷۷)

''آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اے اہلِ کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور ان لوگوں کے پیچھے نہ چلو جو پہلے ہی سے گمراہ ہیں اور بہت لوگوں کو گمراہ کر چکے ہیں اور صراطِ مستقیم سے بہک گئے ہیں۔''

آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں موجود اہلِ کتاب خصوصاً نصاریٰ کو اہلِ اہواء اور اہلِ بدعت کے طریقے کی پیروی اور اُن کی مشابہت سے روکا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ اہل بدعت کی پیروی اور مشابہت جائز نہیں ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے بھی متعدد احادیث میں خواہش نفس کی پیروی اور دین میں بدعت ایجاد کرنے سے منع فرمایا ہے' اس لئے بدرجۂ اُولیٰ ان کی مشابہت حرام اور ناجائز ہوگی۔ نیز حدیث ((مَنْ تَشَبَّهُ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ)) (جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ اسی میں سے ہے) کے عموم سے علماء نے اہل بدعت کی مشابہت کی حرمت پر استدلال کیا ہے۔ چنانچہ امیر صنعانی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جو شخص فاسقوں کے ساتھ مشابہت کرے وہ انہی میں سے ہے' یا کافروں اور بدعتیوں سے کسی ایسی چیز میں مشابہت کرے جو اُن کے ساتھ خاص ہے تو وہ انہی میں سے ہے۔ (۲۶۸)

اسی لئے علماءِ اہلِ سنت زمانۂ قدیم سے اہل بدعت کی محفل نشینی وغیرہ سے سختی سے منع کرتے رہے جن کے اقوال امام شاطبی رحمہ اللہ کی نادر کتاب ''الاعتصام'' کے مقدمہ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ جو چیزیں اہل بدعت کا شعار بن جائیں ان میں ان کی مشابہت جائز نہیں خواہ وہ چیزیں عادات سے متعلقہ ہوں یا اعیاد سے' خواہ ان کا تعلق اخلاق سے ہو یا طریقۂ عبادات سے۔ علی السبیل المثال:

۱۔ جن ایام کو اہلِ بدعت عید وخوشی کا دن قرار دیتے ہیں ان میں ان کی مشابہت ومتابعت جائز نہ ہوگی' نہ ہی اہل وعیال کے لئے اس دن نئے لباس کا اہتمام کیا جائے گا' نہ ہی گھر میں عمدہ کھانوں کا اہتمام کیا جائے گا' نہ ہی اس دن کو چھٹی اور خوشی کا دن قرار دیا جائے گا اور نہ ہی اس دن گھر وغیرہ کی صفائی اور گھر کے فرنیچر کی تبدیلی کا اہتمام کیا جائے گا۔

۲۔ جس دن کو اہلِ بدعت غم وماتم کا دن قرار دیں ان میں ان کی مشابہت نہ کی جائے گی' خواہ وہ کسی بھی شکل سے ہو' نہ ہی کالا لباس پہنا جائے گا اور نہ ہی اپنے اعمال وافعال کے ذریعے کسی قسم کے حزن وملال کا اظہار کیا جائے گا' بلکہ وہ دن سال کے دیگر عام دنوں کی مانند ہوگا۔

۳۔ خصوصی طور پر عید میلاد کے موقع پر اس دن کو کوئی اہمیت نہ دی جائے گی' جیسے جلسے جلوس کا اہتمام کرنا' اسی طرح شب معراج اور پندرھویں شعبان کو بھی عام دنوں کے مقابلے میں کوئی اہمیت نہیں دی جائے گی۔

۴۔ میرے نزدیک جلسے جلوس میں مقرر کی تقریر کے دوران نعرۂ تکبیر کا بلند کرنا یا خطیب کو زندہ باد کہنا بھی اس میں داخل ہے' کیونکہ میری معلومات کے مطابق سلف میں تکبیر اجتماعی یا فلاں شیخ زندہ باد کے نعرے لگانے کا رواج نہیں تھا۔ واللہ اعلم!

علامۂ عصر حضرت شیخ محمد صالح العثیمین رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ اجتماعات میں تالی بجانے اور سیٹی بجانے کا کیا حکم ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ بظاہر یہ عادت غیر مسلموں سے لی گئی ہے' اس لئے مسلمانوں کو ایسا نہ کرنا چاہئے۔ اگر کسی کو کوئی چیز اچھی لگے تو (انفرادی طور پر) ''سبحان اللہ'' یا ''اللہ اکبر'' کہے لیکن اجتماعی طور پر تکبیر نہیں کہی جائے گی' جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں' بلکہ انسان اپنے طور پر آہستہ سے تکبیر یا تسبیح کرے گا' کیونکہ کسی چیز کے اچھا لگنے پر اجتماعی طور پر تسبیح وتکبیر کہنے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ (دیکھئے اسئلۃ مھمّۃ' ص ۲۸' سوال ۲۰)

viii- اہلِ فسق سے مشابہت

اہلِ فسق سے مراد وہ لوگ ہیں جو محرمات اور کبیرہ گناہوں کا ارتکاب علی الاعلان کرتے ہیں اور حدودِ شریعت کی پابندی نہیں کرتے۔ (۲۶۹) شریعت میں ایسے لوگوں

---

(۲۶۸) سبل السلام ۳۴۸/۴۔ (۲۶۹) تفسیر فتح القدیر ۸/۴۔

مشابہت اور پیروی سے روکا گیا ہے۔ جو عملی زندگی میں اللہ کے ذکر سے غافل ہیں نتیجتاً ان سے محرمات اور کبائر کا ارتکاب ہوتا رہتا ہے' جس کے عموم سے علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر کوئی عمل اہلِ فسق کا شعار بن جائے تو ایک عام مسلمان کو ان کی مشابہت سے پرہیز کرنا چاہئے۔ (۲۷۰)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَاقَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ اَمْرُهُ فُرُطًا﴾ (الکہف:۲۸)

''(اے محمد ﷺ!) دیکھو اس کا کہنا نہ ماننا جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور جو اپنی خواہشِ نفس کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور جس کا کام حد سے گزر چکا ہے۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوْا اللهَ فَاَنْسٰهُمْ اَوْلٰئِكَ هُمُ الفَاسِقُوْنَ﴾ (الحشر:۱۹)

''ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اللہ کو بھول گئے ہیں' کیونکہ اللہ نے بھی انہیں بھلا دیا' وہی لوگ فاسق ہیں۔''

چونکہ گناہ کا ارتکاب بندے سے اُس وقت ہوتا ہے جب اس کے دل سے اللہ کی یاد اور اُس کی عظمت دُور ہو جاتی ہے' لہٰذا اگر کوئی شخص اللہ کو بالکل بھول چکا ہو اور گناہ پر گناہ کرتا جائے' اسے اپنے کرتوتوں پر اور کیئے پر کسی قسم کی شرمندگی وندامت بھی نہ ہو تو وہ شخص فی الواقع فاسق ہے۔ اور وہ اس بات کا مستحق ٹھہرا کہ اسے اللہ بھی اپنی عنایت ورحمت سے دُور کر دے۔ اس لئے ہر مسلمان پر واجب ہے کہ ایسے لوگوں کے طور طریقوں سے دور رہے تاکہ وہ اللہ کی پھٹکار کا مستحق نہ ٹھہرے اور اللہ کے رسول ﷺ کی بیان کردہ اس مشہور وعید میں داخل نہ ہو کہ:

((مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ)) (۲۷۱)

''جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ انہی میں سے ہے۔''

اس لئے ہر ایسا لباس' چال ڈھال' بالوں کی کٹنگ' جوتے کی شکل یا اٹھنے بیٹھنے کا انداز جو اہل فسق کے ساتھ خاص ہو یا اس کا استعمال عادتاً اہل فسق ہی کرتے ہوں' وہ اگرچہ بنفسہٖ جائز ہو' لیکن اہلِ فسق کی مشابہت کی وجہ سے ممنوع ہوگا۔ علماء نے لکھا ہے کہ:

''اگرچہ پانی جیسی مباح چیز اس انداز سے پی جائیں جس انداز سے فاسق لوگ حرام چیزیں پیتے ہیں تو یہ بھی حرام ہوگا۔'' (۲۷۲)

شریف زادوں اور شریف زادیوں کے لئے گویوں اور ہیجڑوں جیسا لباس پہننا حرام ہوگا۔ (۲۷۳)

تالی بجانا ناجائز ہے' کیونکہ ہیجڑوں اور لہو ولعب میں مشغول لوگوں کی عادت ہے۔ (۲۷۴)

انہی باتوں پر مزید چیزوں کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔ (۲۷۵)

نوٹ: دونوں ہاتھوں کے اندرونی حصّوں کو باہم پیٹنے سے جو آواز پیدا ہوتی ہے وہ ظاہر بات ہے منع ہے' البتہ عورتوں کے لئے دورانِ نماز یا کسی خاص موقع پر ایک ہاتھ کی ہتھیلی کو دوسرے ہاتھ کی پشت پر مارنے سے جو آواز پیدا ہوگی وہ حسب ضرورت ومجبوری جائز ہے۔

ix- صحرا نشینوں (بدّوؤں) یا دیہاتیوں کے غیر شرعی اعمال واحوال سے مشابہت

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اصل معیار اسلام' ایمان' تقویٰ' علم اور عملِ صالح ہے' خواہ یہ صفات اور خوبیاں شہریوں میں پائی جائیں یا دیہاتیوں میں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ﴾ (الحجرات:۱۳)

---

(۲۷۰) التشبه المنهى عنه' ص ۶۹' ۷۰ نقلا عن کتاب حسن التنبه لما ورد فی التشبه مولفه الشیخ محمد بن محمد الغزی الشافعی المتوفی ۷۷۹ھ (۲۷۱) اس حدیث کی تخریج گزر چکی ہے۔ (۲۷۲) حاشیه ابن عابدین ۹/ ۵۳۵۔ اسی حکم میں شراب پینے کے خاص برتن بھی شامل ہیں' مثلاً جام و مینا (۲۷۴) روضة الطالبین لامام النووی ۱۱/ ۲۷۸ [التشبه المنهی عنه' ص ۱۴۸] (۲۷۵) تفصیل کے لئے دیکھئے التشبه المنهی عنه فی الفقه الاسلامی' ص ۱۴۷' ۱۴۸۔

’’درحقیقت اللہ کے نزدیک تم سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔‘‘

لیکن یہ امر بھی معروف ومشہور ہے کہ شہروں، تعلیمی مراکز اور آبادیوں سے دُور رہنے والے لوگ عام طور پر ایمان وعمل سے دور ہوتے ہیں اور سختی وتنگ دلی کا شکار ہوتے ہیں۔اس لئے قرآنِ مجید میں ایسے لوگوں کی مذمت وارد ہے جو اسلام لانے کے بعد بھی ہجرت کر کے مدینہ منورہ نہ آئے اور صحرا نشینی پر مصر رہے۔از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّ نِفَاقًا وَّ اَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ (التوبة:۹۷)

’’یہ بدوی لوگ کفرونفاق میں زیادہ سخت ہیں اور ان کے معاملہ میں اس امر کا زیادہ امکان ہے کہ وہ اس دین کی حدود سے ناواقف رہیں جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کیا ہے، اللہ سب کچھ جانتا ہے اور حکیم ودانا ہے۔‘‘

اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ لوگ شہر اور مراکز تعلیم وتربیت سے دُور رہتے تھے اور انہیں اللہ کے رسول ﷺ کی باتیں سننے کا اتفاق نہیں ہوتا تھا۔

اسی طرح کچھ مکانِ سکونت اور کام کی نوعیت ایسی ہوتی ہے کہ وہ انسان کو سخت دل اور قاسی القلب بنا دیتی ہے، کیونکہ جو شخص جس ماحول میں رہتا ہے اور جس قسم کے لوگوں اور مخلوقات سے اس کا سابقہ پڑتا ہے ان کا اثر ضرور قبول کرتا ہے۔اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَ لَا انَّ الْقَسْوَةَ وَغِلْظَ الْقُلُوْبِ فِى الْفَدَّادِيْنَ عِنْدَ اُصُوْلِ اَذْنَابِ الْاِبِلِ))

’’واضح رہے کہ سختی اور دل کی قساوت کھیتی کرنے والوں، اونٹ کی دم پکڑنے والوں میں ہے۔‘‘ (۲۷۶)

ایک اور حدیث میں وارد ہے:

((مَنْ سَكَنَ الْبَادِيَةَ وَمَنِ اتَّبَعَ الصَّيْدَ غَفَلَ وَمَنْ اَتٰى اَبْوَابَ السُّلْطَانِ افْتَتَنَ))

’’جو بادیہ نشین رہا وہ سخت دل ہوا، جو شکار کے پیچھے لگا وہ غفلت میں پڑا، اور جو بادشاہوں کے دروازے پر آیا وہ فتنہ میں مبتلا ہوا۔‘‘(۲۷۷)

اس لئے بہت سے ایسے اخلاق وعادات بادیہ نشینوں اور دیہاتیوں میں پائے جاتے ہیں جو روحِ شریعت سے موافقت نہیں رکھتے۔اس قسم کے تمام کاموں کو شرعاً ممنوع نہیں کہا جاسکتا لیکن ان میں دیہاتیوں اور بادیہ نشینوں کی مشابہت جائز نہ ہوگی۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ایسے بعض امور پر متنبہ کیا ہے۔چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہے:

((لَاتَغْلِبَنَّكُمُ الْاَعْرَابُ عَلَى اسْمِ صَلَاتِكُمُ الْمَغْرِبِ، قَالَ الْاَعْرَابُ وَتَقُوْلُ هِيَ الْعِشَاءُ)) (۲۷۸)

’’تمہاری نماز مغرب کے نام (بدلنے) میں یہ بدو لوگ غالب نہ آجائیں، بدو لوگ کہتے ہیں کہ یہ عشاء ہے۔‘‘

اس طرح ایک اور حدیث میں ہے:

((لَاتَغْلِبَنَّكُمُ الْاَعْرَابُ عَلَى اسْمِ صَلَاتِكُمْ، اَ لَا اِنَّهَا الْعَشَاءُ وَهُمْ يُعْتِمُوْنَ بِالْاِبِلِ)) (۲۷۹)

اہل بادیہ تمہارے اوپر تمہاری نماز کے نام کے بارے میں غالب نہ آجائیں، یہ عشاء ہے اور (وہ لوگ اسے عتمہ کہتے ہیں کیونکہ) اس وقت وہ لوگ اپنے اونٹوں کا دودھ نکالنے کے لئے تاخیر سے جاتے ہیں۔‘‘

معلوم ہوا کہ جس طرح اہل بادیہ مغرب کو عشاء اور عشاء کو عتمہ کہتے ہیں اس معاملے میں ان کی مشابہت مناسب نہیں ہے۔اسی طرح جاہل اور دیہاتی لوگ جو ظہر کی نماز کو دوپہر کی نماز اور مغرب وعشاء کی نماز کو شام اور رات کی نماز کہتے ہیں، ان امور میں ان کی مشابہت مکروہ اور ممنوع ہے۔مزید تفصیل کے لئے دیکھئے امام ابنِ تیمیہ

---

(۲۷۶)صحیح البخاری:۳۳۰۷ بدء الخلق،باب خیرمال المسلم۔وصحیح مسلم:۵۱،الایمان،بابتفاضل اهل الایمان، بروایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔(۲۷۷)سنن الترمذی:۲۲۵۶الفتن باب ماجاء فی النهی عن سب الریاح ۔وسنن النسائی :۴۳۰۹،الصیدو الذبائح ،باب اتباع الصید۔ (۲۷۸)صحیح البخاری:۵۳۸ المواقیت ،باب من کره ان یقول للمغرب عشاء،بروایت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ (۲۷۹)صحیح مسلم:۶۴۴ المساجد،باب ۳۹۔وسنن ابی داؤد:۴۹۸۴ الأدب ،باب ۸۶،بروایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔

ﷺ کی کتاب اقتضاء الصّراط المستقیم (۲۸۰) یہی حکم ہے اس عادتِ قبیحہ کا جو جاہل اور بدعقیدہ عورتوں میں عربی مہینوں کے ناموں سے متعلق مشہور ہے کہ وہ شوال کو عید کا مہینہ ذی الحجہ کو بقرعید کا مہینہ ذوالقعدہ کو خالی کا مہینہ صفر کو تیرہ تیزی ربیع الاول کو بارہ وفات اور ربیع الاخر کو گیارھویں کا مہینہ کہتی ہیں۔ وغیرہ مشابہت کے علاوہ عربی مہینوں کو ان ناموں سے موسوم کرنے کی ایک خرابی یہ بھی ہے کہ:

۱۔ یہ نام شرعی ناموں کے خلاف ہیں۔

۲۔ ان میں سے اکثر نام کسی نہ کسی بدعت سے منسلک ہیں جس سے ان ناموں اور ان کے استعمال کی قباحت اور بڑھ جاتی ہے۔

x- ایک جنس کی دوسری جنس سے مشابہت

فطرت نے مرد وعورت دونوں کے خصائص الگ الگ رکھے ہیں اور ان کی ہیئت اور زندگی کی ذمہ داریوں کے پیش نظر ان کے لئے الگ الگ لباس اور دائرہ کار بھی متعین ہے۔ ہر ماحول میں اس فرق کو ملحوظ رکھا جاتا ہے خواہ وہ کافر معاشرہ ہو یا مسلم معاشرہ۔ دونوں جنسوں کے لباس نوع، طرز اور ڈیزائن کے لحاظ سے ایک دوسرے سے متمیز ہوتے ہیں ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے آج جب کہ شرافت ورذالت کا معیار لوگوں کے درمیان مفقود ہو چکا ہے تو اس قانونِ فطرت کے بارے میں بھی لوگوں کا انداز بدل گیا ہے۔

شریعت نے مرد وزن کے اس فطری فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے کچھ اصول متعین کئے ہیں، جن میں ایک اصول یہ ہے کہ ایک جنس کو دوسری جنس سے متمیز رہنا چاہئے۔ اس لئے اللہ کے رسول ﷺ نے ایک جنس کو دوسری جنس کی مشابہت سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ:

((لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُتَشَبِّهِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ)) (۲۸۱)

''رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی اُن مَردوں پر جو عورتوں کی مشابہت کرتے ہیں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت کرتی ہیں۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ کپڑے اور زینت جو عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں مَردوں کے لئے جائز نہیں۔ یہ معاملہ لباس تک محدود نہیں، بلکہ بات میں، چال ڈھال میں اور نقل وحرکت میں ایک دوسرے کی مشابہت جائز نہ ہوگی۔ البتہ وہ امور جن کا تعلق عملِ خیر سے ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ (۲۸۲)

ایک اور حدیث میں ہے:

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَشَبَّهَ بِالرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ وَمَنْ تَشَبَّهَ بِالنِّسَاءِ مِنَ الرِّجَالِ))

''جو عورت مَردوں کی مشابہت اختیار کرے اور جو مَرد عورتوں کی مشابہت اختیار کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''

مشہور تابعی حضرت ابو مُلیکہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا کو جو عورت مردانہ وضع قطع کا جوتا پہنتی ہے (اس کا کیا حکم ہے) تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

((لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الرَّجُلَةَ مِنَ النِّسَاءِ)) (۲۸۴)

امام ذہبی رحمہ اللہ نے ایک جنس کے ساتھ دوسری جنس کی مشابہت کو گناہِ کبیرہ میں شمار کیا ہے۔ (۲۸۵)

امام ابن النحاس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کبائر میں یہ بھی داخل ہے کہ لباس میں، بات چیت، یا کسی بھی ہیئت وشکل میں عورت مَرد کی مشابہت کرے یا مَرد عورت کی مشابہت کرے۔ (۲۸۶)

۳۔ شیطان کے ساتھ مشابہت

شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ اور یہ بات کسی طرح معقول نہیں کہ اپنے دشمن کی مشابہت اختیار کی جائے، بلکہ حقیقت اور امر واقعہ یہ ہے کہ دل میں جس سے جس قدر نفرت اور دشمنی ہوتی ہے اس کی چال ڈھال سے اسی قدر دوری ہوتی ہے۔ قرآن مجید نے شیطان کی اس دشمنی کو متعدد جگہ بیان کیا ہے۔ ایک جگہ فرمایا:

﴿اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ط اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ﴾ (فاطر:٦)

---

(۲۸۱) صحیح البخاری: ٥٨٨٥ اللباس، باب ٦١ واصحاب السنن الأربعة [صحیح الجامع: ٥١٠٠] بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما (۲۸۲) فتح الباری ٣٣٣،٣٣٢/١٠۔ فیض القدیر ٢٧١/٥۔ (۲۸۴) سنن ابی داؤد: ٤٠٩٩ اللباس، باب ٣١۔ بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ''مرد کی مشابہت کرنے والی عورت کو اللہ کے رسول ﷺ نے ملعون قرار دیا ہے۔''

''یادرکھو شیطان تمہارا دشمن ہے' تم اُسے جانو' وہ تو اپنے گروہ کو صرف اسی لئے بلاتا ہے کہ وہ سب جہنم واصل ہو جائیں۔''

ایک اور جگہ بڑے زوردار انداز میں متنبہ کیا گیا ہے:

﴿ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ وَّ اَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ، وَ لَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۭ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ﴾ (یٰسٓ: ۶۰-۶۲)

''اے اولادِ آدم! کیا میں نے تم سے قول وقرار نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا' وہ تمہارا کھلا دشمن ہے' اور میری ہی عبادت کرنا' سیدھی راہ یہی ہے ۔شیطان نے تو تم میں سے بہت ساری مخلوق کو بہکا دیا' تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟''

معلوم ہوا کہ شیطان انسانوں کا کھلا دشمن ہے اور وہ انہیں راہِ حق سے بہکانے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔اس لئے اس کی مشابہت سے بچنا ضروری ہے۔کیونکہ اس کی مشابہت کو عبادت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ، اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ وَ يَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾

(المائدۃ: ۹۰-۹۱)

''اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور اَستھان اور فال نکالنے کے پانسے کے تیر یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں' اُن سے بالکل الگ رہو تا کہ تم فلاح یاب ہو۔شیطان تو یوں ہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمہارے مابین عداوت اور بغض واقع کردے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے۔پھر کیا تم اب بھی باز آؤ گے (یا نہیں)؟''

اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی متعدد احادیث میں صراحت کے ساتھ شیطان کی مشابہت سے منع فرمایا ہے۔ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِذَا اَكَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَاْكُلْ بِيَمِيْنِهِ وَاِذَا شَرِبَ فَلْيَشْرَبْ بِيَمِيْنِهِ ' فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يَاْكُلُ بِشِمَالِهِ وَيَشْرَبُ بِشِمَالِهِ))(۲۸۷)

''جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو دائیں ہاتھ سے کھائے اور جب پانی پیئے تو دائیں ہاتھ سے پیئے کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے۔''

اس حدیث میں بائیں ہاتھ سے کھانے اور پینے کی ممانعت وارد ہے' اور اس کی علت یہ بیان ہوئی ہے کہ یہ شیطان کا عمل ہے' جس سے معلوم ہوا کہ شرع میں شیطان کی مخالفت مقصود ہے۔(۲۸۸)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ سے ''نشرہ'' کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((هِيَ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ)) (۲۸۹)

''یہ شیطان کا کام ہے۔''

''نشرہ'' کہتے ہیں جادو اتارنے کو۔اور چونکہ عام طور پر کسی پر سے جادو اتارنے کا کام کوئی دوسرا جادوگر ہی کرتا ہے اور جادو کا توڑ جادو کے ذریعے ہی کرتا ہے' اور عام طور پر جادو میں شیطان کی مدد شامل رہتی ہے اس لئے اللہ کے رسول ﷺ نے اسے حرام قرار دیا اور اس کی علت یہ بتلائی کہ یہ شیطانی کام ہے۔لیکن اگر شرعی جھاڑ پھونک' دواؤں اور دعاؤں کے ذریعے جادو کا توڑ کیا جائے تو یہ جائز ہے' اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔(۲۹۰)

---

(۲۸۵) کتاب الکبائر' ص۱۲۸' کبیرہ ۶۵ ـ ۲۶۵۔ نیز دیکھئے فتح الباری ۱۰/۳۳۳ اور بعض نسخوں میں ۱۰/۲۸۲۔ (۲۸۷) صحیح مسلم: ۲۰۲۰ الأشربة' باب ۲۱۔ وسنن ابی داؤد: ۳۷۷ الأطعمة' باب ۷۰۔ ومسند احمد ۲/۸' ۳۳' بروایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔ (۲۸۸) امام نووی رحمۃ اللہ علیہ ریاض الصالحین میں باب باندھتے ہیں: شیطان اور کفار کی مشابہت اختیار کرنے کی ممانعت کا بیان اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ روایت کو صحیح مسلم کے حوالے سے مختلف الفاظ میں نقل کیا ہے۔ دیکھئے ریاض الصالحین مترجم ۲/۳۹۷۔ (۲۹۰): عون المعبود ۱۰/۲۴۹۔ القول المفید

جادُو کے موضوع پر تفصیل ''جادو'' کے بیان میں آ رہی ہے۔

۴۔حیوانوں کے ساتھ مشابہت

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور اسے بہترین شکل وصورت سے نوازا۔اسی چیز کو اللہ تعالیٰ نے قرانِ مجید میں متعدد جگہ بطورِ احسان ذکر فرمایا ہے۔ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا﴾

''یقیناً ہم نے اولادِ آدم کو بڑی عزت دی اور انہیں خشکی اور تری کی سواریاں دیں اور انہیں پاکیزہ چیزوں کی روزیاں دیں اور اپنی بہت سی مخلوق پر انہیں فضیلت عطا فرمائی۔'' (الاسراء:۷۰)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿وَ التِّيْنِ وَ الزَّيْتُوْنِ، وَ طُوْرِ سِيْنِيْنَ ،وَ هٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ،لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾ (التّين:۱-۴)

''قسم ہے انجیر کی اور قسم ہے زیتون کی اور طورِ سینا کی' اور اِس امن وامان والے شہر کی۔ یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا۔''

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بڑے مؤکد انداز میں انسان کو بہترین صورت کا حامل قرار دیا ہے کہ اُس نے ہر مخلوق کو اس طرح پیدا کیا ہے کہ اس کا مُنہ نیچے جھکا ہوا ہے' صرف انسان کو دراز قامت سیدھا بنایا ہے' جو اپنے ہاتوں سے کھاتا پیتا ہے۔اس کے ہر عضو کو اِس ڈھنگ سے بنایا کہ اس میں ایک عجیب تناسب پایا جاتا ہے اور بہت سے جانوروں کی طرح اس میں بے ڈھنگا پن نہیں ہے۔ پھر اہم اعضاء کو اُس نے دو دو رکھا اور دونوں میں حسبِ ضرورت مناسب فاصلہ رکھا۔ پھر اس سے اہم چیز یہ کہ اس کے اندر فہم وتدبر' عقل وبصیرت اور سمع وبصر کی قوت ودیعت فرمائی جس سے وہ حق وباطل اور نافع وضار میں بآسانی تمیز کرسکتا ہے۔[۲۹۱] اور جو لوگ اس نعمت الٰہی کو استعمال نہیں کرتے انہیں چوپایوں سے تشبیہ دی ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا﴾ (الفرقان:۴۴)

''کیا آپ اس خیال میں ہیں کہ اِن میں سے اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں؟ وہ تو نرے چوپایوں جیسے ہیں' بلکہ ان سے زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَ يَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَ النَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ﴾ (محمد:۱۲)

''جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے انہیں اللہ یقیناً ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں' اور جو لوگ کافر ہوئے وہ لوگ دنیا ہی کا فائدہ اٹھا رہے ہیں اور مثل چوپایوں کے کھا رہے ہیں' ان کا اصل ٹھکانہ جہنم ہے۔''

انسان خصوصاً مسلمانوں کے اسی امتیاز کو باقی رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے مختلف قسم کے حیوانوں سے مشابہت سے منع فرمایا ہے۔ان میں سے بعض یہ ہیں:

i۔کتے کی مشابہت

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ، وَ لَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَ لٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ

---

(۲۹۱) تفسیر احسن البیان' سورۃ التین کی تفسیر۔

الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾ (الاعراف:١٧٥-١٧٦)

''اوران لوگوں کواُس شخص کا حال پڑھ کر سنایئے کہ جس کو ہم نے اپنی آیتیں دیں' پھر وہ اُن سے بالکل ہی نکل گیا' پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا سو وہ گمراہ لوگوں میں شامل ہوگیا۔ اور اگر ہم چاہتے تو اس کو اپنی آیتوں کی بدولت بلند مرتبہ کر دیتے' لیکن وہ تو دنیا کی طرف مائل ہوگیا اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرنے لگا' سو اُس کی حالت کتے کی سی ہوگئی کہ اگر تو اُس پر حملہ کرے تب بھی ہانپے یا اس کو چھوڑ دے تب بھی ہانپے۔ یہی حالت ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ سو آپ اس حال کو بیان کر دیجئے شاید وہ لوگ کچھ سوچیں۔''

اِن آیات میں اُس شخص کا ذکر ہے جسے کتابِ الٰہی کا علم حاصل ہوا اور ایسی نعمت پانے کے باوجود بھی دنیا اور شیطان کے پیچھے لگا رہا' تو اس سے بدبخت کون انسان ہوگا! اس کی مثال تو اُس کتے جیسی ہے جو بھوکا پیاسا ہو یا تھکا ماندہ' تندرست ہو یا بیمار' ہر حال میں اپنی زبان کو نکال کر ہانپتا اور رال ٹپکاتا رہتا ہے۔ بعینہٖ یہی حال اس شخص کا ہے کہ اس کے پاس علم ہے تو بھی ہانپ رہا ہے' علم نہ ہوتا تو بھی ہانپ رہا ہوتا' اسے وعظ کرو تو بھی اور چھوڑ دو تو بھی دنیا کے مال و متاع کی لالچ میں اس کی رال ٹپکتی رہتی ہے اور شریف علم کو وہ دنیا کمانے کا ذریعہ بنائے ہوئے ہے۔ اس لئے ہر وہ شخص جسے اللہ نے کتاب و سنت کا علم دیا ہے اس کے لئے کسی بھی صورت میں یہ جائز نہیں کہ کُتّے کی مشابہت کرے اور اپنی آخرت کو دنیا کے عوض بیچ دے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِعْتَدِلُوْا فِیْ السُّجُوْدِ وَلَا يَبْسُطُ اَحَدُکُمْ ذِرَاعَيْهِ انْبِسَاطَ الْکَلْبِ)) (٢٩٢)

''سجدے میں ٹھیک رہو' کوئی اپنے دونوں بازوؤں کو کتے کی طرح نہ بچھائے۔''

حافظ عبدالرؤف مناوی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ذلیل حیوانوں کے اخلاق' اُن کی عادات اور اُن کی طرح بیٹھنے اٹھنے کی ممانعت ہے۔(٢٩٣)

اسی طرح کتے کی دوسرے امور میں مشابہت سے بھی روکا گیا ہے جن میں سے بعض کا ذکر آگے آئے گا۔

ii۔ اُونٹ کی مشابہت

جن حیوانوں کے اخلاق و عادات سے مشاہت میں ممانعت وارد ہے اُن میں اونٹ بھی ہے۔ مثلاً حالت نماز میں اونٹ کی بعض صفات سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا۔ چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہے:

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ نَقْرَةِ الْغُرَابِ وَافْتِرَشِ السَّبُعْ وَاَنْ يُوْطِنَ الرَّجُلُ الْمَكَانَ فِی الْمَسْجِدِ كَمَا يُوْطِنَ الْبَعِيْرُ (٢٩٤)

''آپ ﷺ نے منع فرمایا کوّے کی طرح چونچ مارنے سے' درندے کی طرح اپنے بازو بچھانے سے اور اس بات سے کہ آدمی مسجد میں اونٹ کی طرح کوئی خاص جائے اقامت متعین کر لے۔''

مزید ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((اِذَا سَجَدَ اَحَدُکُمْ فَلَا يَبْرُکُ كَمَا يَبْرُکُ الْبَعِيْرُ وَلْيَضَعْ يَدَيْهِ قَبْلَ رُکْبَتَيْهِ)) (٢٩٥)

''جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اونٹ کے بیٹھنے کی طرح نہ بیٹھے' بلکہ اپنے دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے رکھے۔''

iii۔ درندے اور کوّے کی مشابہت

گزشتہ روایت سے دو مزید جانوروں سے عدمِ مشابہت کا پتہ چلتا ہے۔

---

(٢٩٢) صحیح البخاری :٨٢٢ الاذان' باب ٤١۔ و صحیح مسلم:٤٩٣ الصلاۃ' باب ٤٥۔ **(٢٩٣)** فیض القدیر:١/٧٠٦۔ **(٢٩٤)** سنن ابی داؤد:٨٦٢ الصلاۃ' باب ١٤٩۔ و سنن النسائی ٢/٢١٤۔ و سنن ابن ماجہ:١٤٢٩ الصلاۃ' باب ٢٤٣ بروایت عبدالرحمٰن بن شبل' دیکھئے الصحیحہ:١١٦٨۔ **(٢٩٥)** سنن ابی داؤد:١٤٠۔ و سنن النسائی ٢/٢٠٧۔ و مسند احمد ٢/٣٨١ بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔ دیکھئے تخریج المشکاۃ ١/٢٨٢۔

vi۔لومڑی

اسی طرح حالت نماز میں نمازی کو جانوروں کی بعض خصلتوں سے روکا گیا ہے اُن میں لومڑی بھی شامل ہے۔مقصد یہ ہے کہ نمازی حالت نماز میں خشوع وخضوع کے ساتھ قلب وقالب کو ایک کر کے اپنے ربّ کی طرف متوجہ ہو اور لومڑی کی طرح اپنی نظروں کو ادھر اُدھر نہ لے جائے' کیونکہ اس سے خشوع وخضوع میں فرق پڑتا ہے ۔چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

نَهَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ نَقْرَةٍ كَنَقْرِ الدِّيْكِ وَاقْعَاءٍ كَاِقْعَاءِ وَالتِفَاتٍ كَالْتِفَاتِ الثَّعْلَبِ)) (۲۹۶)

''اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے منع فرمایا مرغے کی طرح چونچ مارنے سے' کتے کی طرح اپنی سرین پر بیٹھنے سے اور لومڑی ک طرح ادھر اُدھر متوجہ ہونے سے''۔

اس حدیث میں ایک مزید حیوان کی مشابہت سے روکا گیا ہے' یعنی مرغے کی طرح سجدے میں چونچ مارنے سے۔

v۔گدھا

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (الجمعة:۵)

''جن لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا' پھر انہوں نے اُس پر عمل نہیں کیا' اُن کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہو' اللہ کی باتوں کو جھٹلانے والوں کی بڑی بُری مثال ہے' اور اللہ ایسی ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔''

اس آیت کریمہ میں گدھے کی مشابہت سے روکا گیا ہے۔

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے ''سبل السلام'' اور ''التّشبُّهُ الْمَنْهٰى عَنْهُ''۔ (۲۹۷)

ان آیات واحادیث میں جو بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ حیوانوں کے ساتھ مشابہت خصوصاً ان اشیاء میں جو اُن کے خصائص میں سے ہیں' ممنوع اور اُن کی مخالفت مقصودِ شرع ہے۔ بلکہ یہاں ایک قاعدہ کلیہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر وہ عادت جو کسی انسان حیوان کا خاصہ ہو اُس میں اس مشابہت ممنوع ہو گی' خواہ اس کے بارے میں کوئی شرعی حکم وارد ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ (۲۹۸)

یہاں ایک نقطہ قابل غور ہے کہ حیوانوں کے ساتھ مشابہت ممنوع ہو گی خواہ مشابہت کا ارادہ کیا جائے یا نہ کیا جائے۔اگر بغیر قصد کے کوئی شخص کسی حیوان کی مشابہت میں پڑتا ہے تو یہ بذات خود منع ہے' اور اگر اس سے مشابہت کا قصد وارادہ کر لیتا ہے تو یہی چیز اور زیادہ قبیح اور بری ہو جاتی ہے۔ (۲۹۹)

کن امور میں مشابہت سے روکا گیا ہے؟

اب تک کے مطالعے سے واضح ہو چکا ہے کہ اسلام مسلمانوں کے تشخص کو بالکل ممتاز کرنا چاہتا ہے۔ وہ مسلمانوں کو اس حال میں دیکھنا چاہتا ہے کہ ہر دیکھنے والا پہلی ہی نظر میں یہ محسوس کر لے کہ یہ اللہ کا ولی اور دوست ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام مسلمانوں کو اپنے دشمنوں اور باغیوں کی مشابہت سے سختی سے منع کرتا ہے جس کی تفصیل آپ پچھلے صفحات میں پڑھ آئے ہیں۔اس موڑ پر پہنچ کر ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کے دشمنوں اور باغیوں کی مشابہت اور اُن کی مخالفت کے حدود اربعہ کیا ہیں ؟اور وہ کون کون سے امور ہیں جن میں کافروں یا دوسرے لوگوں سے جن کی مشابہت سے روکا گیا ہے' پرہیز کرنا ضروری ہے۔اس سوال کا ایک مختصر جواب ہے اور ایک تفصیلی۔

---

(۲۹۶)مسند احمد:۸۰۹۱'۳۱۱/۲۔(۲۹۷)التشبه المنهى عنه'ص ۱۵۸'۱۹۰۔(۲۹۸)دیکھئے مجموع الفتاویٰ ۲۵۷/۳۲۔امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے حیوانوں کے ساتھ مشابہت اور اس کی عدم مشروعیت کی متعدد وجہیں بیان فرمائی ہیں' ہر صاحب ذوق اور طالب علم سے گزارش ہے کہ مجموعہ فتاویٰ کی جلد ۳۲'ص ۲۵۶ تاص ۲۶۰ کا ضرور مطالعہ کرے۔(۲۹۹)مجموع الفتاویٰ ۲۵۸/۳۲۔

مختصر جواب: اس سوال کا مختصر جواب اللہ کے رسول ﷺ کی اِس حدیث میں موجود ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((خَالِفُوْا اَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ بِكُلِّ مَا اسْتَطَعْتُمْ)) (۳۰۰)

''شیطان کے دوستوں کی مخالفت کرو جہاں تک ہو سکے۔''

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کے دشمنوں اور باغیوں سے مشابہت سے مقدور بچنا چاہئے اور حتی الامکان ان کی مخالفت کی کوشش کرنی چاہئے اور ان سے ممتاز ہو کر رہنا چاہئے۔

تفصیلی جواب: اس سوال کا تفصیلی جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو چار چیزوں میں غیر مسلموں کی مشابہت سے روکتا ہے:

۱۔عقائد میں مشابہت ۲۔عبادات میں مشابہت ۳۔عیدوں اور تہواروں میں مشابہت ۴۔عادات میں مشابہت (۳۰۱)

ذیل میں ان تمام صورتوں کو مثال سے واضح کیا جاتا ہے۔

عقائد میں مشابہت

ایک مسلمان کے نزدیک سب سے اہم مسئلہ عقیدہ اور اس کی حفاظت کا ہے۔ اور اس کی حفاظت کا تقاضا ہے کہ اپنے عقائد کو ایسے لوگوں کی مشابہت سے بچایا جائے جو اللہ کے اور مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ یہ بات کس قدر غیر معقول ہے جس کا عقیدہ قرآن جیسی کتاب اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جیسے رسول کی سنت سے ماخوذ ہو وہ اپنے عقائد میں ایسے لوگوں یا ایسی چیزوں کی مشابہت کرے جنہیں یہ مبارک کتاب گمراہ، جاہل اور صراطِ مستقیم سے بھٹکے ہوئے قرار دیتی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب کو جس عظیم سورت سے شروع کیا ہے اور جسے رسولِ اکرم ﷺ نے کم سے کم دن میں سترہ بار پڑھنے کی ہدایت کی ہے (۳۰۲) اس سورت میں فرمایا گیا ہے:

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ،صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ﴾ (الفاتحة:۵-۷)

''(اے اللہ!) ہمیں سیدھی اور سچی راہ دکھا۔ اُن لوگوں کی راہ جن پر تو نے اپنا انعام کیا، جن پر غضب نہیں کیا گیا اور جو گمراہ نہیں ہوئے۔'' (۳۰۳)

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں متعدد جگہ عقیدے کے بارے میں غیر قوم کی مشابہت سے منع فرمایا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿ وَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَ لَآ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَ اِلَيْهِ مَاٰبِ، وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ؕ وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَ هُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا وَاقٍ﴾ (الرّعد:۳۶-۳۷)

''جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ تو آپ پر جو کچھ اتارا جاتا ہے اس سے خوش ہوتے ہیں، اور دوسرے فرقے اس کی بعض باتوں کے منکر ہیں۔ آپ اعلان کر دیجئے کہ مجھے تو صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ شریک نہ کروں۔ میں اسی کی طرف بلا رہا ہوں اور اُسی کی جانب میرا لوٹنا ہے۔ اس طرح ہم نے اس قرآن کو عربی زبان کا فرمان اتارا ہے۔ اگر آپ نے ان کی خوشنودی کی پیروی کی اس کے بعد کے آپ کے پاس علم آچکا ہے تو اللہ کے عذاب سے آپ کو کوئی حمایتی ملے گا اور نہ بچانے والا۔''

---

(۳۰۰) المعجم الأوسط للطبراني:۵،۴۱۳۵/۸۶ بروایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما۔ مجمع البحرين کے محقق نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ دیکھئے مجمع البحرين ۱۵۶/۷، نیز دیکھئے جلباب المرأة المسلمة للألباني، ص ۱۸۴۔ (۳۰۱) دیکھئے ڈاکٹر ناصر عبدالکریم العقل کا رسالہ من تشبّہ بقوم فھو منھم ص ۱۸،۱۷ اور فضیلۃ الشیخ عبداللہ السعد کی ایک تقریر کی کیسٹ: من تشبّہ بقوم فھو منھم۔ (۳۰۲) اس سے مقصد یہ ہے کہ ہر مسلمان پر چونکہ رات و دن میں پانچ وقت کی نمازیں فرض ہیں اور پانچ نمازوں میں کل سترہ رکعتیں فرض ہیں اور ظاہر ہے کہ ہر مسلمان دن میں سترہ رکعتوں کے علاوہ بھی سنت، نفل یا کسی اور شکل میں نماز ادا کرتا ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ ہر نماز کی ہر رکعت میں نمازی پر سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے بلکہ بہت سے علماء کے نزدیک رکن ہے۔ دیکھئے مرعاۃ المفاتیح ۱۰۴/۳ اور اس کے بعد (۳۰۳) مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ اس میں ''الضالین'' سے مراد (عیسائی) ہیں، دیکھئے کتب تفسیر

مذکورہ بالا دونوں آیتوں سے درج ذیل اہم فائدے حاصل ہوتے ہیں:

۱۔ اس قرآنِ مجید کے بارے میں اہل کتاب دو حصوں میں بٹے ہوئے تھے۔ایک فریق نے تو اسے آسمانی کتاب تسلیم کیا اور اس پر ایمان لائے' لیکن دوسرے فریق نے عناد کی بنیاد پر اس کا انکار کیا۔

۲۔ اہلِ کتاب کے بعض فرقے قرآنِ مجید کی ساری تعلیم کا انکار نہیں کرتے' بلکہ صرف انہی تعلیمات کا انکار کرتے ہیں جن میں اُن کی گمراہیوں اور شرکیہ اعمال کا پول کھولا گیا تھا۔

۳۔ اہلِ کتاب یا مکہ کے مشرکین اس کتاب کو مانیں یا اس سے اختلاف کریں اس کتاب کے ماننے والوں کو صرف ایک ہی رویہ اپنانا چاہئے کہ ایک اللہ کی بندگی کریں اور اس کے ساتھ شرک کی ہر شکل سے پرہیز کریں۔

۴۔ یہی وہ دعوت ہے جس کے عام کرنے کے لئے قرآن کا نزول ہوا ہے' اہل کتاب کی موافقت ومخالفت سے بے نیاز ہو کر مسلمانوں کو یہ تعلیم عام کرنی چاہئے

۵۔ اپنی خواہشات کی پیروی کر کے توحید واعتقاد کے بارے میں اہل کتاب نے جو بدعتیں ایجاد کر لی ہیں ان سے پرہیز کرنا اشد ضروری ہے۔

۶۔ اہلِ کتاب کی اس روش پر ان کی پیروی معمولی حرکت نہیں ہے' بلکہ یہ ایسا جرمِ عظیم ہے کہ اگر اس کا ارتکاب مقرب سے مقرب رسول بھی کر بیٹھے تو اللہ اسے بخشنے والا نہیں ہے۔

۷۔ بظاہر تو اس آیت میں خطاب رسول اللہ ﷺ کی طرف ہے' لیکن فی الواقع اس سے اُمّت کو متنبہ کرنا مقصود ہے کہ وہ اس کتابِ مبین اور علمِ حقیقی کے آجانے کے بعد اہلِ کتاب کی تمام مشرکانہ بدعات سے بچیں اور پرہیز کریں۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿وَ لَنْ تَرْضٰی عَنْکَ الْیَهُوْدُ وَ لَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَی اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰی ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَکَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ﴾ (البقرۃ: ۱۲۰)

''اور آپ سے یہود ونصاریٰ ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک آپ ان کے مذہب کے تابع نہ ہو جائیں۔آپ کہہ دیجئے کہ اصل ہدایت تو وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔اگر آپ نے باوجود اپنے پاس علم کے آجانے کے پھر بھی ان کی خواہشوں کی پیروی کی اللہ کے پاس آپ کا نہ تو کوئی ولی ہوگا اور نہ مددگار۔''

مذکورہ آیت اور اس کے ترجمہ پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں دو بڑے اہم امور بیان ہوئے ہیں۔پہلی چیز تو خبر کی شکل میں ہے اور دوسری چیز ممانعت کی شکل میں ہے۔

۱۔خبر: ملتِ ابراہیمی جس کی بنیاد اخلاص للّٰہیت اور ولاء وبراء پر ہے' یہودیت ونصرانیت سے کبھی بھی موافقت نہیں رکھ سکتی' کیونکہ یہود ونصاریٰ کے سامنے سوال صرف حق کی وضاحت اور دلائل کے ظہور کا نہیں ہے بلکہ اپنے اپنے طریقے پر جمود وتعصب اور اس کی طرف دعوت کا ہے۔وہ حق سے زیادہ اپنی خواہشات کے پرستار ہیں اور ملتِ ابراہیمی کی بنیاد وحیِ الٰہی اور علم ربّانی پر ہے جہاں خواہشات ومن مرضی کی پیروی کا کوئی سوال ہی باقی نہیں رہتا۔اسی وجہ سے اس آیت میں اللہ کے رسول ﷺ کو حکم ہو رہا ہے کہ آپ انہیں یہ فیصلہ سنا دیں کہ: ﴿اِنَّ هُدَی اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰی﴾ ''اصل ہدایت تو وہی ہے جو اللہ کی طرف سے ہے۔'' اور چونکہ تم لوگ اپنی خواہشات کے غلام ہو بدعات کو نہیں چھوڑ سکتے اور میں وحیِ الٰہی اور علم حقیقی سے روگردانی نہیں کر سکتا اس لئے اتفاق ممکن نہیں۔ بقول کسے ؎

تمہیں غیروں سے کب فرصت ہم اپنے غم سے کب خالی
چلو اب ہو چکا ملنا ' نہ ہم خالی نہ تم خالی !

۲۔نہی: ملتِ ابراہیمی کے پیروکاروں کو سختی کے ساتھ ممانعت کی گئی ہے کہ وہ خواہشات کی پیروی اور عقائد وعبادات میں غیر قوموں خصوصاً یہود ونصاریٰ کی مشابہت سے بچیں' بلکہ جو کام بھی یہود ونصاریٰ کی خصوصیات سے ہیں ان سے پرہیز کریں۔اور یہ امر اتنا اہم ہے کہ اگر اس سے پرہیز نہ کیا گیا اور اِن کی مخالفت نہ کی گئی تو

اللہ سخت عذاب میں مبتلا کر دے گا، پھر اُس کے مقابلے میں کسی کا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ ہی مددگار۔

اللہ کے رسول ﷺ کی متعدد احادیث میں غیر قوموں کے ساتھ عقائد میں مشابہت یا ان امور میں مشابہت سے سختی سے منع فرمایا گیا ہے جن کا تعلق عقائد سے ہے۔ چنانچہ مشہور صحابی حضرت جندب بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وفات سے پانچ دن قبل ہم نے آپ ﷺ کو سنا کہ آپ فرما رہے تھے: ''......ہوشیار رہنا، تم سے پہلے جو لوگ تھے انہوں نے اپنے نبیوں اور ولیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا، دیکھو تم لوگ قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنا لینا، میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔''(۳۰۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((قَاتَلَ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی اِتَّخِذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَاءِ ھِمْ مَسَاجِدَ)) (۳۰۵)

اللہ تعالیٰ غارت کرے یہود و نصاریٰ کو کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا!''

ان دونوں حدیثوں میں قبروں پر مساجد تعمیر کرنے یا مسجد نما قبے بنانے، بزرگوں کو مساجد میں دفن کرنے، اور ان کی قبروں کے پاس نماز پڑھنے سے سختی سے منع کیا گیا ہے اور اس سے بھی متنبہ کیا گیا ہے کہ اس بارے میں یہود و نصاریٰ کی مشابہت سے بچتے رہنا، کیونکہ انہوں نے اپنے انبیاء اور اولیاء کے مزارات بنا رکھے تھے، وہاں بیٹھتے، عبادت کرتے اور اُن سے اپنی مرادیں مانگتے تھے۔

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ خدمتِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے اور دوسرے امورِ اسلام کے ساتھ ساتھ نماز کے اوقات سے متعلق بھی دریافت فرمایا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((صَلِّ صَلَاۃَ الصُّبْحِ ثُمَّ اَقْصِرْ عَنِ الصَّلَاۃِ حَتّٰی تَطْلَعَ الشَّمْسُ حَتّٰی تَرْتَفِعَ فَاِنَّھَا تَطْلُعُ حِیْنَ تَطْلُعُ بَیْنَ قَرْنَیْ شَیْطَانٍ وَحِیْنَئِذٍ یَسْجُدُ لَھَا الْکُفَّارُ......ثُمَّ اَقْصِرْ عَنِ الصَّلَاۃِ حَتّٰی تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَاِنَّھَا تَغْرُبُ حِیْنَ تَغْرُبُ بَیْنَ قَرْنَیْ شَیْطَانٍ وَحِیْنَئِذٍ یَسْجُدُ لَھَا الْکُفَّارُ)) (۳۰۶)

''صبح کی نماز پڑھو، پھر نماز پڑھنے سے رک جاؤ یہاں تک کہ سورج بلند ہو جائے، کیونکہ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو وہ شیطان کے دو سینگوں کے بیچ میں طلوع ہوتا ہے اور اُس وقت کافر سورج کو سجدہ کرتے ہیں......عصر کی نماز پڑھ کر کوئی اور نماز پڑھنے سے رک جاؤ یہاں تک کہ سورج ڈوب جائے، کیونکہ جب سورج ڈوبتا ہے تو شیطان کے دو سینگوں کے بیچ ڈوبتا ہے اور اُس وقت کافر اسے سجدہ کرتے ہیں۔''

اس حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے سورج کے ڈوبتے اور طلوع ہوتے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے اور اس کی علت یہ بیان فرمائی کہ اس وقت مشرک سورج کو سجدہ کرتے ہیں، یعنی اس وقت نماز پڑھنا مشرکوں کے ساتھ کفر و شرک میں مشابہت ہے، اس لئے اس سے منع کیا گیا، مسلمان نماز پڑھتے وقت سورج کو سجدہ کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا(۳۰۷) معلوم ہوا کہ امورِ عقائد میں کافروں کی مشابہت جائز نہیں خواہ اُن سے مشابہت کا قصد و ارادہ نہ ہو، لیکن اگر امورِ عقائد میں یا کافروں کے نزدیک متبرک چیزوں کی تعظیم وغیرہ میں ان کی مشابہت کی گئی تو یہی چیز اسلام کے منافی امور میں شامل ہوگی، جیسے یہودیوں کی ڈوپی، عیسائیوں کے کراس کا نشان یا ہندوؤں کے ترشول کو تعظیم و احترام دیا گیا تو یہ کفر و شرک ہوگا۔ اسی طرح کافروں کے ساتھ مخصوص امورِ عقائد میں مشابہت، جیسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص کاموں میں غیر اللہ کو شریک کرنا، جیسے یہود و نصاریٰ نے اللہ کے لئے بیٹا قرار دیا، مشرکین مکّہ نے اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹیاں تسلیم کر لیں اور انہیں ربوبیت و الوہیت میں حصّہ دار قرار دیا، عالم میں متصرف اور نفع و نقصان کا مالک تصور کیا، اپنی عبادات کا کچھ حصّہ ان کے لئے خاص کیا، رکوع و سجدہ، دعاء و توکّل، رجاء و خوف، خشوع و تذلّل وغیرہ جیسے امورِ عبادات میں انہیں شریک کیا، تو یہ سارے امور بلاشبہ شرک اور کفر میں داخل ہوں گے۔

---

(۳۰۴) صحیح مسلم: ۵۳۲ الصلاۃ، باب ۳۔ (۳۰۵) صحیح البخاری: ۳۳۷ الصلاۃ، باب ۵۵۔ وصحیح مسلم: ۵۳۰ المساجد، باب ۳۔ الفاظ مسلم شریف کے ہیں۔ (۳۰۶) صحیح مسلم: ۸۳۲، صلاۃ المسافرین، باب ۵۲۔ وسنن ابی داؤد: ۱۲۷۷، کتاب الصلاۃ، باب ۲۹۹۔ (۳۰۷) اقتضاء الصراط المستقیم ۲۱۸/۱، ساتواں ایڈیشن۔

عبادات میں مشابہت

عقائد کے بعد سب سے اہم مقام عبادات کو حاصل ہے۔اور جس طرح شریعت عقائد کے باب میں اپنے ماننے والوں کو غیر قوموں کی مشابہت سے روکتی ہے اسی طرح عبادات کے باب میں بھی غیر مسلموں کی مشابہت سے منع کرتی ہے۔

سب سے پہلے یہ بات واضح ہونی چاہیے کہ مشابہت کے باب میں عبادات کی دو قسمیں ہیں:

اوّل: وہ عبادت جو غیر قوم تو میں رائج ہے لیکن اسلام میں وہ عبادت سرے سے مشروع ہی نہیں‘ جیسے رہبانیت اور گانے بجانے کو عبادت کا درجہ دینا۔

دوم: وہ عبادت جو اسلام میں مشروع ہے‘ جیسے نماز روزہ وغیرہ۔

پہلی قسم کے ممنوع ہونے کے دو سبب ہیں۔ایک تو یہ کہ اس میں غیر قوم کی مشابہت پائی جاتی ہے جو بذاتِ خود ممنوع ہے اور دوسرا سبب یہ کہ وہ دین میں بدعت شمار ہوگی۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَمۡ لَهُمۡ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوۡا لَهُمۡ مِّنَ الدِّيۡنِ مَا لَمۡ يَاۡذَنۡۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ وَ لَوۡ لَا كَلِمَةُ الۡفَصۡلِ لَقُضِىَ بَيۡنَهُمۡ ؕ وَ اِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ﴾

’’کیا ان لوگوں کے (اللہ کے لئے) ایسے شریک (مقرر کئے ہوئے) ہیں جنہوں نے ایسے احکام مقرر کر دیئے ہیں جو اللہ کے فرمائے ہوئے نہیں ہیں‘ اگر فیصلے کے دن کا وعدہ نہ ہوتا تو (ابھی) ان میں فیصلہ کر دیا جاتا۔یقیناً ان ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے۔‘‘

اس قسم کی عبادات میں مشابہت کو علماء نے کبیرہ گناہ بلکہ حرام قرار دیا ہے۔دوسری قسم کے ممنوع ہونے کا سبب صرف غیر قوموں کی مشابہت ہے جس سے بچنے کے لئے شریعت نے اس عبادت کی جزئیات میں تبدیلی یا بعض ظاہری امور میں تبدیلی سے کام لیا ہے۔اس قسم کی عبادات میں مشابہت اگر بغیر قصد وارادہ کی گئی ہے تو مکروہ اور غیر مستحسن ہے اور اگر بقصد وارادہ مشابہت کی گئی تو عین ممکن ہے کہ اسلام کے منافی امور میں داخل ہو جائے۔ان دونوں قسموں کو اب مثالوں سے سمجھتے ہیں۔

پہلی قسم: رہبانیت

اہل کتاب خصوصاً عیسائیوں نے رضائے الٰہی کے جذبے کے تحت دنیاوی کاموں سے دُور ہو کر جنگل یا غیر آباد جگہ میں اپنے آپ کو صرف عباداتِ الٰہی اور ذکر واذکار میں مشغول رکھنے کے لئے رہبانیت کی بدعت ایجاد کی تھی تا کہ اس طرح زیادہ سے زیادہ اللہ کی عبادت کر سکیں۔ان کا طریقہ یہ تھا کہ نہ وہ شادی کرتے تھے اور نہ ہی دنیا کا کوئی کاروبار‘ بلکہ تمام چیزوں سے لاتعلق ہو کر وہ صرف ریاضت نفس میں مشغول رہتے۔سورۂ حدید کے آخر میں ان کی اس بدعت کی طرف اشارہ ہے:

﴿ثُمَّ قَفَّيۡنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمۡ بِرُسُلِنَا وَ قَفَّيۡنَا بِعِيۡسَى ابۡنِ مَرۡيَمَ وَ اٰتَيۡنٰهُ الۡاِنۡجِيۡلَ ۙ وَ جَعَلۡنَا فِىۡ قُلُوۡبِ الَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُ رَاۡفَةً وَّ رَحۡمَةً ؕ وَ رَهۡبَانِيَّةَ ۟ابۡتَدَعُوۡهَا مَا كَتَبۡنٰهَا عَلَيۡهِمۡ اِلَّا ابۡتِغَآءَ رِضۡوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوۡهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيۡنَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡهُمۡ اَجۡرَهُمۡ ۚ وَ كَثِيۡرٌ مِّنۡهُمۡ فٰسِقُوۡنَ﴾ (الحدید:۲۷)

’’ان کے بعد پھر بھی ہم اپنے رسولوں کو پے درپے بھیجتے رہے اور ان کے بعد عیسیٰ بن مریم کو بھیجا اور انہیں انجیل عطا فرمائی اور ان کے ماننے والوں کے دلوں میں شفقت اور رحم پیدا کیا۔ہاں‘ رہبانیت تو ان لوگوں نے از خود ایجاد کر لی تھی‘ ہم نے ان پر اسے واجب نہ کیا تھا‘ سوائے اللہ کی رضا جوئی کے لئے۔سوانہوں نے اس کی پوری رعایت نہ کی‘ پھر بھی ہم نے ان میں سے جو ایمان لائے تھے انہیں اس کا اجر دیا اور ان میں زیادہ تر لوگ نافرمان ہیں۔‘‘

اسلام نے اس طریقے کی مخالفت کی اور اس بارے میں اہلِ کتاب کی مشابہت سے منع فرمایا۔

حضرت عائشہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بیوی خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی پراگندگی اور خستہ حالی دیکھ کر پوچھا کہ ایسا کیوں؟ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ میرا شوہر دن بھر روزہ رکھتا ہے اور ساری رات نماز پڑھتا ہے (تو میں زیب وزینت کس کے لئے کروں؟) اسی دوران اللہ کے رسول ﷺ گھر تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سارا واقعہ کہہ سنایا۔آپ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا اور کہا:

((يَا عُثْمَانُ اِنَّ الرَّهْبَانِيَةَ لَمْ تَكْتَبْ عَلَيْنَا، اَفَمَالَكَ فِيَّ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ)) [۳۰۸]

''اے عثمان! رہبانیت (ترکِ دنیا) ہمارے لئے جائز نہیں ہے۔ کیا تمہارے لئے میری ذات بہترین نمونہ نہیں ہے؟''

اس حدیث میں عبادت کے لئے گوشہ نشینی سے روکا گیا ہے اور خصوصی طور پر رہبانیت کا نام وارد ہے جس سے نصاریٰ کی مخالفت مقصود ہے۔ [۳۰۹]
اور اگر یہی کام اس لئے کیا گیا کہ یہی شریعت ہے یا ہمارے لئے ایسا کرنا جائز اور بہتر ہے تو بہت ممکن ہے کہ یہ بات اسلام کے منافی امور میں داخل ہو جائے اور کفر تک پہنچ جائے۔

گانے بجانے کو عبادت کا درجہ دینا

بعض قوموں میں رضائے الٰہی اور تقرب الی اللہ کے کچھ ایسے طریقے رائج ہیں جنہیں لوگ ثواب سمجھ کر کرتے اور بجالاتے ہیں، شریعت نے اس عمل کو ناجائز قرار دیا اور اس بارے میں غیر قوم کی مشابہت سے منع فرمایا۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ کفارِ قریش اور زمانۂ جاہلیت کے غلط کارناموں کے ذکر میں فرماتا ہے کہ:

﴿ وَ مَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّ تَصْدِيَةً﴾ (الانفال:۳۵)

''اور ان کی نماز کعبہ کے پاس صرف یہ تھی کہ سیٹیاں بجانا اور تالیاں پیٹنا۔'' [۳۱۰]

اسی طرح صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مسلمان جب مدینہ منورہ ہجرت کر کے آئے اور جماعت سے نماز پڑھنے لگے تو وقت کا اندازہ کر کے مسجد میں حاضر ہو جایا کرتے تھے۔ اس وقت تک نماز کے لئے کوئی اعلان نہیں ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ لوگ اس سلسلے میں مشورہ کے لئے جمع ہوئے۔ کسی نے کہا نصاریٰ کی طرح ناقوس بجانا چاہیے اور کسی نے کہا یہود کی طرح بگل میں پھونک مارنا چاہئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کسی آدمی کو گلیوں میں اعلان کرنے کے لئے بھیج دینا چاہئے۔ [۳۱۱]

جماعت کے اعلان کے سلسلے میں جب یہود کے بگل اور نصاریٰ کے ناقوس کا ذکر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول نہیں فرمایا۔ صحیح بخاری کی بعض روایات میں ہے کہ آگ جلانے کا بھی مشورہ دیا گیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھی قبول نہیں فرمایا۔ [۳۱۲]

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ان مشوروں کے قبول نہ کرنے کی وجہ احادیث میں صرف یہ مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم غیر قوم کی مشابہت سے بچنا چاہتے تھے، جیسا کہ اس کی صراحت متعدد صحیح حدیثوں میں وارد ہے۔ چنانچہ سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ میں یہ صراحت موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ناقوس نصاریٰ کا عمل ہے اور بگل بجانا یہود کا فعل ہے۔ [۳۱۳] اور آگ سے متعلق بعض روایات میں یہ صراحت ہے کہ یہ مجوس کا فعل ہے۔ [۳۱۴]

مذکورہ آیت اور حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ مسجدوں اور آستانوں میں جمع ہو کر رقص وسرور کی مجلسیں منعقد کرنا، ڈھول وتاشے پیٹنا اور ساز وسارنگ پر قوالی سننا اور یہ تصور کرنا کہ اس سے اللہ کو راضی کر رہے ہیں، سراسر ناجائز اور کفار ومشرکین کی مشابہت ہے جسے اسلام کسی صورت میں جائز قرار نہیں دیتا، کیونکہ اس عمل کو قرآنِ مجید نے صراحت کے ساتھ مشرکین کا عمل قرار دیا ہے۔ [۳۱۵] بالخصوص قوّالی نام کی چیز نے مسلمانوں کو خوب گمراہ کیا ہے۔ ایک طرف ساز ہے جو بلاشبہ حرام ہے، دوسری طرف شرکیہ الفاظ وجملے ہیں۔ اور برائی بلکہ شرک کے باوجود اسے بڑے اہتمام سے سنا جاتا ہے اور اسے عبادت کا درجہ دیا جاتا ہے، بلکہ عبادات میں کوتاہی ہو جائے تو

---

(۳۰۸) مسند احمد ۶/۲۲۶۔ وصحیح ابن حبان [موارد الظمان: ۱۲۸۸] الطبرانی الکبیر [المجمع ۴/۳۰۱/عن عائشةؓ ومسند الدارمی ۳/۱۳۳ بروایت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ دیکھئے الصحیحہ: ۳۹۴ وارو الغلیل ۶/۷۸۔ مسند دارمی کے الفاظ ہیں کہ: مجھے رہبانیت کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ (۳۰۹) اقتضاء الصراط المستقیم ۱/۱۵۶۔ (۳۱۰) مشرکین جس طرح بیت اللہ کا ننگا طواف کرتے تھے اسی طرح طواف کے دوران وہ انگلیاں منہ میں ڈال کر سیٹیاں اور ہاتھوں سے تالیاں بجاتے۔ اس کو بھی وہ عبادت اور نیکی تصور کرتے تھے۔ تفسیر احسن البیان، ص ۲۳۶۔ (۳۱۱) صحیح البخاری: ۶۰۳ الاذان، باب ۱۔ وصحیح مسلم: ۳۷۷، باب ۱۔ ومسند احمد ۳/۱۴۸۔ (۳۱۲) البخاری: ۶۰۳ الاذان، باب ۱، بروایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔ (۳۱۳) سنن ابی داؤد: ۴۹۸ الصلاة باب ۲۷، بروایة بعض الانصار۔ سنن ابن ماجہ: ۷۰۷ الأذان، باب ۱، بروایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ۔ (۳۱۴) فتح الباری ۲/۸۰۔ (۳۱۵) دیکھئے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی نادر تالیف الاستقامة ۱/۲۶۶، ۳۰۷، ۳۹۴ وغیرہ۔ بلکہ یہ پوری کتاب جو جدید طبع کے مطابق تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے، اسی موضوع سے متعلق ہے۔ ہر طالب علم کے لئے اس کتاب کا مطالعہ مفید اور بہت ضروری ہے۔

ہو جائے قوّالی میں کوتاہی بھی گوارا نہیں۔

اس حکم میں وہ ساری عبادات بدعیہ داخل ہیں جنہیں جاہل مسلمانوں نے غیر قوموں کی مشابہت میں ایجاد کیا ہے' جیسے شعبان کی پندرہویں شب کی مخصوص عبادت' صلاۃ الرغائب' ستائیسویں رجب کی شب بیداری اور دن کا روزہ وغیرہ' جن کی شریعت میں تو کوئی اصل نہیں ہے' لیکن غیر قوموں سے متاثر ہو کر مسلمانوں نے ان کی مشابہت میں بعض دنوں میں بعض خاص عبادات ایجاد کر لی ہیں۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ عبادات میں مشابہت کی مذکورہ صورت حرام اور بدعت ہوگی لیکن اس پر کفر کا حکم نہ لگے گا' الّا یہ کہ کوئی شخص غیر قوم کی مشابہت کا قصد وارادہ کرے اور شریعت واحکامِ شریعت کا مقابلہ کرنے لگے تو یہی چیز کفر ہوگی اور اسلام کے منافی امور میں داخل ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص نماز پڑھنے یا روزہ رکھنے کا وہی مخصوص طریقہ اختیار کرتا ہے جو کافروں کا ہے اور اس سے اس کا مقصد ان کی مشابہت ہے تو یہ بھی اسلام کے کلیۃً منافی ہے۔

دوسری قسم:

وہ عبادات جو غیر قوم میں بھی ہیں اور شریعت محمدیہ ﷺ میں بھی' ایسی تمام عبادات میں غیر قوم کی مشابہت سے بچنے کے لئے ان میں کچھ ایسی تبدیلی کی گئی ہے جس کا مقصود ظاہر میں غیر قوم کی مخالفت ہے۔[۳۱۶] ان عبادات کی فہرست بہت طویل ہے' یہاں صرف چند مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

<u>نماز:</u> نماز ایک عبادت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ہر قوم پر فرض کیا ہے۔ شرعِ اسلامی میں بھی اسے توحید ورسالت کی شہادت کے بعد اسلام کا سب سے عظیم رکن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اہل کتاب کے یہاں بھی نماز بڑی اہمیت کی حامل تھی' لیکن انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی میں اس کے اندر کچھ تبدیلیاں کر ڈالیں اور اسے ضائع کر دیا تھا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا﴾ (مریم:۵۹)

''پھر اُن کے بعد ایسے ناخلف لوگ پیدا ہوئے کہ انہوں نے نماز کو ضائع کر دیا اور نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑ گئے' سو اُن کا نقصان اُن کے آگے آئے گا۔''

لیکن ان تمام تبدیلیوں کے بعد بھی اُن کے یہاں ایک ایسی عبادت کا تصور تھا جسے اصطلاح میں نماز (صلوٰۃ) سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اسلام جو تمام گزشتہ مذاہب کی تصحیح کے لئے آیا ہے' اس نے نماز کو اس کی صحیح حالت پر واپس لوٹایا اور بعض جزئیات میں اہل کتاب کی مخالفت کی اور بعض جزئیات میں ان سے عدم مشابہت کا حکم دیا۔ مثلاً:
جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام وادئ مقدس میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے جوتوں کو نکال دینے کا حکم دیا تھا' جیسا کہ قرآنِ مجید میں ایک سے زائد جگہ اس قصے کا ذکر ہے۔[۳۱۷] یہیں سے یہود میں یہ سنت چل پڑی کہ جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو اپنے جوتے نکال دیتے لیکن ان کی مخالفت میں اللہ کے رسول ﷺ نے یہ حکم دیا کہ:

((خَالِفُوْا الْيَهُوْدَ' فَإِنَّهُمْ لَا يُصَلُّوْنَ فِيْ نِعَالِهِمْ وَلَا خِفَافِهِمْ))[۳۱۸]

''یہود کی مخالفت کرو (تم جوتا پہن کر نماز پڑھو) کیونکہ وہ اپنے جوتوں اور (چمڑے کے) موزوں میں نماز نہیں پڑھتے۔''

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ یہود کی مخالفت کی غرض سے کبھی کبھار اپنے جوتوں میں نماز پڑھنا مستحب ہے۔[۳۱۹] اسی طرح یہود جب نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو ایک وسیع اور چوڑے کپڑے کو اپنے کندھے پر رکھ کر اس طرح اس میں لپٹ جاتے کہ جسم تو مکمل طور پر کپڑے میں لپٹا ہوتا اور نیچے کا حصہ زمین پر لٹکتا رہتا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا۔ اور فرمایا کہ اگر دو کپڑے میسر ہیں تو ان میں نماز پڑھنی چاہئے اور اگر ایک ہی کپڑا ہے اور وہ اتنا چوڑا

---

(۳۱۶) یہ حکم صرف عبادات تک محدود نہیں ہے بلکہ بہت سی ایسی عادات جن کی شرعی طور پر ایک اہمیت ہے ان میں بھی شریعت نے یہود ونصاریٰ اور غیر قوموں کی مخالفت سے روکا ہے جن میں سے بعض کا ذکر آگے آئے گا۔ (۳۱۷) سورۂ طٰہٰ میں ارشاد ہے: ﴿فَلَمَّآ اَتٰهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى، اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى﴾ (آیات ۱۱'۱۲) جب وہ [موسیٰ علیہ السلام] وہاں پہنچے تو آواز دی گئی: اے موسیٰ' یقیناً میں ہی تیرا پروردگار ہوں' تو اپنی جوتیاں اتار دے' کیونکہ تو پاک میدان طویٰ میں ہے''۔ (۳۱۸) سنن ابی داؤد: ۶۵۲ الصلاۃ' باب ۸۸۔ وصحیح ابن حبان [الموارد: ۳۵۷' ص ۱۰۷] ومستدرك الحاكم ۱/ ۲۶۰' بروایت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ۔

ہے کہ کندھے پر رکھ کر دائیں بائیں پھیر لینے سے ہاتھ آزاد رہ سکتے ہیں اور شرم گاہ بھی چھپی رہ سکتی ہے تو ایسا کرلے۔ اور اگر کپڑا تنگ ہے تو اسے تہبند بنالے اور یہود کی طرح اسے اپنے گردن نہ لپیٹے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

((اِذَا کَانَ لِاَحَدِکُمْ ثَوْبَانِ فَلْیُصَلِّ فِیْھِمَا ، فَاِنْ لَمْ یَکُنْ اِلَّا ثَوْبٌ وَاحِدٌ فَلْیَأْتَزِرْ بِهٖ وَلَا یَشْتَمِلْ اِشْتِمَالَ الْیَھُوْدِ)) (۳۲۰)

''جب تم میں سے کسی کے پاس دو کپڑے ہوں تو ان میں نماز پڑھے' اور اگر ایک ہی کپڑا ہو تو اسے ازار بنالے اور یہود کی طرح اس میں لپٹ نہ جائے۔'' (۳۲۱)

<u>روزہ:</u> روزہ بھی ان عبادات میں سے ہے جو سابقہ ساری اُمتوں پر فرض تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (البقرۃ:۱۸۳)

''اے مؤمنو! تمہارے اوپر روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا' تاکہ تم متقی بن جاؤ۔''

شرعِ اسلامی میں بھی روزے کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے' بلکہ اسلام کے ارکانِ خمسہ میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ اہلِ کتاب نے اس عبادت اور اس کے طریق کار میں بہت سی تبدیلیوں سے کام لیا تھا۔ شریعت نے اس بارے بھی ان کی اصلاح کی اور مختلف صورتوں میں اہل کتاب کی مخالفت اور ان کے ساتھ عدم مشابہت کا حکم دیا۔ مثلاً: اہل کتاب روزہ رکھتے تھے لیکن ان کے ہاں سحری کھانے کا رواج نہ تھا۔ اسی طرح اہل کتاب افطاری کے لئے ستاروں کے ظاہر ہونے تک کا انتظار کرتے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان دونوں چیزوں میں اہل کتاب کی مخالفت اور ان کے ساتھ عدم مشابہت کا حکم دیا۔ فرمایا:

((فَصْلُ مَا بَیْنَ صِیَامِنَا وَصِیَامِ اَھْلِ الْکِتَابِ اَکْلَۃُ السَّحَرِ)) (۳۲۲)

''ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں فرق کرنے والی چیز سحری کھانا ہے۔''

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں جماعتوں کی عبادت میں فرق کرنا مقصودِ شرع ہے۔ (۳۲۳)

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَایَزَالُ الدِّیْنُ ظَاھِرًا مَاعَجَّلَ النَّاسُ الْفِطْرَ' لِاَنَّ الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی یُؤَخِّرُوْنَ)) (۳۲۴)

''دین کو اُس وقت تک غلبہ رہے گا جب تک کہ لوگ روزہ افطار کرنے میں جلدی کریں گے' کیونکہ یہود و نصاریٰ تاخیر کرتے ہیں۔''

عاشوراء کا روزہ جس طرح شریعت محمدی ﷺ میں مسنون ہے اسی طرح یہود کے نزدیک بھی اس کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ اسلام نے اس روزے کی اہمیت کو برقرار رکھا اور اس کی ترغیب دی' لیکن اس میں کچھ ایسے حذف و اضافہ سے کام لیا کہ یہود کی مشابہت سے بچا جا سکے۔ چنانچہ یہود صرف ایک دن عاشوراء (دس محرم) کا روزہ رکھتے تھے' جبکہ اللہ کے رسول ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ صرف عاشوراء کا ہی نہیں بلکہ یہود کی مخالفت میں عاشوراء کے ساتھ تاسوعاء (نویں محرم) یا عاشوراء کے ایک دن بعد کا بھی روزہ رکھیں' یعنی ۹' ۱۰ یا ۱۰' ۱۱ کا روزہ۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے عاشوراء کا روزہ رکھا اور اس دن کے روزہ کا صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اس دن کی تعظیم تو یہود و نصاریٰ بھی کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''آئندہ سال زندہ رہا تو (دسویں کے ساتھ) نویں کا روزہ بھی رکھوں گا۔'' (۳۲۵)

اس حدیث کی بنیاد پر راویٔ حدیث حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ فتویٰ ہے کہ:

صُوْمُوْا یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَخَالِفُوا الْیَھُوْدَ' صُوْمُوْا یَوْمًا قَبْلَهٗ وَاَوْ یَوْمًا بَعْدَهٗ (۳۲۶)

---

(۳۲۰) سنن ابی داؤد: ۶۳۵ الصلاۃ' باب ۸۱۔ بروایت ابن عمر۔ نیز دیکھئے عون المعبود ۱/۲۳۹۔ (۳۲۱) اقتضاء الصراط المستقیم ۱/۲۵۷ وبعد۔ (۳۲۲) صحیح مسلم: ۱۰۹۶ الصیام' باب ۱۰۔ وسنن ابی داؤد: ۲۳۴۳ الصیام' باب ۱۵۔ وسنن الترمذی ۷۰۔ والصوم باب ۱۷۔ بروایت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما۔ (۳۲۴) سنن ابی داؤد: ۲۳۵۳ الصیام' باب ۲۰۔ ومسند احمد ۲/۴۵۰۔ وصحیح ابن خزیمۃ: ۲۰۶۰' ۲/۲۷۵' بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔ (۳۲۵) صحیح مسلم: ۱۱۳۴ الصیام' باب ۳۱۔ وسنن ابی داؤد: ۲۴۴۵ الصیام' باب ۶۴۔

''عاشوراء کا روزہ رکھو اور یہود کی مخالفت کرو(وہ اس طرح کہ یہود صرف عاشوراء کا روزہ رکھتے ہیں لیکن تم)اس سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد کا بھی روزہ رکھو۔'' (۳۲۷)

<u>حج:</u> ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاَذِّنْ فِيْ النَّاسِ بِالْحَجِّ......الآیۃ﴾ (الحج:۲۷)

''لوگوں میں حج کا اعلان کردو۔''

اس آیت کے موافق ندائے ابراہیمی کے جواب میں اللہ کے رسول ﷺ سے قبل بھی لوگ اس مبارک گھر کی زیارت کرتے تھے' سارے عرب کے باشندے خصوصی طور پر اس گھر کا احترام کرتے تھے اور اس کے حج کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ اسلام نے آکر نہ صرف یہ کہ اس گھر کی حرمت کو برقرار رکھا بلکہ اس کی تعظیم واحترام کو زیادہ کیا اور اُس اصل مقصد کے لئے اس گھر کو خاص کردیا جس کے لئے اس کی تعمیر ہوئی تھی۔

اور یہ بھی حقیقت ہے کہ باشندگانِ عرب اس گھر اور اس کے اردگرد جو مشاعرہ وآیاتِ بینات ہیں ان کا بھی قصد کیا کرتے تھے' منیٰ' مزدلفہ اور عرفات وغیرہ میں قیام ۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان مشاعر کی تعظیم وتقدیس کو دوبالا کیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴾ (الحج:۳۲)

''اور جو اللہ کے متعین کردہ شعائر کی تعظیم کرتا ہے تو یہ اس کے دل کی پرہیزگاری کی وجہ سے ہے۔''

لیکن اس مشابہت کے باوجود اللہ کے رسول نے ان مشاعر اور شعائر کو جوں کا توں باقی رکھتے ہوئے ان کی بعض صفات میں ایسی تبدیلی کی کہ اس سے مشرکین کی مخالفت ہوسکے۔ جیسے مشرکین عرب عرفات سے سورج ڈوبنے سے پہلے کوچ کرتے تھے اور مزدلفہ سے سورج نکلنے کے بعد' جبکہ اللہ کے رسول ﷺ نے عرفات سے سورج ڈوبنے کے بعد اور مزدلفہ سے سورج نکلنے سے پہلے کوچ فرمایا اور یہ اعلان بھی فرمادیا کہ:

''ہمارا طریقہ مشرکین کے طریقے کے خلاف ہے۔'' (۳۲۸)

مشابہت ومخالفت کا یہ موضوع بہت طویل ہے۔ یہاں صرف چند مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے جسے تفصیل درکار ہو وہ ''**اقتضاء الصراط المستقیم**''،''**التشبّه المنهی عنه فی الفقه الاسلامی**'' اور ''**السنن و الآثار فی النهی عن التشبه بالکفار**'' کا مطالعہ کرے۔

---

(۳۲۶)سنن الكبرىٰ للبيهقي ٤/ ٢٨٧۔ (۳۲۷)ان الفاظ میں یہ حدیث مرفوعاً بھی مروی ہے' جسے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ نے اپنی مسند ا/ ۲۴۱ اور امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ علیہ نے اپنی صحیح [صحیح ابن خزيمه ۲۰۹۵/ ۲۹۰] میں روایت کیا ہے' لیکن اس کی صحت علماء کے نزدیک مختلف فیہ ہے' اس لئے ہم نے حدیث موقوف پر اعتماد کیا ہے۔ (۳۲۸) یہ حدیث سنن الکبریٰ کے حوالے سے گزر چکی ہے۔

عیدوں اور تہواروں میں مشابہت

یہ موضوع بہت ہی وسیع اور اہم ہے۔اس مشابہت کی بہت سی صورتیں شرکِ اکبر اور کفر میں داخل ہیں۔اور ستم بالائے ستم یہ کہ بہت سے لوگ حتیٰ کہ بعض مدعیانِ علم دانستہ یا نادانستہ طور پر اس میں مبتلا ہیں۔اس لئے اس موضوع کو قدرے تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

عید کا معنیٰ

''عید'' مشتق ہے لفظ ''عود'' سے، جس کے معنی ہوتے ہیں ''لوٹنا''

اہلِ عرب کے نزدیک عید ہر اُس خوشی یا غمی کے وقت کو کہتے ہیں جو بار بار لوٹ کر آئے۔

بعض اہلِ لغت کا کہنا ہے کہ جس دن کوئی اجتماع کیا جائے وہ عید ہے اور بعض اہل لغت عید ہر اُس دن کو کہتے ہیں جس میں خوشیاں منائی جائیں۔ (۳۲۹)

عید شرعی اصطلاح میں

شریعت میں بھی عید تقریباً اسی معنی میں مستعمل ہے۔امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''عید'' اس دن کو کہتے ہیں جو عام اجتماع کے طور پر سال مہینے یا ہفتے میں لوٹ کر آتا ہے۔ (۳۳۰)

اس تعریف کی مزید تشریح اور وضاحت کے لئے یہ چیز ذہن نشین رہنی چاہئے کہ لغوی اور شرعی طور پر عید کے مفہوم میں تین چیزیں شامل ہیں:

۱۔ ہر وہ دن جو ہر سال، ہر مہینے یا ہر ہفتے لوٹ کر آتا ہو۔

۲۔ اس دن لوگ ایک جگہ اکھٹے ہوتے ہوں۔

۳۔ اس دن اور اس اجتماع میں کچھ مخصوص اعمال ادا کئے جاتے ہوں، خواہ وہ اَعمال عبادات کے قبیل سے ہوں یا عادات کے قبیل سے

عید کا لفظ بول کر کبھی ان تمام چیزوں کا مجموعہ مراد لیا جاتا ہے اور کبھی ان میں سے کسی ایک چیز پر بھی ''عید'' کا اطلاق ہوتا ہے۔خلاصہ یہ کہ جہاں کہیں بھی یہ امور یا ان میں سے بعض پائے گئے لغۃً وشرعاً اس پر عید کا حکم نافذ ہوگا۔ (۳۳۱)

عید کی قسمیں

عیدیں دو طرح کی ہوتی ہیں۔بعض عیدوں کا تعلق کسی متعین دن سے ہوتا ہے جسے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ''عید مکانی'' سے تعبیر کرتے ہیں اور ان دونوں عیدوں کا ذکر نصوصِ شرع میں وارد ہے۔مثلاً جمعہ کے دن سے متعلق اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِنَّ هٰذَا یَوْمُ عِیْدٍ جَعَلَهُ اللّٰهُ لِلْمُسْلِمِیْنَ)) (۳۳۲)

''بے شک یہ عید کا دن ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے قرار دیا ہے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر وہ دن جس میں جمع ہو کر کچھ مخصوص اعمال ادا کئے جائیں اسے عید سے تعبیر کیا جائے گا۔

ایک اور حدیث میں وارد ہے:

((لَاتَجْعَلُوْا بُیُوْتَكُمْ قُبُوْرًا وَلَاتَجْعَلُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا، وَصَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِیْ حَیْثُ كُنْتُمْ)) (۳۳۳)

''اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ اور میری قبر کو عید گاہ نہ بناؤ، اور میرے اوپر درود بھیجو، کیونکہ تم جہاں کہیں بھی ہوگے تمہارا درود مجھ تک پہنچے گا۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی خاص جگہ پر کسی خاص کام کے لئے قصد وارادہ کے ساتھ جمع ہونا عید کا حکم رکھتا ہے۔ (۳۳۴)

---

(۳۲۹) دیکھئے تہذیب اللغة للأزهری ۳/۱۳۱،۱۳۲۔لسان العرب، مادہ ع و د، اور المفردات للراغب مادة ع و د۔ نیز دیکھئے اس کا اردو ترجمہ ۲/۷۳۶۔(۳۳۰) اقتضاء الصراط المستقیم ۱/۴۴۲۔(۳۳۲) سنن ابن ماجه:۱۰۹۸ اقامة الصلاة، باب ماجاء فی الزینة یوم الجمعة بروایت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، صحیح الجامع:۲۲۵۸۔ (۳۳۳) سنن ابی داؤد:۲۰۴۲ المناسك، باب ۱۰۰، بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔صحیح الجامع:۷۲۲۶۔ (۳۳۴) تفصیل دیکھئے اقتضاء الصراط المستقیم ج ۱۔اس کے بعد شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے ہر ایک کی تین تین قسمیں ⇦

عیداوراس کی تعیین ایک شرعی مسئلہ ہے

عیدوں اورتہواروں سے متعلق ایک بڑی اہم بات جو ذہن نشین رہنی چاہئے وہ یہ ہے کہ اسلام میں عیدوں کا معاملہ توقیفی ہے' یعنی عیدوں کا تعلق صرف عادات سے نہیں ہے کہ اس میں اصل چیز حلت کو قرار دیا جائے' بلکہ اس کی حقیقت ایک شعیرہ کی ہے (۲۳۵) جس میں عبادات وعادات دونوں شامل ہیں۔اس لئے عیدیں خواہ زمانی ہوں یا مکانی ان کی تعیین میں شریعت کی پابندی ضروری ہے۔کسی بھی مسلمان کو خواہ کہیں کا رہنے والا ہو اور اس کی جو بھی وجوہات ہوں اسے یہ اختیار حاصل نہ ہوگا کہ وہ ایسی عیدیں ایجاد کرے جن کا ثبوت قرآن وحدیث سے نہیں ہے۔شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع کو بڑی تفصیل ودلیل سے پیش کیا ہے' جسے تفصیل درکار ہو وہ امام موصوف کی کتاب ''اقتضاء الصراط المستقیم'' یا اس کی تلخیص وترجمہ ''راہِ حق کے تقاضے'' کا مطالعہ کرے۔ہم یہاں مختصر طور پر شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر کئے ہوئے بعض دلائل کا ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا ﴾ (المائدۃ:٤٨)

''تم انسانوں میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے ایک شریعت اور ایک راہِ عمل متعین کی ہے۔''

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ ہر قوم کے ساتھ اس کی شریعت خاص ہے اور اس کے لئے اللہ کی طرف سے ایک راہِ عمل متعین ہے جس کی پیروی اس کے اوپر واجب ہے۔یہ آیت جس سیاق سے وارد ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا مقصد اہل کتاب کی شریعت ومنہاج سے اظہارِ بے زاری ہے۔اور یہ بھی واضح رہے کہ چونکہ عید بھی من جملہ شریعت اور منہاج ہے اس لئے مسلمانوں کی بھی اپنی عید ہے جو اُن کے ساتھ خاص ہے۔

۲۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے' اُس وقت اہل مدینہ کے ہاں دو دن ایسے تھے جن میں وہ کھیل کود کیا کرتے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''یہ دو دن کیا ہیں؟'' لوگوں نے کہا کہ ہم زمانۂ جاہلیت میں ان دو دنوں میں کھیل کود کیا کرتے تھے۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَبْدَلَكُمْ بِهِمَا خَيْرًا مِنْهُمَا ' يَوْمَ الْاَضْحٰى وَيَوْمَ الْفِطْرِ)) (۲۳۶)

''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ان دونوں دنوں کو اِن سے بہتر دو دنوں سے بدل دیا ہے' یعنی عید الاضحیٰ اور عید الفطر۔''

زمانۂ جاہلیت کے تہواروں کو باقی نہ رکھنا اور انہیں بدل کر دو دوسرے دن عید کے لئے متعین کرنا' یہ صاف مفہوم رکھتا ہے کہ مسلمان عیدوں کے معاملہ میں شریعت کے

← بتائی ہیں۔اہل علم اور ہر داعی کے لئے اس کا مطالعہ ضروری ہے اردو داں حضرات اسے راہِ حق کے تقاضے میں دیکھ سکتے ہیں۔راہِ حق کے تقاضے' ص۱۳۴ تا ۱۶۰۔(۲۳۵) لفظ ''شعیرہ'' اور ''شعار'' لغت وشرع کی اصطلاح میں ان اشیاء کو کہتے ہیں جو کسی قوم کا ''نشان امتیاز'' یا ''علامات فارقہ'' ہوں خصوصاً ایسی علامات جو طاعات وعبادات سے متعلق ہوں' جیسے شعائر حج وہ اعمال جو ایام حج میں ادا کئے جاتے ہیں' یعنی احرام' طواف' وقوفِ عرفہ ومزدلفہ وغیرہ۔دیکھئے تاج العروس ۳/۳۰۲۔الصحاح ۲/ ۲۹۸ وغیرہ کتب لغت۔قرآن مجید میں لفظ ''شعار'' کئی جگہ وارد ہوا ہے اور اس کا یہی مفہوم ہے۔مثال کے طور پر سورۃ المائدۃ کے شروع میں ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ ﴾ (آیت:۲) ''اے ایمان والو! شعائر الٰہی کی بے حرمتی نہ کرو''۔یہاں شعائر سے مراد مناسکِ حج' صفا ومروہ اور قربانی کے جانور وغیرہ ہیں۔(تفسیر ابن کثیر ۲/ ۸۔مفردات القرآن للراغب اردو ا/ ۵۴۱۔) تفصیل کے لئے دیکھئے: تفہیم القرآن ا/ ۴۳۸' ۴۳۹۔تدبرِ قرآن ا/ ۳۸۴۔۳۸۵۔مترافادات القرآن' ص ۸۴۹۔''شعائر'' سے متعلق جو سب سے اہم اصولی بات ہے وہ یہ کہ ''شعائر'' اللہ اور اس کے رسول کے مقرر کردہ ہیں' کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنے طور پر کسی چیز کو دین کے شعائر میں داخل کردے یا جو چیز شعائر میں داخل ہے اس کو شعائر کی فہرست سے خارج کردے۔دین میں اس قسم کے من مانے تصرف سے شرک وبدعت کی راہیں کھلتی ہیں۔جن قوموں نے اپنے جی سے شعائر قرار دیئے ہیں تاریخ گواہ ہے کہ انہوں نے اس طرح شرک وبدعت کی راہیں کھول دیں۔(تدبرِ القرآن ا/ ۳۸۵)۔پھر چونکہ عید اور تہوار بھی ''شعائر'' داخل ہیں اور یہ چیزیں قوموں کا نشانِ امتیاز سمجھی جاتی ہیں جسے شریعت نے محض لوگوں کی رائے پر نہیں چھوڑا ہے بلکہ اس کی تحدید وتعیین کی ذمہ داری اپنے پاس رکھی ہے اس لئے اگر شریعت سے ہٹ کر کوئی عید اور تہوار ایجاد کی گئی تو یہی چیز بدعت میں داخل ہوگی۔(۲۳۶) سنن ابی داؤد:١١٣٤ الصلاۃ' باب ٢٤٦۔وسنن النسائی ٣/ ١٧٩' ١٨٠ العیدین۔دیکھئے بلوغ المرام:٤٨٧' ص١٣٨' ١٣٩۔

پابند ہیں۔ان کا حکم عام عادات واخلاق کا نہیں ہے' بلکہ جس دن کو اور جس جگہ کو شریعت عید قرار دے وہ شرعی عید ہوگی اور جو دن اور جگہ شرعی طور پر عید کے لئے متعین نہ ہو وہ بدعت ہوگی۔

۳۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہمارے ہاں تشریف لائے' ہمارے پاس دو انصاری بچیاں یوم بعاث سے متعلق انصار کے کہے گئے گیت گا رہی تھیں' لیکن وہ دونوں گانے والیاں نہ تھیں (یعنی پیشہ ور گانے والیاں نہ تھیں) ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا شیطان کا گیت اللہ کے رسول ﷺ کے گھر میں؟ اور وہ موقع عید کا تھا۔اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((يَا اَبَابَكْرٍ! اِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيْدٌ وَهٰذَا عِيْدُنَا)) (۳۳۷)

''اے ابوبکر! ہر قوم کے لئے ایک عید کا دن ہوتا ہے اور یہ ہماری عید ہے۔''

صحیح بخاری کی بعض روایات کے الفاظ ہیں کہ:

''یہ ہماری عید کا دن ہے'' (۳۳۸)

اور بعض روایات میں ہے کہ:

((دَعْهُمَا يَا اَبَابَكْرٍ! فَاِنَّهَا اَيَّامُ عِيْدٍ))

''اے ابوبکر! انہیں چھوڑ دو' کیونکہ یہ عید کے دن ہیں۔''

اور یہ واقعہ ایام منیٰ کا ہے۔ (۳۳۹)

اس حدیث میں وارد الفاظ ''یہ ہماری عید ہے''، ''یہ عید کے دن ہیں'' اور ''یہ ہماری عید کا دن ہے'' سے پتہ چلتا ہے کہ عید کا دن شرع کی طرف سے ہے' اس میں لوگوں کی عادات وتقالید کا کوئی دخل نہیں ہے۔ (۳۴۰)

۴۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((يَوْمُ عَرَفَةَ وَيَوْمُ النَّحْرِ وَاَيَّامُ مِنٰى عِيْدُنَا اَهْلَ الْاِسْلَامِ وَهِيَ اَيَّامُ اَكْلٍ وَّشُرْبٍ)) (۳۴۱)

''عرفہ کا دن' قربانی کا دن اور منیٰ کے دن (۱۱' ۱۲' ۱۳ ذوالحجہ) ہم مسلمانوں کی عید ہیں اور یہ کھانے پینے کے دن ہیں۔''

آپ ﷺ کا یہ ارشاد اس بات کی دلیل ہے کہ تہوار کے معاملہ میں مسلمان دوسری قوموں سے مختلف ہیں' کیونکہ مسلمانوں کی عیدیں شریعت کی طرف سے محدود ہیں۔ (۳۴۲)

عیدوں اور تہواروں میں مشابہت کی صورتیں

اس تمہیدی بحث کے بعد اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔عیدوں اور تہواروں میں غیر قوم کی مشابہت کی متعدد صورتیں ہوسکتی ہیں۔مثلاً:

۱۔ ان کی عیدوں میں شرکت کی جائے۔

۲۔ اپنے ملکوں اور شہروں میں ان کی عیدوں اور تہواروں کو رواج دیا جائے۔

۳۔ ان کی عیدوں اور تہواروں کے مشابہ عیدیں اور تہوار اپنے ملکوں اور شہروں میں ایجاد کئے جائیں۔

۴۔ غیر شرعی عیدیں ایجاد کی جائیں۔

۵۔ زمانۂ جاہلیت کی مُردہ عیدوں کو زندہ کیا جائے۔

۶۔ مسلمان کی عیدوں کو وہ شکل وصورت دے دی جائے جو کافروں کی عیدوں کی ہوتی ہے' وغیرہ۔

---

(۳۳۷) صحيح البخاري: ۹۵۲ العيدين' باب ۳۔ وصحيح مسلم: ۸۹۲ العيدين' باب ۵۔ (۳۳۸) صحيح البخاري: ۳۹۲۱' مناقب الأنصار' باب ٤٦۔ (۳۳۹) صحيح البخاري: ۹۸۷' العيدين' باب ۲۵۔ (۳۴۰) اقتضاء الصراط المستقيم ۱/۴۳۲' ٤١٠۔ نیز دیکھئے امام ذہبی کا رسالہ تشبيه الخميس باهل الخميس۔

یہ ساری صورتیں مشابہت میں داخل ہوں گی اور حرمت وعلت کے اعتبار سے ہر ایک کا حکم ایک ہوگا' البتہ حرمت میں فرقِ مراتب کا لحاظ ضرور ہوگا۔

۱۔ کافروں کی عیدوں میں شرکت

کسی ملک یا شہر میں جہاں کافر و مسلم ساتھ رہتے ہیں خواہ وہاں مسلمان اقلیت میں ہوں یا اکثریت میں' ایسی جگہوں پر عام طور پر مسلمان کافروں کی عید میں شریک ہوتے ہیں۔ متعدد جگہوں پر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ مسلمان یہود و نصاریٰ اور ہندوؤں کی عیدوں میں شریک ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ محض دنیاوی مصلحت جیسے تجارت یا ساتھ رہنے کے لئے غیر مسلموں کی عیدوں کے موقع پر ان کی دعوت پر دوسرے شہروں یا ملکوں کا سفر بھی کرتے ہیں۔ از روئے شرع ایسا کرنا قطعاً حرام ہے اور بسا اوقات اسلام کے منافی امور میں بھی شامل ہوسکتا ہے' کیونکہ غیر قوموں کی عیدیں یا تہوار عام طور پر کسی نہ کسی باطل عقیدے یا شرکیہ کام سے مربوط ہوتے ہیں' اس لئے ایسی صورت میں ان کی عیدوں میں شریک ہونا ان کے شرکیہ امور پر رضا مندی اور کفر و شرک سے عدم براءت کی دلیل ہے جو صراحتاً اسلام کے منافی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ:

﴿وَ الَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا﴾ (الفرقان:۷۲)

''اور (رحمٰن کے بندے وہ ہیں) جو کسی باطل میں شریک نہیں ہوتے اور جب بے ہودہ چیز پر اُن کا گزر ہوتا ہے تو وہ شریفانہ طور سے گزر جاتے ہیں۔''

اس آیت میں وارد لفظ ''زُوْرٌ'' کی تفسیر متعدد مفسرین نے غیر قوموں کے تہوار سے کی ہے۔ جیسے محمد بن سیرین' مجاہد' ضحاک' عکرمہ' ابوالعالیہ' طاؤس اور ربیع بن انس وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم[۳۴۳]۔ ان علماء کی تفسیر سے پتا چلتا ہے کہ غیر قوموں کی عیدوں میں عدم شرکت شرعی تقاضا ہے۔ اس لئے آپ دیکھیں گے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد ہی سے سلف صالحین کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ غیر قوموں کی عیدوں میں شریک ہونے سے خود بچتے اور دوسروں کو منع کرتے تھے۔

چنانچہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''عجمیوں کی گفتگو نہ سیکھو اور مشرکین کے تہواروں کے دن ان کی عبادت گاہوں میں نہ جاؤ' کیونکہ ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو رہا ہوتا ہے۔''[۳۴۴]

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

''جو شخص عجمیوں (کافروں) کے علاقے میں مکان تعمیر کرے' ان کے نیروز و مہرجان (ان کی عیدوں) میں شریک ہو اور اس کا اہتمام کرے اور ان کے ساتھ مشابہت اختیار کرے اور موت آنے تک اپنے اسی کردار پر قائم رہے تو قیامت کے دن انہی لوگوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔''[۳۴۵]

خلاصۂ کلام یہ کہ غیر قوموں کی عیدوں اور تہواروں میں شرکت چونکہ ان کے اس کافرانہ عمل سے بھرپور رضا مندی کی دلیل ہے اس لئے ایسا کرنا قطعاً حرام ہے' بلکہ بعض علماء نے تو اس پر کفر کا فتویٰ دیا ہے۔ علامہ زین الدین ابن نجیم الحنفی ''البحر الرّائق فی شرح کنز الدّقائق'' میں فرماتے ہیں کہ:

وبخروجه الى نيروز المجوس موافقه معهم يفعلون في ذلك اليوم[۳۴۶]

''مجوسیوں کے نیروز میں نکلنے اور اس دن جو کچھ وہ کرتے ہیں وہ کام کرنے سے (کافر ہو جائے گا)۔''[۳۴۷]

کافروں کی عیدوں میں شرکت کی صورتیں

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آگے بڑھنے سے پہلے یہاں ایک بہت ہی اہم مسئلہ کی طرف قارئین کی توجہ دلا دی جائے جو عام طور پر لوگوں کی بے توجہی کا شکار ہے۔

جیسا کہ ابھی گزرا ہے کہ غیر قوموں کی عیدوں اور تہواروں میں شرکت جائز نہیں ہے۔ اب یہاں ایک بڑا اور اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ غیر قوموں کی عیدوں میں شرکت کی کیا کیا شکلیں ہوسکتی ہیں اور وہ کون کون سے اعمال ہیں کہ ان کے کرنے سے کافروں کے ساتھ ان کی عیدوں میں شرکت لازم آتی ہے؟ علماء نے اس کی متعدد صورتیں ذکر کی ہیں۔

---

(۳۴۳) زاد المسیر ۶/۱۰۹۔ تفسیر ابن کثیر ۳/۴۳۹۔ اقتضاء الصراط المستقیم ۱/۴۲۶'۴۲۷۔ (۳۴۴) مصنف عبدالرزاق: ۱۶۰۹'۱/۴۱۱۔ السنن الکبریٰ ۹/۲۳۹۔ ابوالشیخ [اقتضاء الصراط المستقیم ۱/۴۵۵]۔ (۳۴۵) السنن الکبریٰ للبیہقی ۹/۲۳۴۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔ اقتضاء الصراط المستقیم ۱/۴۵۷۔ (۳۴۶) البحر الرائق ۵/۱۳۳۔ (۳۴۷) نیز دیکھئے فتح الباری ۲/۴۴۲ اور مرعاۃ المفاتیح ۵/۴۴'۴۵ وغیرہ شروحات حدیث۔

۱۔ کافرانہ تہوار کی رسومات واعمال میں شریک ہوا جائے‘یعنی اس عید کے موقع پر جو رسومات کافر ادا کرتے ہیں مسلمان بھی وہی کام کرے۔جیسے ہولی کھیلنا ‘محرم میں شیعوں کی نقل میں تعزیہ بنانا اور بسنت کے موقع پر ہندوؤں اور سکھوں کی خوشی میں شریک ہوکر پتنگ اڑانا وغیرہ۔شرکت کی یہ صورتیں قطعی طور پرنا جائز اور حرام ہیں۔اور اگر یہ تہوار کسی شرکیہ اور کفریہ واقعے سے متعلق ہو یا اس سے متعلقہ اعمال کفر وشرک میں داخل ہوں اور برضا ورغبت اس میں شرکت کی جائے تو یہ اسلام کے منافی امور میں شمار ہوگا اور ایسے شخص پر اسلام سے خارج ہونے اور ارتداد کا حکم لگے گا۔

۲۔ اس تہوار یا عید کی رسومات میں تو شرکت نہ کرے البتہ اس دن کو غیر معمولی اہمیت دے۔جیسے بچوں کے لئے نئے کپڑے بنوانا‘ اچھے اچھے کھانے پکانا‘ گھر کی صفائی کا اہتمام کرنا اور اُس دن کو چھٹی کا دن قرار دینا جس میں کاروبار بند ہوں وغیرہ۔یہ صورت بھی ناجائز اور حرام ہوگی اگر ایسا صرف عادۃً اور بچوں کو خوش کرنے کے لئے کیا جائے‘ لیکن اگر یہ سب کچھ اس دن کی تعظیم میں کیا جائے تو خطرہ ہے یہ کام اسلام کے کے منافی امور میں شامل ہوگا۔چنانچہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ ؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی ایسے کام میں کافروں کی مشابہت کریں جو اُن کے تہواروں (خصوصی ایام) کے ساتھ خاص ہو‘ کھانے میں ‘نہ لباس میں‘ نہ چراغاں کرنے میں‘ نہ کاروبار اور دوسرے دنیاوی امور ترک کرنے میں اور نہ خلاف معمول کوئی کام کرنے میں۔اسی طرح اس موقع پر دعوت کرنا جائز نہ ہوگا۔اور نہ ہی تحفہ وتحائف (اس مناسبت سے) پیش کئے جائیں گے۔اسی طرح کوئی ایسی چیز نہ بیچی جائے گی جس سے ان کے عید وتہوار کی مدد ہو سکے اور نہ ہی بچوں کو اُن کے تہوار کے موقع پر کوئی ایسا کھیل کھیلنے دیا جائے گا جو کافروں کے تہوار کے موقع پر کھیلے جاتے ہیں اور نہ ہی کسی قسم کی زیب وزینت کا اظہار کیا جائے گا۔خلاصہ یہ کہ مسلمانوں کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ کافروں کے تہواروں کو کسی شعیرہ کے ساتھ خاص کریں‘ بلکہ وہ دن بھی مسلمانوں کے لئے عام دنوں کی طرح ہونا چاہئے۔(۳۴۸)

امام ذہبی ؒ نے کافروں کے تہواروں سے متعلق ایک مستقل رسالہ تالیف فرمایا ہے اور بڑے سخت انداز میں کافروں کی عیدوں اور تہواروں میں کسی بھی قسم کی شرکت سے روکا ہے۔ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

’’اے مسلمان! اللہ نے تیرے اوپر واجب کیا ہے کہ رات ودن میں سترہ بار اللہ سے دعا کر کہ تجھے صراط مستقیم پر گامزن رکھے جو اُس کے انعام یافتہ لوگوں کو راستہ ہے‘ اور جن پر اُس کا غضب نازل ہوا اور جو لوگ گمراہ ہوئے ایسے لوگوں کے راستے سے بچائے۔تو تیرے دل کو یہ کیسے اچھا لگتا ہے کہ جن کی یہ صفت ہو اور وہ جہنم کا ایندھن ہوں تو ان کی مشابہت کرے۔اگر تجھے کہا جائے کہ کسی بڑھئی یا ہیجڑے کی مشابہت کرے تو تو اس کام سے بدکے گا‘ جبکہ تو اقلف (یعنی نصاریٰ)‘ عید کے موقع پر صلیب (کراس کا نشان) کی پوجا کرنے والے کی مشابہت کررہا ہے‘ اپنے بچوں کو نئے کپڑے پہنارہا ہے‘ انہیں خوشیوں میں شریک کررہا ہے‘ ان کے لئے انڈے رنگ رہا ہے‘ خوشبو خرید رہا ہے اور اپنے دشمن کے عید کے موقع پر ایسی خوشیاں منا رہا ہے جیسے اپنے نبی کی عید پر منایا کرتا ہے۔تو سوچ کہ اگر تو نے ایسا کیا تو یہ عمل تجھے کہاں لے جائے گا؟ اگر اللہ نے معاف نہ کیا تو اللہ کے غضب اور ناراضگی کی طرف لے جائے گا۔(۳۴۹)

علامہ ادریس ترکمانی حنفی ؒ بعض ایسے اعمال کے ذکر کے بعد جن کا ارتکاب مسلمان نصاریٰ کی عید کے موقع پر کرتے ہیں‘ فرماتے ہیں:

’’بعض علماء احناف کا کہنا ہے کہ جس نے یہ سب کچھ کیا اور بغیر توبہ کے مرگیا وہ انہی کی طرح کافر ہے۔اور بعض مالکیہ کا کہنا ہے کہ جس نے نیروز کے احترام میں تربوز کاٹا تو گویا اس نے سور کو ذبح کیا۔‘‘ (۳۵۰)

علامہ ابن نجیم ؒ فرماتے ہیں کہ جس نے کافروں کے تہوار نیروز کے دن کوئی ایسی چیز خریدی جسے پہلے نہیں خریدا کرتا تھا(۳۵۱) اگر اس کا مقصد اس دن کی تعظیم واحترام ہے تو وہ کافر ہوگیا‘ اور اگر یہ نہ جانتا تھا کہ یہ نیروز کا دن ہے‘ بلکہ اتفاقاً ایسا ہوگیا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔‘‘ (۳۵۲)

---

(۳۴۸)مجموع فتاویٰ ۲۵/۳۲۹۔ (۳۴۹) دیکھئے امام ذہبی کا رسالہ: تشبیہ الخسیس باھل الخمیس [مجلة الحكمة‘ ص ۱۷۹‘عدد رابع ۱۴۱۵ھ]۔(۳۵۰)اللمع فی الحوادث ۲۹۴/۱ نقلا عن مجلة البيان ۱٤٤۔(۳۵۱)یعنی یہ چیز اس دن کی مناسبت سے خریدی گئی ہے۔اگر یہ موقع نہ ہوتا تو یہ چیز نہ خریدی جاتی۔(۳۵۲)البحر الرائق ۵/۱۳۳۔نیز دیکھئے شرح الفقه الأكبر لمُلاعلی قاری ص ۲۸۲ ‘اور الفتاوی البزازیه ۳ /۳۳۳۔

ان کے میلوں میں شریک ہونا: کافروں کے تہواروں کے موقع پر اُن کے جو اجتماعات ہوتے ہیں یا میلہ لگتا ہے اس میں شریک ہونا جائز نہیں۔ پھر اگر وہ تہوار کسی شرکیہ اور کفریہ واقعے سے متعلق ہو اور اس میں حاضری احترام اور پسندیدگی کے ساتھ ہو تو یہ کفر ہوگا ورنہ فسق ہوگا۔ کافروں کے تہواروں میں حاضری کی حرمت پر علماء کا اتفاق ہے۔ (۳۵۳)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کئی پہلوؤں سے ان اجتماعات میں شرکت کی حرمت پر دلائل پیش کئے ہیں۔ ان میں سے بعض دلائل زیرِ نظر ہیں:

ا: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور علماء کا اجماع امام موصوف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''یہود و مجوس جزیہ دے کر مسلمانوں کے شہر میں رہتے تھے اور اپنا تہوار بھی مناتے تھے اور بہت سے دلوں میں اس قسم کے کاموں سے متعلق پسندیدگی کا جذبہ موجود تھا جنہیں غیر قومیں اپنے میلوں میں کرتی ہیں' لیکن ابتدائی زمانے کے مسلمانوں میں سے کسی کے بارے میں یہ ثابت نہیں کہ ان میں سے کسی نے بھی کافروں کی عیدوں میں ان کی مشابہت کی ہو۔'' (۳۵۴)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

''پھر جس کو سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ بھی لگاؤ ہو وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مسلمان کافروں کی کسی عید میں شریک نہ ہوتے تھے اور نہ ہی اپنے معمولات میں کچھ تبدیلیاں لاتے تھے...... تو اگر مسلمانوں کو اُن کے دین نے جسے انہوں نے اپنے نبی سے پایا تھا' اس کام سے منع نہ کیا ہوتا تو کسی نہ کسی شکل میں شرکت ضرور پائی جاتی۔'' (۳۵۵)

ب: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نصاریٰ سے جن شرطوں پر صلح کی تھی اور اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ سے اتفاق کیا اور بعد کے فقہاء نے بلا اختلاف اسے قبول کیا' ان شرائط میں یہ بھی تھا کہ وہ اپنی عیدوں اور تہواروں کا اظہار نہ کریں گے۔

اب یہاں قابلِ غور بات یہ ہے کہ جس چیز کے منع کرنے پر مسلمان متفق ہوں تو اس میں شرکت کس طرح جائز ہو سکتی ہے؟ (۳۵۶)

ج: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صراحت کے ساتھ کافروں کے تہواروں اور عیدوں میں حاضری سے منع فرما دیا تھا۔ چنانچہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے صحیح سند کے ساتھ عطاء بن دینار سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''عجمیوں کی گفتگو نہ سیکھو اور مشرکوں کے تہواروں کے دن اُن کی عبادت گاہوں میں نہ جاؤ' کیونکہ ان پر اللہ کا غضب ہوتا ہے۔'' (۳۵۷)

اور ابان کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کے دشمنوں کے تہواروں کے دن ان سے بچو۔ (۳۵۸)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور شاگرد امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہر وہ مسلمان جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو غیر قوموں کی عیدوں میں حاضری سے روکے اور اسے اُس انجان اور جھگڑالو آدمی جیسا نہیں ہونا چاہئے کہ جب اسے کسی کام سے روکا جاتا ہے تو کہتا ہے کہ ''ہمیں اس سے کیا لینا دینا ہے'' اور بہت سے بدکردار اور گمراہ لوگوں کو شیطان نے یہاں تک بہکا دیا ہے کہ وہ اللہ کے دشمنوں اور بدکرداروں کے تہواروں کا میلہ دیکھنے کے لئے ایک شہر سے دوسرے شہر کا سفر کرتے ہیں اور اس طرح ان کی تعداد میں اضافہ کرتے ہیں' جبکہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ:

((مَنْ كَثَّرَ سَوَادَ قَوْمٍ حُشِرَ مَعَهُمْ)) (۳۵۹)

''جو کسی قوم کی تعداد میں اضافہ کرے گا قیامت کے دن اسے انہی لوگوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔''

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ۘؔ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى

---

(۳۵۳) التشبه المنهي عنه 'ص ۵۳۳۔ (۳۵۴) اقتضاء الصراط المستقيم ۱/۴۴۹۔ (۳۵۵) اقتضاء الصراط المستقيم ۱/۴۵۴۔ (۳۵۶) نفس المصدر۔ (۳۵۷) السنن الكبرىٰ للبيهقي ۹/۲۳۴۔ اقتضاء الصراط المستقيم ۱/۴۵۷۔ (۳۵۹) مسند ابويعلىٰ [فتح الباري ۱۳/۳۷' ۳۸] مسند الفردوس: ۵۶۲۱ بروایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ البتہ اس کی سند ضعیف ہے' دیکھئے تعلق المطالب العاليه ۲/۴۲۔

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (المائدۃ:۵۱)

''اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ' یہ تو آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں' تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے وہ بے شک انہی میں سے ہے۔ ظالموں کو اللہ تعالیٰ ہرگز راہِ راست نہیں دکھاتا۔''

علماء کا کہنا ہے کہ کفار کے ساتھ مشابہت اور ان کی عیدوں میں حاضری ان سے محبت میں داخل ہے' جبکہ مسلمانوں کے ملک میں کافروں کو اپنی عید کھلے عام منانے کی اجازت نہیں۔ پھر اگر مسلمان ان کے تہواروں میں شریک ہو رہا ہو تو اس کا مطلب ہے کہ وہ ان کے عیدوں کے اعلان میں ان کی مدد کر رہا ہے۔ ایسا کرنا دین اسلام میں بدعت کے ایجاد کے مترادف ہے اور بڑا ہی ناپسندیدہ کام ہے۔ اور ایسا صرف وہی شخص کر سکتا جو بڑا ہی بد دین اور ناقص الایمان ہوگا اور اللہ کے رسول ﷺ کی اس وعید میں داخل ہوگا:

((مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ)) (۳۶۰)

''جو کسی قوم کی مشابہت کرے وہ انہی میں سے ہے۔'' (۳۶۱)

البتہ اگر میلوں کے موقع پر بازار لگتے ہوں اور وہاں کسی منکر کا اعلان واظہار نہ ہوتا ہو تو اس بازار سے چیز خریدی جاسکتی ہیں۔ (۳۶۲) البتہ ان کے میلے میں اپنی دکان نہیں سجائی جاسکتی' کیونکہ یہ برائی کے تعاون کی شکل ہوگی۔

۴۔ جو چیزیں خصوصی طور پر اُن کے تہواروں میں استعمال ہوتی ہیں ان کا بیچنا بھی ان کے تہواروں میں شرکت کی ایک شکل ہے' کیونکہ ان کے عام تہوار کفر اور نافرمانی کے کاموں پر مشتمل ہوتے ہیں اس لئے کسی بھی طرح ان کی مدد کرنا اس حکم الٰہی کے خلاف ہے کہ:

﴿وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ۪ وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ (المائدۃ:۲)

''نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے سے تعاون کرتے رہو اور گناہ وظلم و زیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔''

یہ شریعت کا ایک ایسا اہم قاعدہ ہے جو ہر قدم پر مسلمانوں کی رہنمائی کرتا ہے کہ ہر ایسا کام جو اللہ کی نافرمانی کا ہو' اُس میں کسی بھی قسم کی مدد نہ کی جائے گی۔

اس بنیادی قاعدہ کے پیش نظر علماءِ اسلام کا اجماع نقل کیا گیا ہے کہ غیر قوموں کے تہواروں میں ان کی کسی بھی قسم کی مدد نہ کی جائے گی۔ چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ کے مشہور شاگرد امام عبدالرحمٰن بن قاسم مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''نصاریٰ کے تہوار کے مفاد میں جو چیز بھی ہو اُس کا بیچنا کسی مسلمان کے لئے جائز نہ ہوگا' نہ ہی گوشت' نہ سالن' نہ کپڑا اور نہ ہی جانور انہیں عاریتاً دیا جائے گا اور نہ ہی تہوار کے موقع پر کسی اور چیز سے ان کی مدد کی جائے گی' کیونکہ اس سے ان کے کفر کی تعظیم اور اعمال کفر پر ان کی مدد ہے۔ بادشاہوں کو چاہئے کہ اس سے مسلمانوں کو روکیں' امام مالک رحمہ اللہ کا یہی قول ہے اور میں نہیں جانتا کہ اس میں کسی کا اختلاف ہو۔'' (۳۶۳)

اسی طرح اگر کوئی مسلمان غیر قوموں کی عیدوں میں ان کی مشابہت کرتا ہے تو اس کا بھی یہی حکم ہے' یعنی کسی ایسی چیز سے ان کی مدد نہ کی جائے گی جس سے وہ عیدیں غیر قوم کی مشابہت کریں' لہٰذا ان کے تہوار کے موقع پر اگر کوئی مسلمان خلافِ معمول دعوت کا اہتمام کرتا ہے تو اس کی دعوت قبول نہ کی جائے گی اور نہ ہی ہدایا و تحائف قبول کئے جائیں گے' خصوصاً اس قسم کا ہدیہ جس سے مشابہت میں مدد لی جاسکتی ہو' جیسے میلادِ مسیح (کرسمس) کے موقع پر موم بتی وغیرہ کا ہدیہ یا ذلیل جمعرات (۳۶۴) کے موقع پر انڈا' دودھ اور بکری وغیرہ کا ہدیہ...... اسی طرح کسی مسلمان کو کافروں کے تہوار کے موقع پر کوئی ہدیہ نہیں دیا جائے گا خصوصاً جبکہ اس سے کافروں کی مشابہت اختیار کرنے میں مدد ملتی ہو' کیونکہ اس میں برائی میں مدد پائی جا رہی ہے جو کہ ممنوع ہے۔ (۳۶۵)

---

(۳۶۰) اس کی تخریج گزر چکی ہے۔ (۳۶۱) نیز دیکھئے تشبیہ الضسیس بأهل الخمیس [مجلۃ الحکمۃ العدد الرابع]۔ (۳۶۲) تفصیل کے لئے دیکھئے اقتضاء الصراط المستقیم ۵۱۸/۱' ۵۱۹۔ (۳۶۳) اقتضاء الصراط المستقیم ۵۲۷/۲۔ (۳۶۴) عیسائیوں کی بہت مشہور عیدوں میں سے ایک ''عید خمیس مبارک'' بھی ہے جسے امام ذہبی رحمہ اللہ نے ''خمیس خسیس'' یعنی ذلیل جمعرات کا نام دیا ہے۔ (۳۶۵) دیکھئے الاقتضاء ۵۲۱/۲ اور اس کا تلخیص وترجمہ' ص ۱۱۷۔

۵۔ غیر مسلموں کی عیدوں میں شرکت کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ انہیں مبارک باد پیش کی جائے یا ان کی زیارت کو جایا جائے اور انہیں تحفہ تحائف پیش کئے جائیں کافروں کی عیدوں پر انہیں مبارک باد پیش کرنا متفقہ طور پر حرام ہے۔ امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شعائر کفر سے متعلقہ کاموں پر مبارک باد دینا باتفاقِ علماء حرام ہے۔ اگر یوں کہا جائے کہ ''عید مبارک''، یعنی ''یہ عید تمہارے لئے خوش آئند ہو'' وغیرہ جیسے کلمات تو ایسا کہنے والا اگر کافر نہیں ہوجاتا تو حرام کا مرتکب ضرور ہوتا ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے انہیں صلیب (یعنی کراس نشان) کو سجدہ کرنے پر مبارک باد دی جائے بلکہ یہ تو کسی شراب پینے، قتل کرنے اور زنا کرنے پر مبارک باد دینے سے بھی برا ہے۔ (۳۶۶) اور بہت سے وہ لوگ جنہیں دین کی قدر معلوم نہیں ہے، وہ اس کام میں ملوث ہوجاتے ہیں اور وہ یہ نہیں جانتے کہ کتنے بڑے گناہ کا ارتکاب ہو رہا ہے۔ چنانچہ جو شخص کسی کو گناہ یا بدعت یا کفر پر مبارک باد دیتا ہے تو وہ اللہ کے غضب کو دعوت دے رہا ہے۔ (۳۶۷)

علامہ ادریس ابن ترکمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ان کے ساتھ عید کے موقع پر بیٹھنے، ذبیحہ پیش کرنے، کھانا پکانے میں ان کی مدد اور تہوار وغیرہ کے موقع پر سواری کے لئے جانور برائے استعمال دینے والا انسان گناہ گار ہوگا۔ (۳۶۸)

امام ابو حفص حنفی لکھتے ہیں کہ اگر کوئی کسی مشرک کو کسی دن کی تعظیم میں تحفہ دیتا ہے تو یہ کفر ہے، (۳۶۹) کیونکہ ایسا کرنا ان کے کفر و شرک پر رضامندی کی دلیل ہے۔ اور کفر و شرک پر رضامندی قطعی طور پر حرام بلکہ اسلام کے کلیۃً منافی ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ﴾ (الزمر:۷)

''وہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند نہیں فرماتا۔'' (۳۷۰)

اسی طرح علمائے احناف فرماتے ہیں کہ نیروز کے دن اگر کوئی شخص ایسی چیز خریدتا ہے جو دوسرے دنوں میں نہیں خریدتا اور اس سے اس کا مقصد اس دن کی تعظیم ہو تو وہ شخص کافر ہوگیا۔ (۳۷۱)

۶۔ کافروں کی عیدوں کو اپنے شہروں میں رواج دینا

غیر قوموں کی عیدوں سے مشابہت کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ ان خاص عیدوں اور تہواروں (۳۷۲) کو مسلم ملکوں اور شہروں میں رواج دیا جائے، ان کا اہتمام کیا جائے، اس دن کاروبار بند کئے جائیں اور سرکاری دفاتر میں عام چھٹی کا اعلان کیا جائے۔ (۳۷۳) یہ چیز بھی غیر قوم کی مشابہت میں داخل ہے اور اس کا حکم گناہِ کبیرہ اور کفر کے

---

(۳۶۶) علمائے احناف کے نزدیک یہ کفر ہے دیکھئے البحر الرائق ۱۳۳/۵، وشرح الفقه الاکبر۔ (۳۶۷) احکام اهل الذمه ۲۰۴/۱، ۲۰۵۔ (۳۶۸) اللمح فی الحوادث (مجله البیان، عدد ۱۴۴، موافق شعبان ۱۴۲۱]۔ (۳۶۹) فتح الباری ۵۱۳/۲۔ (۳۷۰) تفصیل کے لئے دیکھئے مجموع الفتاویٰ الشیخ ابن عثیمین ۴۵/۳، ۴۶)۔ (۳۷۱) البحر الرائق ۱۳۳/۵۔ رسالة الفاظ الکفر ۴۳، ۴۵۔ (۳۷۲) جیسے کرسمس، نیا سال وغیرہ اور اس حکم میں میلاد مسیح کے دو ہزار سال کے نام پر منائی جانے والی تقریب بھی ہے، جسے ماضی قریب میں تمام مسلم و کافر حکومتوں نے بڑے دھوم دھام سے منایا ہے، حالانکہ یہ خالص مسیحی تقریب ہے جس میں شرکت جائز نہیں۔ بسنت کا میلہ بھی اسی حکم ہیں داخل ہے۔ بلکہ یک شنبہ (اتوار) کو ہفتہ وار چھٹی کے لئے خاص کرنا بھی اسی حکم میں داخل ہے۔ (۳۷۳) اسی حکم میں وہ سارے مذہبی اور سماجی اجتماعات بھی داخل ہیں جو اصل میں کافروں کی کسی دینی تاریخ سے منسلک ہیں لیکن دور جدید میں ان کی کیفیت صرف عام اجتماعات کی رہ گئی ہے، مثال کے طور پر ''اولمپک کھیل''، جو عصر حاضر میں کھیلوں کی ایک عالمی تنظیم سے مرتبط ہے، حالانکہ تاریخی طور پر اس کا تعلق مذہب اور دینی شعیرہ سے ہے۔ چنانچہ مشہور عربی انسائیکلوپیڈیا ''دائرۃ المعارف'' کا مولف المعلم بطرس بستانی لکھتا ہے کہ وکان وضع هذه الألعاب اولا لأغراض دينية [دائرة المعارف الاسلامية ۶۸۵/۴] ''ابتداء میں ان کھیلوں کی ایجاد دینی مقاصد کے تحت تھی''۔ اس لئے شرعی نقطہ نظر سے ایسے اجتماعات کا انعقاد کرنا، ان کا اہتمام اور اس میں شرکت جائز نہ ہوگی، جس کی وجہ دو ہیں:

اولاً: اس کھیل کی اصل بنیاد بت پرستی کی ہے اور اہل یونان کے نزدیک یہ ایک اہم عید مانی جاتی تھی۔ وہیں سے رومیوں اور نصرانیوں نے اسے لیا ہے۔

ثانیاً: یہ اپنے اس پرانے نام سے موسوم ہے جس نام سے اس کی ابتداء ہوئی تھی اور اس نام کا بقاہی اس کے غیر شرعی اور ناجائز ہونے کے لئے کافی ہے، جیسا کہ سنن ابی داؤد وغیرہ میں بسند صحیح مروی ہے کہ ایک شخص نے نذر مانی کہ ''بوانہ'' نامی جگہ پر کچھ اونٹ ذبح کرے گا، اجازت کے لئے خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوا اور اپنی نذر کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ اس مقام پر زمانۂ جاہلیت میں کسی بت کی پوجا ہوتی تھی؟ اس نے جواب دیا نہیں، آپ نے پھر سوال کیا کہ کیا اس مقام پر کوئی عید منائی جاتی تھی [وہاں میلہ لگتا تھا] لوگوں نے جواب دیا نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی نذر پوری کرو۔ (سنن ابی ⇦

مابین ہے۔امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کافروں کی عیدوں پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''غیر اسلامی امور میں ان کی مشابہت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ یہ جانتے ہوئے کہ یہ عمل ان کے دین کے خصوصیات میں سے ہے' اسے محض ان کی موافقت میں یا کسی خواہش کی وجہ سے یا کسی اُمید کی بنا پر اسے دنیا و آخرت میں مفید سمجھ کر انجام دے تو ان تمام صورتوں میں اس پر عمل کی حرمت میں کوئی شبہ نہیں ہے۔البتہ کبھی کبھار یہ حرمت کفر کی حد تک پہنچ جائے گی۔اس اعتبار کا شرعی دلیل کی بنیاد پر ہوگا۔

۲۔ یہ معلوم نہ ہو کہ یہ عمل کفار کے کاموں میں سے ہے۔اس کی دو شکلیں ہیں:

(ا: یہ عمل کافروں سے ماخوذ ہو' خواہ بعینہٖ اس موجودہ شکل میں جس شکل میں کفار کے یہاں موجود تھا' یا جگہ' وقت اور طریقۂ عمل میں کچھ تبدیلی کے ساتھ۔عام لوگ زیادہ تر اس قسم میں مبتلا ہوتے ہیں' جیسا کہ عید میلادِ مسیح (کرسمس) اور رذیل جمعرات وغیرہ کے موقع پر جو کچھ کرتے ہیں' کیونکہ ان تہواروں کی نشوونما ہی اس عادت پر ہوئی ہے اور آباء واجداد سے اسے لیا گیا ہے' حالانکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے کہ اس کی ابتداء کہاں سے ہوئی ہے۔ [۳۷۴] ایسے شخص کو اس کام کا حکم بتلایا جائے گا' اگر باز آجائے تو ٹھیک ورنہ اس کا حکم بھی پہلی قسم کا ہوگا۔

ب: دوسری صورت یہ ہے کہ وہ عمل ان سے ماخوذ تو نہ ہو لیکن وہ بھی اس پر عامل ہو۔اس سے کفار کی مشابہت تو لازم نہیں آتی لیکن ان کی مخالفت کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔اس کے مکروہ اور حرام ہونے کا حکم دلائل پر منحصر ہوگا۔'' [۳۷۵]

۳۔کافروں کی عیدوں سے مشابہ عیدیں ایجاد کرنا

یعنی کافروں کی عیدوں کو تو زندہ نہ کیا جائے البتہ انہی کے مشابہ عیدیں اپنے ملکوں اور شہروں میں ایجاد کی جائیں' جیسے عید میلادِ مسیح اور کنہیا جنم کی مشابہت میں عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایجاد' رام لیلا کی مشابہت میں تعزیہ محرم کا اہتمام' دیوالی کی مشابہت میں شب براءت کی ایجاد وغیرہ۔حتیٰ کہ سال کا شاید ہی کوئی مہینہ ایسا ہو جس میں ہمارے پڑوس میں رہنے والوں کی مشابہت میں کوئی عید نہ ایجاد کی گئی ہو۔

اس حکم میں وہ تمام سیاسی اجتماعات بھی داخل ہیں جنہیں اس طرح اہمیت دی جاتی ہے جس طرح عید کو دی جاتی ہے' بلکہ یوں کہا جائے کہ ان اجتماعات نے عیدوں والی مکمل شکل اختیار کر لی ہے تو بے جا نہ ہوگا' جیسے یومِ آزادی' یومِ جمہوریت' یوم فلاں' عید مادر' عید محبوب وغیرہ۔ایسے تمام اجتماعات اور میلوں کا حکم عید کا سا ہے۔اِن کا اہتمام کرنا بدعت اور شریعت کے خلاف ہے۔ [۳۷۶]

داؤد:۳۳۱۳الایمان والنذور'الطبرانی الکبیر:۱۳۴۱'۳/۷۵'۷۶ بروایت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ) شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے (اقتضاء الصراط المستقیم ۱/۴۳۷'بلوغ المرام:۱۳۷۸'۲/۱۸۵) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی خاص جگہ کا ماضی میں کسی غیر شرعی رسوم جیسے میلا د وغیرہ سے مرتبط ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہاں کوئی شرعی کام نہ کیا جائے' حالانکہ جس وقت سائل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا وہاں پر کوئی ایسی چیز موجود نہ تھی' تو جب جگہ سے مرتبط ہونے کی بنیاد پر کوئی چیز حرام اور ممنوع ہو سکتی ہے تو اپنے پرانے نام اور شعار سے مرتبط ہونے کی وجہ سے بدرجہ اولیٰ ممنوع قرار پائے گی۔اور یہ اولمپک کھیل تو ہر طرح سے اپنی پرانی شکل میں موجود ہے' مثلاً افتتاحی تقریب میں آگ کا شعلہ لے کر دوڑنا' ہر چار سال کے بعد پانچویں سال اس کا اہتمام کیا جانا اور اپنے پرانے نام پر باقی رہنا۔(واللہ اعلم' دیکھئے مجلة البیان عدد ۱۴۴'الموافق ۱۴۲۱ھ' ص ۲۶'۲۷)۔ (۳۷۴) جس طرح ہمارے ملکوں میں بسنت وغیرہ کے تہوار بڑی دھوم دھام سے منائے جاتے ہیں اور بدقسمتی سے ہمارے ملکوں کی نام نہاد اسلامی حکومتیں بھی ان کی سرپرستی کرتی ہیں' جبکہ بسنت کا تہوار اس گستاخ رسول کی یاد میں منایا جاتا ہے جسے اسلامی حکومت نے قتل کر دیا تھا۔اس کا زندہ کرنا' اس میں کسی طرح کی مدد کرنا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان میں ملعون ہے۔بدقسمتی سے عوام یہ نہیں جانتے کہ اس کی اصل کیا ہے اور یہ کہاں سے ماخوذ ہے' صرف اپنے بڑوں اور بزرگوں کی تقلید میں اس پر عمل پیرا ہیں۔(۳۷۵) تفصیل کے لئے دیکھئے اقتضاء الصراط المستقیم ۱/۴۹۲'۴۹۲ اور اس کا ترجمہ وتلخیص' ص ۱۱۴۔(۳۷۶) یہاں ہمارے بعض بھائیوں کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ یوم آزادی' یوم اقبال' گاندھی جینتی' قائد اعظم ڈے وغیرہ دنوں میں خوشیاں منانے اور ان ایام میں بزرگوں کی یاد کو تازہ کرنے سے وطن اور ان بزرگوں کی محبت تازہ ہوتی ہے اور ان ایام کی تعیین' اس میں خوشیاں منانا اور کچھ کھیل کود کرنا یا ان بزرگوں کے کارناموں کا ذکر کرنا مجرد عادات میں ہے' اس میں عبادات یا تعبد کا کوئی دخل نہیں ہے کہ اسے بدعت قرار دیا جائے۔اور چونکہ عادات میں اصل حلت ہے اس لئے ایسے دنوں کا اہتمام کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔یہ ہیں وہ دلائل جو ہمارے بعض بھائی جن میں بعض سرکردہ حضرات بھی شامل ہیں' پیش کرتے ہیں' لیکن پچھلے صفحات پر لغت واصلاح سے عید کی تعریف جان ←

۴۔غیر شرعی عیدیں ایجاد کرنا

عیدوں اور تہواروں میں کافروں کی مشابہت کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ ایسی عیدیں ایجاد کی جائیں جن کا ثبوت شریعت میں نہیں ہے۔اس میں بظاہر کافروں کی مشابہت تو نہیں پائی جاتی لیکن چونکہ ایسا کرنا دین میں ایک اضافہ ہے اس بدعت ہوگا۔اور دین میں بدعت کا ایجاد کرنا چونکہ اہل کتاب اور دیگر قوموں کی مشابہت ہے اس لئے یہ بھی ممنوع ہوگی۔چنانچہ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''اس حکم میں وہ تمام عیدیں اور نئے ایجاد شدہ تہوار داخل ہیں' کیونکہ وہ سب منکر اور مکروہ ہیں' خواہ وہ کراہت تحریمی ہو یا غیر تحریمی' اس لئے کہ اہل کتاب اور عجمیوں کی عیدوں سے مسلمانوں کو دو سبب سے روکا گیا ہے۔اوّل یہ کہ اس میں کافروں کی مشابہت پائی جاتی ہے۔دوم یہ کہ وہ بدعت میں داخل ہیں۔اس لئے ہر وہ میلے اور عیدیں جو نو ایجاد شدہ ہیں وہ شریعت کی نظر میں ناپسندیدہ ہیں خواہ ان میں کافروں کی مشابہت ہو یا نہ ہو۔اس لئے اگر ان تقریبات اور تہواروں میں اہل کتاب کی مشابہت نہ بھی پائی جائے تب بھی اس کی ممانعت کے دو سبب پائے جاتے ہیں:

۱۔ یہ کہ اس پر بدعت کی تعریف صادق آتی ہے۔

۲۔ یہ کہ اس سے دین میں ایسی بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں کہ اسے عام لوگ نہیں سمجھ نہیں سکتے۔

امام موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں اسباب کی توضیح تقریباً چھبیس صفحات میں کی ہے۔ہر طالب علم کے لئے اس کا مطالعہ ضروری ہے۔ (۳۷۷)

لینے کے بعد اس اعتراض کا کوئی وزن باقی نہیں رہتا۔البتہ مزید وضاحت کے لئے کچھ تفصیل سامنے رکھی جاتی ہے۔

۱) یہ مسئلہ گزر چکا ہے کہ اسلام میں ''عید'' کو ''عاداتِ محضہ'' کی قسم میں داخل کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ اس کے اندر عادات وعبادات دونوں پہلو شامل ہیں اور عید شعائر دینیہ میں سے ایک شعیرہ ہے جس کی تعیین کے لئے شرعی دلیل کی ضرورت ہے۔

۲) عرف ولغت میں جس چیز کو عید کہا جاتا ہے وہ ان ایام پر صادق آتا ہے جیسا کہ عید کی تعریف میں گزر چکا ہے۔

۳) جس دن کی اہمیت شرعی طور پر ثابت نہ ہو اسے اہمیت دینا' اس دن عام چھٹی کرنا' ایک مقام پر جمع ہو کر خوشیاں منانا اور قوم کروڑوں کا مال پانی کی طرح بہا دینا یہ ایسے امور ہیں جن کی شریعت میں قطعاً اجازت نہیں ہے۔بلکہ کسی ایسے دن کو جسے شریعت نے کوئی اہمیت نہیں دی ہے اسے کسی قوم کے شعیرہ اور علاماتِ فارقہ اور امتیازی پہچان کی حیثیت دے دینا بدعت قبیحہ ہے۔مجددِ وقت شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کو بڑی تفصیل سے واضح کیا ہے' جس کا خلاصہ یہ ہے:

''ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ لفظ عید [تہوار] کا اطلاق جگہ' وقت اور اجتماع ہر ایک کے لئے ہوتا ہے اور ان میں سے ہر ایک میں بہت سی بدعتوں کا رواج ہوا ہے۔

زمانی بدعتوں کی تین قسمیں ہیں' جن میں بعض مکانی وفعلی بدعتیں بھی شامل ہوگئی ہیں۔

پہلی قسم: ایسا دن جس کی تعظیم شریعت سے ثابت نہ ہو نہ سلف نے اس کا ذکر کیا ہو نہ اس کی تعظیم کا کوئی موجب ہو جیسے ماہِ رجب کا پہلا پنج شنبہ اور اس کے بعد جمعہ کی رات جسے رغائب کے نام سے موصوف کیا جاتا ہے اس دن اور رات کی تعظیم کا سلسلہ چوتھی صدی ہجری کے بعد شروع ہوا ہے۔الخ

دوسری قسم: ایسا دن جس میں کسی غیر معمولی واقعہ کا ظہور تو ہوا ہو لیکن اس کی مناسبت سے اس دن کو تقریب کی حیثیت دینا لازم نہ ہو اور نہ سلف نے اس کی تعظیم کی ہو۔نبی ﷺ کے زمانے میں متعدد واقعات پیش آئے' مثلاً بدر' خندق' فتح مکہ' ہجرت کا واقعہ اور مدینہ میں داخلہ۔لیکن ہمیں کسی بھی دن اور موقع کو تہوار بنانے کا حکم نہیں دیا گیا۔اس طرح کے دنوں کو تہوار بنانا دراصل یہود ونصاریٰ کی عادت ہے لیکن اسلام میں ایک شرعی حکم ہے۔جس دن کے بارے میں اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ کا حکم ہوگا اسی کو تہوار بنایا جائے گا' دوسرے کو نہیں۔نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یوم پیدائش مناتے ہیں' ان کی تقلید میں نبی ﷺ کی محبت وتعظیم کے خیال سے مسلمان بھی یوم ولادت نبوی ﷺ کو تہوار کا درجہ دیتے ہیں۔نبی ﷺ کی محبت بلاشبہ دین میں مطلوب اور باعثِ اجر ہے لیکن یوم ولادت کو تہوار بنانا بدعت ہے

تیسری قسم: ایسے امور جن کی شریعت میں عظمت ہے مثلاً عاشوراء کا دن' عرفہ کا دن' عیدین کے دن' رمضان کے آخری دس دن' ذی الحجہ کے پہلے دس دن اور دوسرے وہ تمام دن جن کی فضیلت ثابت ہے ان دنوں ایسے اعمال ایجاد کر لئے جاتے ہیں جن کو فضیلت سمجھا جاتا ہے' حالانکہ وہ منکر وممنوع ہوتے ہیں' مثلاً عاشوراء کے دن جلوس نکالنا اور اسے خصوصی اہتمام سے منانا۔دیکھئے راہِ حق کے تقاضے' ص ۱۲۲ سے ۱۴۰ تک۔(۳۷۷) اقتضاء الصراط المستقیم ۲/ ۵۸۱ اور اس کے بعد۔

۵۔مُردہ عیدوں کو زندہ کرنا

اسلام لانے کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کفر اور کفر کے ہر کام سے باہر نکل آئے۔اور جہاں کہیں بھی لوگ برضا ورغبت مسلمان ہوئے ہیں انہیں صحیح راہنمائی ملی ہے انہوں نے ہر قسم کے کفریہ کاموں سے لاتعلقی اختیار کی ہے۔کفریہ کاموں میں عید اور تہوار بھی شامل ہیں۔چنانچہ مختلف احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اہل جاہلیت مختلف تہوار منایا کرتے تھے جو نبی ﷺ کی بعثت کے بعد ختم ہو گئے۔اگر آپ ﷺ نے ان تہواروں سے منع نہ فرمایا ہوتا تو لوگ ان کو مناتے رہتے' کیونکہ بالعموم تہواروں میں انسانی طبع کے لئے تفریح کا پہلو موجود ہوتا ہے۔اسلام لانے کے بعد اِن تہواروں کے ختم ہو جانے سے قطعی طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو کافروں کے تہواروں سے سختی کے ساتھ منع فرما دیا تھا۔ [۳۷۸] آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((اَبْغَضَ النَّاسِ اِلَی اللّٰہِ ثَلَاثَۃٌ : مُلْحِدٌ فِی الْحَرَمِ' وَمُبْتَغٍ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّۃَ الْجَاھِلِیَّۃِ' وَمُطَّلِبُ دَمِ امْرِءٍ مُسْلِمٍ بِغَیْرِ حَقٍّ لِیُھْرِیْقَ دَمَہٗ)) [۳۷۹]

''اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ تین قسم کے لوگ ہیں: حدودِ حرم میں فتنہ وفساد مچانے والا' اسلام میں جاہلیت کا کوئی طریقہ ایجاد کرنے والا اور کسی مسلمان کا ناحق خون بہانے کی کوشش کرنے والا۔''

علامہ مناوی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ جاہلیت کے طریقے' جیسے لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا' بدشگونی لینا' کہانت کرنا' نوحہ وماتم کرنا' جوا کھیلنا اور عید نیروز منانا اور قصاص وغیرہ میں آڑے آنا۔ [۳۸۰]

لیکن اتنی سخت وعید کے بعد بھی بعض لوگوں نے اپنے کافر آباء واجداد کی میراث کو دوبارہ زندہ کرنے کی ٹھان رکھی ہے اور تہذیب قدیم کے نام سے بعض ایسی مُردہ عیدوں کو دوبارہ زندہ کرنا چاہ رہے ہیں جن کا تاریخ میں صرف نام ہی باقی ہے' جیسے مصر میں عید شم النسیم [۳۸۱] اور شام ولبنان وغیرہ میں عید نیروز وغیرہ۔ [۳۸۲] شاید پاکستان وبنگلہ دیش میں بسنت کا اہتمام اسی جذبہ سے کیا جا رہا ہے۔

شرعی لحاظ سے ایسا کرنا حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔اور اگر اس مُردہ عید کو بہتر سمجھتے ہوئے یا شرعی طور پر عیدوں کے مقابلے میں زندہ کرنے کی کوشش کی گئی تو یہی کام اسلام کے منافی امور میں داخل ہوگا۔

قابل غور امر یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک صحابی کو مقامِ بوانہ میں اپنی نذر پوری کرنے کی اجازت اُس وقت دی جب یہ یقین ہو گیا کہ وہاں پر نہ کسی بُت کی پوجا ہوتی تھی اور نہ ہی کوئی جاہلی تہوار تھا۔

اس موقع پر تفصیلی تحقیق سے صاف ظاہر ہے کہ اگر وہاں کوئی ایسی چیز ہوتی تو نذر کا پورا کرنا جائز نہ ہوتا' جبکہ نذر کا پورا کرنا واجب ہے۔اس کا سبب صرف یہی تھا کہ اس سے اندیشہ تھا کہ بعد میں آنے والے لوگوں میں وہی پرانا تصور پھر سے نہ واپس آجائے کہ لوگ اس جگہ کوئی تہوار منانا شروع کر دیں' حالانکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اس قسم کا کوئی خطرہ نہ تھا۔

۶۔مسلمانوں کی عیدوں کو غیر قوموں والی شکل وصورت دے دینا

مسلمانوں کی عیدیں کافروں کی عیدوں سے متعدد وجوہات سے مختلف ہوتی ہیں۔

ا: مسلمانوں کی عید کسی باطل عقیدے یا غلط رسم سے متعلق نہیں ہوتی۔

ب: عید کے دن کی ابتداء شکرِ الٰہی اور اُس کی نعمتوں کے اظہار سے ہوتی ہے۔صبح سویرے مسلمان عید گاہ کی طرف تکبیر وتہلیل کے ساتھ جاتے ہیں' دو رکعت نماز پڑھ کر اپنے اپنے گھروں کی طرف شاداں وفرحاں ایک دوسرے کو مبارک باد پیش کرتے ہوئے واپس ہوتے ہیں۔

---

(۳۷۸) راہِ حق کے تقاضے' ص۱۰۰' ۱۰۱ تلخیص وترجمہ اقتضاء الصراط المستقیم۔(۳۷۹) صحیح البخاری: ۶۸۸۲ الدیات' باب ۹ بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما۔(۳۸۰) فیض القدیر ۱/۸۱۔ (۳۸۱) فراعنہ کی عیدوں میں سے ایک مشہور عید ہے [الابداع فی فصار الابتداع' ص ۲۷۶'۳۷۵]۔ (۳۸۲) اہل فارس کی عیدوں میں سے مشہور عید کا نام ہے جو ایران میں بڑے اہتمام سے منائی جاتی ہے۔بڑے افسوس کی بات ہے کہ افغانستانِ مسلمہ پر مجرم امریکہ کے تسلط کے بعد وہاں بھی یہ عید گزشتہ سال بڑی دھوم دھام سے منائی گئی۔

ج: مسلمانوں کی عیدوں میں غریبوں، مسکینوں اور محتاجوں کا حق کو مدنظر رکھا جاتا ہے، جیسا کہ عید الفطر کے موقع پر صدقۃ الفطر کا نکالنا واجب ہے اور عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی کے گوشت میں غریبوں کا حصہ بھی رکھا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ الْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ ۚ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ (الحج:۳۶)

''قربانی کے اونٹ ہم نے تمہارے لئے اللہ کی نشانیاں مقرر کر دی ہیں، ان میں تمہارے لئے نفع ہے، پس انہیں صف بستہ کھڑے کر کے ان پر اللہ کا نام لو جب ان کے پہلو زمین سے لگ جائیں تو ان میں سے خود بھی کھاؤ اور سوال سے رکنے والے مسکینوں اور سوال کرنے والوں کو بھی کھلاؤ۔ اسی طرح ہم نے چوپایوں کو تمہارے ماتحت کر دیا ہے تاکہ تم شکر ادا کرو۔''

د: انسانی فطرت میں داخل ہے کہ وہ کسی بھی خوشی کے موقع پر کھیل کود اور کچھ تفریحی پروگرام چاہتا ہے۔ شریعت نے انسانوں کی اس فطرت کو بھی مدنظر رکھا ہے اور انہیں کھیل کود کی اجازت دی ہے، بشرطیکہ اس میں اخلاق و دین کی حدود و قیود کو ملحوظ رکھا گیا ہو۔

البتہ کافروں کی عیدیں عام طور پر کسی باطل عقیدے سے متعلق ہوتی ہیں، ان میں شکر الٰہی کا کوئی پہلو نہیں ہوتا، غریبوں اور مسکینوں کا کوئی حق نہیں سمجھا جاتا، کھیل کود اور تفریح کے نام پر اخلاق و آداب کی ساری حدود مسمار کر دی جاتی ہیں، شہوات و ملذات میں اس حد تک تجاوز کیا جاتا ہے کہ شرف و غیرت نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہتی، کتنے ہی گھر برباد ہو جاتے ہیں اور کتنی ہی عزتیں لٹ جاتی ہیں۔

بدقسمتی سے یہ عادات مسلمانوں میں آہستہ آہستہ سرایت کر رہی ہیں، ان کے عیدوں میں بھی شکرگزاری کا پہلو کم اور کھیل کود، اور فضول خرچی پر توجہ زیادہ دی جا رہی ہے، کھیل کود، ناچ گانے، فحاشی و بے حیائی، مرد و زن کے ناجائز اختلاط اور فرائض و واجبات میں تفریط یہ ایسی چیزیں ہیں جو بالکل عام ہوگئی ہیں، حتیٰ کہ اب منظّم طور پر ایسے اجتماعات کا انعقاد کیا جا رہا ہے جن میں شرف و غیرت نام کی کوئی چیز نہ بچے۔ بسا اوقات راقم سطور کا گزر عید الفطر کے موقع پر ایسے شہروں سے ہوا جہاں سرِ عام نوجوان لڑکے لڑکیوں کے ڈانس، فحش گانوں کی ریکارڈنگ اور بذریعہ لاؤڈ اسپیکر اس کا اعلان اور پھر مرد و زن کے اختلاط کا وہ منظر تھا کہ غیر قوموں کے میلے ان سے پیچھے رہ گئے تھے۔ مزید برآں یہ سب کچھ مسجدوں کے آس پاس ہوتا ہے جس سے نمازیوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے، حالانکہ کوئی غیر مسلم ایسا کرنے کی جراءت نہیں کرتا سچ ہے ع

یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود!

عادات میں مشابہت

معاملہ صرف عبادات وعقائد تک کا نہیں ہے بلکہ ایک مسلمان پر واجب ہے کہ عادات وآداب میں بھی غیر قوموں سے ممتاز اور نمایاں رہے اور کافروں کی عادات واخلاق سے پرہیز کرے۔اور جہاں یہ ضروری ہے کہ مسلمان کا لباس، نقل وحرکت، کھانا پینا، ظاہری شکل وصورت اور رہن سہن یہ تمام چیزیں حدودِ شرع میں ہوں اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا ہر کام اللہ کے باغیوں کے طریقے کے خلاف ہو۔

قرآن وحدیث میں اس پر اس کثرت سے دلائل موجود ہیں کہ ان کا جمع کرنا مشکل ہے۔یہاں ہم صرف تین اہم باتیں مختصر طور پر رکھتے ہیں، باقی کے لئے ہر طالب علم پر ضروری ہے کہ اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں کو مطالعہ کرے، خصوصاً شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ ؒ کی کتاب ''اقتضاء الصراط المستقیم '' کو پوری توجہ سے پڑھے۔

ا۔شکل وصورت میں مشابہت　ب۔لباس میں مشابہت　ج۔طریقۂ معاشرت میں مشابہت۔

ا: شکل وصورت میں مشابہت

ایک مسلمان کی ظاہری شکل وصورت کیسی ہونی چاہئے، اس کے لئے شریعت نے ایک حد متعین کی ہے جس سے تجاوز جائز نہیں ہے۔اور شیطان لعین جو انسان کا کھلا دشمن ہے، اس کی یہ کوشش رہتی ہے کہ وہ کسی بھی طرح انسان کو اس کے ربّ کی متعین کردہ حدود سے باہر نکال دے۔اس کے لئے وہ کبھی اصل تخلیق میں، کبھی ظاہری شباہت میں، کبھی شکل وشمائل میں اور کبھی مقصدِ تخلیق میں تبدیلی کے لئے لوگوں کو ابھارتا ہے۔قرآنِ کریم نے اس کی اس چال سے متعدد جگہ مسلمانوں کو متنبہ کیا ہے۔ایک جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنْ یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَ اِنْ یَّدْعُوْنَ اِلَّا شَیْطٰنًا مَّرِیْدًا ، لَّعَنَہُ اللّٰہُ ۘ وَ قَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِکَ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا ، وَّ لَاُضِلَّنَّھُمْ وَ لَاُمَنِّیَنَّھُمْ وَ لَاٰمُرَنَّھُمْ فَلَیُبَتِّکُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَ لَاٰمُرَنَّھُمْ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰہِ ؕ وَمَنْ یَّتَّخِذِ الشَّیْطٰنَ وَلِیًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِیْنًا﴾ (النساء:۱۱۷-۱۱۹)

''وہ اللہ کو چھوڑ کر دیویوں کو معبود بناتے ہیں۔وہ اس باغی شیطان کو معبود بناتے ہیں جس کو اللہ نے لعنت زدہ کیا ہے (وہ اس شیطان کی اطاعت کر رہے ہیں) جس نے اللہ سے کہا تھا کہ ''میں تیرے بندوں سے ایک مقرر حصہ لے کر رہوں گا، میں انہیں بہکاؤں گا، میں انہیں آرزوؤں میں الجھاؤں گا، میں انہیں حکم دوں گا اور وہ میرے حکم سے جانوروں کے کان پھاڑیں گے اور میں انہیں حکم دوں گا اور وہ میرے حکم سے خدائی ساخت میں ردّ وبدل کریں گے''۔جس نے اللہ کے بجائے اس شیطان کو اپنا ولی وسرپرست بنالیا وہ عنقریب سخت خسارہ اٹھائے گا۔''

مذکورہ بالا آیات سے درجِ ذیل اہم فوائد حاصل ہوتے ہیں:

۱۔مکّہ اور عرب کے مشرکین صرف دیوتاؤں ہی کو نہیں پوجتے تھے بلکہ انہوں نے کچھ دیویاں بھی متعین کر رکھی تھیں جنہیں وہ پوجتے تھے۔

۲۔چونکہ غیر اللہ کی عبادت شیطان کے ورغلانے اور اس کے مزین کرنے سے ہوتی ہے اس لئے حقیقت میں وہ شیطان کی عبادت کہلانے کی مستحق ہے۔

۳۔شیطان نے روزِ اوّل سے یہ عہد کر لیا ہے کہ وہ انسانوں کو راہِ راست سے بہکانے کے لئے ہر ممکن طریقے اختیار کرے گا۔

۴۔جہنم کا حصہ وہی لوگ بنیں گے جو شیطان کی دلائی ہوئی جھوٹی امیدوں سے اپنے آپ کو وابستہ رکھیں گے اور اس کے کہنے پر اپنے مال سے غیر اللہ کے لئے نذرونیاز نکالتے رہیں گے اور جانوروں کو غیر اللہ کے نام پر چھوڑتے رہیں گے۔

۵۔یہ وہی لوگ ہیں جو شیطان کے کہنے میں آ کر اللہ کی تخلیق میں تبدیلی کرتے ہیں، جیسے جانوروں کے کان پھاڑنا، جانوروں کو داغنا، غیر اللہ کو معبود بنانا، مَردوں کی نس بندی اور عورتوں کا آپریشن کر کے انہیں اولاد کی صلاحیت سے محروم کرنا۔

۶۔تخلیق الٰہی میں تبدیلی کی ایک شکل یہ بھی تھی کہ جس مخلوق کو جس مقصد کے لئے پیدا کیا ہے اس کے مقصد تخلیق کو بدل کر اسے معبود بنالیا جائے، جیسے چاند

'سورج جیسی مخلوقات اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کی خدمت اور فائدے کے لئے پیدا کی گئی تھیں' لیکن لوگ اس مقصد کو بھول گئے' الٹا انہیں معبود سمجھ کر پوجنے لگ گئے۔

۷۔اس کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ انبیاء ورُسل جو انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کے لئے مبعوث فرمائے گئے تھے' اسی طرح شہداء وصالحین اور علماء یعنی اولیاء کرام جو اُمت کے لئے ہدایت ورہنمائی کا فرض ادا کرتے رہے ہیں انہیں معبود سمجھ کر اور ربّ تک پہنچنے کا وسیلہ سمجھ کر اُن کی پوجا شروع کر دی گئی۔

۸۔اس کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ عورت جس مقصد کے لئے پیدا ہوئی ہے اسے اس بنیادی مقصد سے ہٹا کر ایسے کام پر لگایا جائے جس کے لئے مَردوں کی تخلیق ہوئی ہے' وغیرہ۔

۹۔شیطان لعین لوگوں کے صرف عقائد وعبادات ہی کے اندر خرابی پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ وہ انسانوں کو مکمل طور پر حدودِ شرع سے باہر لے جانا چاہتا ہے خواہ وہ عقائد وعبادات سے متعلق ہوں یا عادات واَخلاق سے۔

۱۰۔اللہ کی نافرمانی کر کے اور شیطان کی پیروی کر کے اسے اپنا رفیق بنانا سراسر گمراہی اور بہت بڑا خسارہ ہے۔اور جو شخص ایسے لوگوں سے مشابہت کرتا ہے وہ بھی سخت گھاٹے میں ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے بھی اپنی متعدد احادیث میں مسلمانوں کو شیطان کے چیلوں کی شکل وصورت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے۔ایک جگہ ارشاد ہے:

((خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ أَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَأَوْفِرُوا اللِّحٰی)) (۳۸۳)

''مشرکین کی مخالفت کرو(وہ اس طرح کہ)مونچھوں کو پست کرو اور داڑھی کو بڑھاؤ''

داڑھی اور مونچھوں سے متعلق متعدد احادیث وارد ہیں کسی میں اہل کتاب سے عدم مشابہت کا حکم ہے' کسی میں مشرکین کی مخالفت مذکور ہے' کسی میں مجوس اور کسی میں عجمیوں کی مشابہت سے بچنے کا حکم ہے۔ان احادیث کو کسی مجموعۂ احادیث میں دیکھا جا سکتا ہے۔ (۳۸۴)

ان احادیث کا واضح مفہوم یہ ہے کہ اس بارے میں تمام کافر قوموں نے فطرتِ الٰہیہ کی مخالفت اور شیطان کی اطاعت کی ہے۔اس لئے ایک مسلمان سے خصوصی طور پر شیطان کے ان تمام ولیوں سے بے زاری اور عدم مشابہت کا مطالبہ ہے۔ان صریح احکام کے باوجود یہ منظر کس قدر افسوس ناک ہے کہ آج مسلمانوں کا عام طبقہ شیطان کے دوستوں ہی کی شکل وصورت میں نظر آتا ہے۔

وحیٔ شیطانی سے کافروں نے تخلیقِ الٰہی میں جو تبدیلیاں کی ہیں اس سے متعلق ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ:

((لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُسْتَوْشِمَاتِ وَالنَّامِصَاتِ وَالْمُتَنَمِّصَاتِ لِلْحُسْنِ الْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللّٰهِ)) (۳۸۵)

---

(۳۸۳)صحیح البخاری:۵۸۹۲ اللباس'باب ٦٤۔وصحیح مسلم:۲۵۹ الطهارة'باب ١٤' بروایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔داڑھی کو اس کی اپنی حالت پر چھوڑنا اور مونچھوں کو پست کرنا ان امورِ فطرت میں سے ہے جن کے اندر تبدیلی یقیناً تغیر خلق اللہ کے اندر داخل ہے۔اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:((عشرٌ من الفطرة:قصّ الشّارب واعفاء اللّحية والسّواك واستنشاق الماء وقصّ الاظافر وغسل البراجم ونتف الابط وحلق العانه وانتقاض الماء)) قال مصعب : نسيت العاشر اِلا ان تكون المضمضة (صحیح مسلم :۲٦۰ الطهارة'باب ١٦۔ومسند احمد:۲۵۰۰۱'٦/۱۳۷ اور اصحاب السنن الاربعة [دیکھئے جامع الاصول ٤/۷۷٤]بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا۔

''دس چیزیں فطری ہیں:مونچھیں کاٹنا' داڑھی بنانا' مسواک کرنا' ناک میں پانی ڈال کر صاف کرنا' ناخن تراشنا' انگلیوں کے جوڑوں کو دھونا' بغل کے بال اکھیڑنا' زیرناف بال مونڈنا' استنجاء کرنا''۔راوی حدیث کہتے ہیں کہ میں دسویں چیز بھول گیا' شاید وہ کلی کرنا ہے۔''

اس حدیث میں دس خصال فطرت کا ذکر ہے جن میں تبدیلی جائز نہیں ہے لیکن شیطان نے اپنے دوستوں کو مخالفت پر ابھارا اور نافرمانی کو ان کے لئے مزین کر دیا اور لوگوں نے اس کی پیروی کو قبول بھی کر لیا۔اگر آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ان دس خصال فطرت میں سے شاید ہی کوئی ایسی چیز باقی ہو جس کو شیطان کے دوستوں نے اپنی اصلی اور صحیح حالت پر رہنے دیا ہو اور بدقسمتی سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی دوستی کے دعوے دار مسلمان بھی شیطان کے دوستوں کی مشابہت میں کوشاں نظر آ رہے ہیں۔داڑھی کا منڈانا' مونچھیں بڑھانا' طہارت وپاکیزگی کا اہتمام نہ کرنا' ناخن اور بغل کے بالوں کو نہ کاٹنا ایسی چیزیں ہیں جو آج مسلم معاشرہ میں وبا کی شکل اختیار کر چکی ہیں۔(۳۸۴) دیکھئے مسوعة اطراف الحديث النبوی ۱۳۵/۷'٤/۵۹۱ اور جلباب المرأة المسلمة'ص ۱۸۵'۱۸۷۔ ⇦

گودنے والیوں اور گدوانے والیوں' پلکوں کے بال اکھاڑنے والیوں اور اکھڑوانے والیوں اور خوبصورتی کے لئے دانتوں کے درمیان فاصلہ کرنے والیوں پر جو اللہ کی پیدا کی ہوئی صورت میں تبدیلی کرنے والیاں ہیں' اللہ نے لعنت فرمائی ہے۔''

اس حدیث میں مذکورہ کاموں پر لعنت کی دو وجوہ ہیں۔ اوّلاً تو یہ کہ یہ اللہ کی تخلیق میں تبدیلی ہے' ثانیاً یہ کہ یہ سب کچھ شیطان کی پیروی اور اس کی اتباع میں کیا گیا ہے' اس لئے ایسا کرنا حرام و ناجائز ہے' کیونکہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے شیطان کی پیروی اور اس کے ساتھیوں اور پیروکاروں کی مشابہت سے روکا ہے۔

ایک اور حدیث میں شیطان کے ولیوں کی عادات میں مشابہت سے اس طرح روکا گیا ہے:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اہل کتاب اپنے بالوں کو لٹکاتے اور مشرکین اپنے بالوں کو پھاڑتے (مانگ نکالتے) تھے اور اللہ کے رسول ﷺ کو ابتداء میں اہل کتاب کی موافقت پسند تھی تو آپ ﷺ نے بھی بال لٹکائے' لیکن بعد میں آپ ﷺ نے ان کی مخالفت میں مانگ نکالی۔ (۳۸۶)

یعنی جب اللہ کے رسول ﷺ کو اہل کتاب کی مخالفت کا حکم دیا گیا اور دیارِ عرب سے مشرکین کا تقریباً خاتمہ ہو گیا اور مخالفت صرف اہلِ کتاب میں محدود ہو کر رہ گئی تو آپ ﷺ نے یہود کی مخالفت میں مانگ نکالی۔ (۳۸۷)

اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل ذِمّہ پر یہ شرط لگائی تھی کہ وہ اپنے بالوں کو فرق یعنی مانگ نہ نکالیں گے۔ (۳۸۸)

معلوم ہوا کہ ایک مسلمان اپنی ظاہری شکل وصورت میں بھی غیر قوموں کی مخالفت پر مامور ہے' چہ جائیکہ ان کی مشابہت کرے' حتیٰ کہ اس کے بالوں کی تراش خراش اور سنوارنے کے انداز بھی غیر قوموں سے مختلف ہونے چاہئیں۔ اس لئے ائمہ کرام بالوں کی ہر ایسی کٹنگ اور انداز کو ناجائز یا مکروہ سمجھتے ہیں جو کسی قوم کا شعار ہو۔ (۳۸۹)

لہٰذا معلوم ہوا کہ ہمارے معاشرے میں بال تراشنے کی جو مختلف شکلیں نوجوانوں میں پائی جاتی ہیں' خواہ وہ مَردوں میں ہوں یا عورتوں میں بھی ناجائز اور حرام ہیں' کیونکہ یہ چیزیں کافروں' فاسقوں اور اہل کتاب کی مشابہت میں کی جارہی ہیں۔

اس سلسلے میں ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ حضرت حمید بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جس سال حج کیا وہ مدینہ تشریف لائے اور منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں کو مخاطب کیا اور آپ نے اپنے ہاتھوں میں بالوں کا ایک گچھ لیا جو ایک پہردار کے ہاتھ میں تھا' کہا کہ اے اہلِ مدینہ تمہارے علماء کہاں ہیں (جو تمہیں برائی سے نہیں روکتے)؟ ہم نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور آپ فرماتے تھے کہ:

((اِنَّمَا هَلَكَتْ بَنُوْا اِسْرَائِيْلَ حِيْنَ اتَّخَذَ هٰذِهِ نِسَاؤُهُمْ)) (۳۹۰)

جب بنو اسرائیل کی عورتوں نے اس کا استعمال شروع کیا تو وہ ہلاک ہو گئے (یعنی یہی چیزیں بعد میں ان کی ہلاکت و بربادی کا سبب بنیں)۔''

مصنوعی بالوں (وِگ) کا جوڑنا عورتوں کے لئے قطعاً جائز نہیں' بلکہ ایسا کرنے والی عورت زبانِ رسالت مآب ﷺ میں ملعون قرار دی گئی ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے:

((لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ)) (۳۹۱)

''اللہ کی لعنت ہو بالوں کو جوڑنے اور جڑوانے والی پر۔''

مصنوعی بالوں کو جوڑنا یا کسی ایسی چیز کو بالوں میں جوڑنا جس سے بالوں کا لمبا ہونا ظاہر ہو (۳۹۲) جیسے کالے دھاگوں کی بنی ہوئی چوٹیاں' کئی وجوہ سے ممنوع ہیں۔

⇦ (۳۸۵) صحیح البخاری: ۵۹۳۱ اللباس' باب ۸۲۔ وصحیح مسلم: ۲۱۲۵ اللباس والزینة' باب ۲۳۔ بروایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ (۳۸۶) صحیح البخاری: ۵۹۱۷ اللباس' باب ۷۰۔ وصحیح مسلم: ۲۳۳۶ الفضائل' باب ۳۴۔ (۳۸۷) فتح الباری ۴۶۲/۱۰۔ (۳۸۸) اقتضاء الصراط المستقیم ۴۱۴/۱۔ (۳۸۹) اقتضاء الصراط المستقیم ۱۸۷/۱ اور اس کے بعد کے صفحات۔ (۳۹۰) صحیح البخاری: ۵۹۳۲ اللباس' باب ۸۲۔ وصحیح مسلم: ۲۱۲۷ اللباس' باب ۳۳۔ (۳۹۱) صحیح البخاری: ۵۹۳۳ اللباس' باب ۸۲۔ وصحیح مسلم: ۲۱۲۲ اللباس' باب ۳۳۔ بروایت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا۔ (۳۹۲) جمہور علماء کا مسلک یہی ہے فتح الباری ۳۷۵/۱۰۔ اس مسلک کی تائید صحیح مسلم کی درج ذیل حدیث سے بھی ہوتی ہے: حضرت جابر بن ⇦

اوّلاً اس وجہ سے کہ اس میں غیر قوموں کی مشابہت پائی جاتی ہے اور ثالثاً اس وجہ سے کہ اس میں دھوکہ دہی ہے اور جب بھی ان میں سے کوئی ایک علت کسی بھی چیز میں پائی جائے تو اس کے حرام یا ناجائز ہونے کے لئے کافی ہے چہ جائیکہ یہ تینوں علتیں ایک ساتھ کسی عمل میں جمع ہو جائیں۔

شکل وصورت میں کافر قوم کی مخالفت سے متعلق درج ذیل حدیث بھی اہم ہے:

((اِنَّ الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی لَا یَصْبُغُوْنَ فَخَالِفُوْھُمْ)) (۳۹۳)

''یہود ونصاریٰ خضاب نہیں لگاتے اس لئے تم ان کی مخالفت کرو۔''

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس امر میں دلیل ہے کہ خضاب کی مشروعیت اور سفید بالوں کا رنگنا یہود ونصاریٰ کی مخالفت کی وجہ سے ہے جس سے خضاب کی تاکید ہوتی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ اہلِ کتاب کی مخالفت میں کثرت سے کام لیتے تھے اور اس کا حکم بھی دیتے تھے۔ بہت سے سلف صالحین نے اس سنت پر عمل کیا ہے۔ اس لئے آپ مؤرخین کو دیکھیں گے کہ سوانح نگاری میں یہ ذکر کرتے ہیں کہ فلاں عالم خضاب لگاتا تھا اور فلاں عالم خضاب نہیں لگاتا تھا۔ امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم نے حضاب لگایا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ خضاب لگائے ہوئے ہے تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ میں ایسے شخص کو دیکھ رہا ہوں جس نے ایک سنت کو زندہ کر دیا ہے۔

ب: لباس میں مشابہت

جس طرح مسلمانوں پر یہ واجب ہے کہ اس کی شکل وصورت اللہ کے دشمنوں کے مشابہ نہ ہو اسی طرح اس پر یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا لباس بھی غیر قوموں کے لباس کے مشابہ نہ ہو۔ چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بن عاص کو دو زعفرانی رنگ کے کپڑے پہنے دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ ھٰذِہٖ مِنْ ثِیَابِ الْکُفَّارِ فَلاَ تَلْبَسْھَا)) (۳۹۴)

''یہ کافروں کا لباس ہے' اسے نہ پہنو۔''

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے پوچھا کہ کیا میں اسے دھوڈالوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''نہیں' اسے جلا دو۔'' (۳۹۴)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کو یہ کپڑا پہننے سے آپ ﷺ نے صرف اس لئے منع فرمایا کہ اس کے پہننے سے کافروں کی مشابہت ہوتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((وَاِیَّاکُمْ وَلُبُوْسَ الرَّھْبَانِ فَاِنَّہٗ مَنْ تَزیابِھِمْ اَوْ تَشَبَّہَ فَلَیْسَ مِنِّیْ)) (۳۹۵)

تم راہبوں کے لباس پہننے سے بچو' کیونکہ جس نے کافروں کا لباس پہنا یا ان کی مشابہت اختیار کی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''

اس حدیث میں ایک عمومی حکم ہے کہ جو لباس بھی کسی قوم کے ساتھ خاص ہو' اس طرح کہ وہ اس کا شعار بن جائے' تو اس کا استعمال جائز نہ ہوگا۔ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کو لکھا کہ اہل شرک کے لباس سے بچتے رہو۔ (۳۹۶) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر وہ کپڑا جو کسی قوم کے ساتھ خاص ہو' مسلمانوں کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں ہے' اگرچہ فی نفسہٖ اس لباس کے اندر کوئی خرابی نہ ہو' بلکہ اس کے غیر مشروع ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ مسلمانوں کا لباس نہیں ہے اور اس سے غیر قوم کی مشابہت لازم آتی ہے۔ اور اگر فی نفسہٖ وہ لباس حدودِ شرع سے باہر ہو تو اس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا۔ جیسے اس زمانے میں مروّجہ لباس پینٹ وشرٹ اور ٹائی ہے جو غیر قوموں کا لباس ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں ٹخنوں سے نیچے ہونا' کامل ستر کا نہ چھپنا اور سلف کے لباس کے خلاف ہونا بھی پایا جاتا ہے۔ (۳۹۷)

⇐ عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے بالوں میں کسی چیز کے جوڑنے سے منع فرمایا ہے۔ صحیح مسلم:۲۱۲۶ اللباس۔ (۳۹۳) صحیح البخاری:۵۸۹۹ اللباس' باب ۶۷۔ وصحیح مسلم:۲۱ اللباس' باب ۲۵۔ بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ (۳۹۴) اس حدیث کی تخریج گزر چکی ہے۔ (۳۹۶) صحیح مسلم:۲۰۶۹ اللباس والزینة۔ ایک سے زائد بار یہ حدیث گزر چکی ہے۔ (۳۹۷) پینٹ وغیرہ کے سلسلے میں ناچیز کی یہی رائے ہے۔ ہوسکتا ہے کسی بھائی کو اس سے اختلاف ہو' لیکن اگر کوئی شخص درجِ ذیل امور پر غور کرے تو شاید اس لباس کو مکروہ سے نیچے نہ شمار کرے۔

۱) یہ لباس عصر حاضر میں عام ضرور ہو گیا ہے لیکن یہ اصل میں کافروں کے لباس سے ماخوذ ہے اور اس لباس کا رواج مسلمانوں سیاسی کمزوری اور ان کی ذہنی پسماندگی کے بعد ہوا ہے اور ابھی ماضی قریب تک ⇐

جس طرح اسلام نے مسلمانوں کولباس میں غیرقوم کی مشابہت سے روکا ہے اسی طرح ایک جنس کو دوسری جنس کی مشابہت سے بھی روکا ہے۔اس سلسلے کی بعض حدیثیں گزر چکی ہیں‘ بعض کا ذکر اوران حدیثوں سے ماخوذ فوائد کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔ایک حدیث میں ہے:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الرَّجُلَ يَلْبَسُ لِبْسَةَ الْمَرْأَةِ وَالْمَرْأَةَ تَلْبَسُ لِبْسَةَ الرَّجُلِ (۳۹۸)

’’اللہ کے رسول ﷺ نے اُس مرد پر لعنت کی جوعورتوں کا سالباس پہنتا ہےاوراُس عورت پر لعنت کی جومَردوں کا سالباس پہنتی ہے۔‘‘

ایک اورحدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشادفرمایا:

((ثَـلَاثٌ لَا يَـدْخُـلُـوْنَ الْـجَـنَّـةَ وَلَا يَـنْـظُـرُ اللّٰـهُ اِلَيْـهِـمْ يَـوْمَ الْـقِيَـامَةِ:اَلْـعَـاقُ لِـوَالِـدَيْـهِ وَالْمَرْأَةُ الْمُتَرَجِّلَةُ الْمُتَشَبِّهَةُ بِالرِّجَالِ وَالدَّيُّوْثُ)) (۳۹۹)

’’تین قسم کے لوگ جنت میں داخل نہ ہوں گے اور نہ ہی قیامت کے دن اللہ ان کی طرف (نظررحمت سے) دیکھے گا:والدین کا نافرمان‘مَردوں کی مشابہت کرنے والی عورت اوردیوث۔‘‘

سنن ابی داؤدوصحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے‘ حضرت ابومُلیکہ عبداللہ بن عبیداللہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ اس عورت کے بارے میں آپ کیا فرماتی ہیں جو(مَردوں والا) جوتا پہنتی ہے؟ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الرَّجُلَةَ مِنَ النِّسَاءِ (۴۰۰)

’’اللہ کے رسول ﷺ نے مَرد کی مشابہت کرنے والی عورت پر لعنت بھیجی ہے۔‘‘

یہ حدیثیں اوراس موضوع کی دوسری حدیثوں کوسامنے رکھنے کے بعد درج ذیل اہم فائدے حاصل ہوتے ہیں:

۱۔ عورتوں کے لئے مَردوں کے مشابہ لباس اورمَردوں کے لئے عورتوں کے مشابہ لباس‘ خواہ یہ مشابہت ان کے رنگ میں ہو یا بناوٹ میں‘ جائز نہ ہوگا۔جیسے کرتہ اور پینٹ وشرٹ عورتوں کے لئے اور چھینٹ اور چھاپے دار کپڑے‘ جوعورتوں کے ساتھ خاص ہیں‘مَردوں کے لئے۔

۲۔ جس طرح عورتوں کی مشابہت میں مَردوں کے لئے سونا پہننا جائزنہیں اسی طرح ہرایسا زیورنا جائزاورحرام ہے جوعورتیں استعمال کرتی ہیں‘ بجزانگوٹھی

علماءاس لباس سے سختی کے ساتھ منع کیا کرتے تھے۔

۲)اس لباس کی تراش وخراش کچھ اس طرح ہے کہ اس میں متعدد شرعی مخالفات پائی جاتی ہیں‘ جیسے اسبال‘تنگی اور بے پردگی‘اورٹائی باندھنے میں صلیب کی مشابہت وغیرہ اور جولوگ اس کے جائز ہونے کے لئے کچھ قیود لگاتے ہیں ان کی حیثیت صرف کاغذ پرسیاسی کی سی ہے عملی زندگی میں اس پر عمل ہوتے شاذونادر ہی دیکھا گیا ہے۔

۳) آج بھی یہ لباس عام طور پرانہی لوگوں میں رائج ہے جودین سے دور ہیں یا سیکولر گورنمنٹ نے ان پرلازم قرار دیا ہے یا حالات سے مجبور ہیں۔

۴) آج بھی اہل علم کا سوادِاعظم اسے نفرت سے دیکھتا ہے اوراپنے لئے اس کا استعمال جائزنہیں سمجھتااورشریعت کی نظر میں علماء کے سوادِاعظم اوران کی رائے کی ایک اہمیت ہے۔

۵) جولوگ اس لباس کے جواز کے قائل ہیں یا اس کا استعمال کرتے ہیں وہ خود بھی جب کسی دینی تقریب یا دینی مجلس میں حاضر ہوتے ہیں تو اس لباس سے پرہیز کرتے ہیں جس کا واضح مفہوم ہے کہ وہ اس کے شریفانہ لباس ہونے پرخود بھی مطمئن نہیں ہیں۔واللہ اعلم !محترم ابوعبدالرحمٰن نورانی حفظہ اللہ یہاں یہ نوٹ لگاتے ہیں کہ:’’ہاں البتہ اگر اس لباس کا محض کام کے لباس (Workng Dress) کے طور پر کارخانے وغیرہ میں پہنا جائے (جہاں ہرطرف مشینیں چلتی ہیں) تو شاید کوئی حرج نہیں۔‘‘موصوف کی رائے کی تائید امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے درج ذیل قول سے ہوتی ہے:امام محمد بن ابی حرب الجرجرائی فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ کیا سندھی چپل پہن کر باہر نکلا جاسکتا ہے؟ تو آپ نے اسے مرد وعورت دونوں کے لئے ناپسند فرمایااور کہا کہ اگر بیت الخلاء اور وضووغیرہ کے لئے ہوتو کوئی حرج نہیں(اقتضاء الصراط المستقیم ۱/۳۷۳)امام موصوف کا یہی فتویٰ آپ کے مشہور شاگرد اسحاق بن ابراہیم نیساپوری نے بھی نقل کیا ہے۔(مسائل الامام احمد للنیسابوری ۲/۱۴۵‘۱۴۶)۔ تفصیل کے لئے دیکھئے(اقتضاء الصراط المستقیم ۱/۲۷۲تا۲۷۴۔(۳۹۸)سنن ابی داؤد:۴۰۹۸‘اللباس‘باب ۲۱۔وصحیح ابن حبان:۱۴۵۵‘۱۴۵۶۔ومسنداحمد ۲/۳۲۵۔بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔(۳۹۹)سنن النسائی:۵/۸۰۔صحیح سنن النسائی ۲/۵۴۱۔ومسند احمد:۶۱۷۴‘۱/۱۳۴۔ومستدرك الحاکم ۱/۷۲۔ بروایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما الفاظ مسنداحمد کے ہیں۔(۴۰۰)سنن ابی داؤد:۴۰۹۹‘کتاب اللباس‘باب لبس النساء۔ صحیح سنن ابی داؤد:۳۴۵۵۔

کے اور وہ بھی چند شرطوں کے ساتھ۔

۳۔ یہ مشابہت صرف لباس تک محدود نہیں ہے بلکہ نقل وحرکت اور طرزِ گفتگو وغیرہ میں بھی ایک جنس کو دوسری جنس کی مشابہت سے روکا گیا ہے۔

۴۔ بعض علماء نے عورتوں کے لئے اپنے دوپٹے کو سر میں ایک بار سے زائد بار لپیٹنے سے بھی منع کیا ہے تا کہ مَردوں کے عمامہ کے مشابہ نہ ہوجائے۔ (۴۰۱)

۵۔ عورتوں کے لئے اپنے بالوں کا اس طرح کاٹنا منع ہوگا جس طرح مرد لوگ اپنے بالوں کو تراش وخراش کرواتے ہیں۔

۶۔ نماز، روزہ اور صدقہ خیرات جیسے اعمالِ خیر میں مشابہت ممنوع نہیں ہے۔ (۴۰۲)

۷۔ نابالغ لڑکے اور لڑکیوں کو بھی ایک دوسرے کے مشابہ کپڑا نہ پہنایا جائے۔ (۴۰۳)

دو اہم باتیں

اوّل: ''عورت کے لئے مرد کی مشابہت اور مرد کے لئے عورت کی مشابہت جائز نہیں ہے'' یہ اس صورت میں ہے کہ ایک جنس دوسری جنس کی مشابہت عمداً اور تکلفاً کرے، بشرطیکہ اس ماحول میں دونوں جنسوں کے لباس میں فرق رکھا جاتا ہو، لیکن اگر کوئی شخص بغیر قصد وارادہ کے فطری اور تخلیقی طور پر جنس آخری کی مشابہت میں پڑ جاتا ہے یا کسی خاص چیز میں اس ماحول کے اندر دونوں جنسوں میں کوئی فرق ملحوظ نہیں رکھا جاتا تو یہ اس حکم میں داخل نہیں ہے، البتہ ایسا شخص جس کے چال چلن اور حرکت وکلام میں جنس آخر کی مشابہت فطرتاً پائی جاتی ہو تو اسے دُور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے کہ آہستہ آہستہ اس کے اندر یہ خصلت کم ہوجائے یا مشابہت کم سے کم تر ہوجائے۔ اور اگر وہ اپنی فطرت پر مصر اور برضا ورغبت اس پر جما رہا تو یقیناً اس حکم میں داخل ہوگا اور اس سے متعلق جو وعیدیں احادیث میں وارد ہیں ان کا مستحق ٹھہرے گا۔ (۴۰۴)

دوم: زیر بحث مسئلہ میں عرف سے زیادہ شرع کو دخل ہوگا، یعنی اگر کسی ماحول میں مَردوہ لباس پہننے لگیں جو عورتوں کے ساتھ خاص ہیں تو اس عرف کی وجہ سے وہ لباس مَردوں کے لئے جائز نہ ہوگا، جیسے ریشم اور سونا یا دیگر زیورات، کیونکہ اس میں اگر چہ ایک دوسرے کی مشابہت عرف میں داخل ہو لیکن شریعت اسے قبول نہیں کرتی۔ اسی طرح اگر کسی ماحول میں عورت اور مرد کے لباس میں کوئی فرق نہیں ہے تو اس صورت میں بھی شرع کو مدنظر رکھا جائے گا کہ اگر لباس ساتر ہے تو ٹھیک ورنہ اس کا بدلنا ضروری ہوگا، کیونکہ شریعت اس بارے میں مرد کی مشابہت کو جائز نہیں رکھتی، جیسے عورتوں کا مردانہ لباس پہننا۔ (۴۰۵)

ج: طریقۂ معاشرت میں مشابہت

اسلام نے صرف عقائد وعبادات میں نظام کا نام نہیں دیا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ایک مکمل معاشرہ تشکیل دیا جس کے حدودِ اربعہ شریعت کی طرف سے متعین ہیں۔ اس کے اندر تبدیلی کسی صورت میں جائز نہیں اور نہ ہی کسی بشر کو اس کے اندر کمی بیشی کا حق حاصل ہے۔ راقم سطور کی سمجھ کے مطابق اس معاشرہ کی اسلامی اصولوں کے مطابق تعمیر میں دو چیزیں بڑا اہم کردار ادا کرتی ہیں:

اوّل: یہ معاشرہ میل ملاپ، اٹھنے بیٹھنے اور لین دین وغیرہ اور آداب زندگی میں حدودِ شرع کا پابند ہو۔

دوم: غیر قوموں کے مقابلے میں اس کا اپنا الگ تشخص اور امتیازی نشان ہو، حتیٰ کہ بعض امور میں بھی یہ معاشرہ اللہ کے دشمنوں اور شیطان کے ولیوں کی مشابہت سے پرہیز کرے۔

یہ موضوع تو بہت طویل ہے جسے اس مختصر بحث میں سمیٹا نہیں جا سکتا۔ صرف مثال کے طور پر چند چیزیں رکھی جاتی ہیں؛

۱۔ مرد وعورت کے میل ملاپ کی حدود۔ ۲۔ نظافت کا اہتمام۔ ۳۔ زبان کا مسئلہ۔ ۴۔ نام کا مسئلہ۔

---

(۴۰۱) التشبہ المنھی عنہ، ص ۱۵۱۔ (۴۰۲) فتح الباری ۱۰/۳۳۲۔ (۴۰۳) چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ایک لڑکے پر ریشم کا ایک کپڑا دیکھا تو اسے پھاڑ دیا اور کہا کہ یہ اس کے لئے جائز نہیں ہے۔ مجموع الفتاویٰ ۲۲/۱۴۳۔ (۴۰۴) فتح الباری ۱۰/۳۳۲۔ (۴۰۵) اس موضوع پر تفصیل کے لئے دیکھئے مجموع الفتاویٰ ۲۲/۱۴۵ تا ۱۵۵۔ ہر طالب علم کے لئے اس موضوع کا پڑھنا ضروری ہے۔

۱۔مَرد وعورت کے میل ملاپ کی حدود

فطری طور پر اللہ تعالیٰ نے دونوں جنسوں میں ایک دوسرے کے لئے جاذبیت اور قضائے شہوت کا مادہ رکھا ہے' اس لئے فطری طور پر مرد عورت کی جانب اور عورت مرد کی جانب مائل ہوتی ہے اور ایک دوسرے کے قریب ہونا چاہتے ہیں۔ چونکہ ان دونوں کے آزادانہ میل ملاپ کی صورت میں متعدد خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اس لئے شریعت نے دونوں کے میل ملاپ کی کچھ حدود وقیود متعین کی ہیں جن سے تجاوز کرنا قطعاً جائز نہیں۔ اور جن قوموں نے ان حدود وقیود کا لحاظ نہیں رکھا وہ اخلاقی رذالت وگندگی کے گڑھے میں اس طرح گریں کہ اس سے نکلنا مشکل ہوگیا۔ ہر ذی عقل اس کی زندہ صورت مغربی ممالک یا ان کی تقلید میں کوشاں ملکوں کے اندر آسانی سے دیکھ سکتا ہے (۴۰۶) اس خرابی سے بچنے کے لئے شریعت نے جہاں حدود وقیود رکھی ہیں اس کے ساتھ ساتھ عورتوں کی آوارہ روی اور بے مقصد گھر سے نکلنے سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی......﴾ (الاحزاب:۳۳)

''اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور سابق دورِ جاہلیت کی سج دھج نہ دکھاتی پھرو''۔

یعنی قدیم جاہلیت کی عورتوں کی طرح سولہ سنگھار کر کے مجسم دعوتِ نظارہ بن کر گھر سے باہر نہ نکلو' بلکہ تمہارے گھر ہی تمہارے لئے بہتر ہیں۔ اس چیز سے متنبہ کرنے کے لئے اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ الدُّنْیَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ وَاِنَّ اللّٰهَ مُسْتَخْلِفُکُمْ فِیْهَا فَیَنْظُرَ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ، فَاتَّقُوا الدُّنْیَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ ، فَاِنَّ اَوَّلَ فِتْنَةِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ کَانَتْ فِی النِّسَاءِ)) (۴۰۷)

''دنیا میٹھی اور ہری بھری ہے' اللہ تمہیں اس میں رکھے گا تاکہ دیکھے کہ کیسا عمل کرتے ہو' تو دنیا کے فتنے سے بچو اور عورتوں کے فتنوں سے بچو' کیونکہ بنی اسرائیل میں فتنے کی ابتداء عورتوں سے ہوئی تھی۔''

اس حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے دنیا اور اس کے فتنے سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے' کیونکہ اس دنیا کے میں فتنوں میں پڑ کر ہی پچھلی قومیں ہلاک وبرباد ہوئی ہیں' جیسا کہ صحیحین وغیرہ میں صراحت کے ساتھ اس کا ذکر موجود ہے (۴۰۸) اور دنیا کے فتنوں میں سے خصوصی طور پر عورتوں کے فتنے سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے اور مثال کے طور پر بنی اسرائیل کا ذکر فرمایا ہے کہ ان کی ہلاکت وبربادی کا پہلا سبب عورتوں کے فتنے میں پڑنا تھا کہ ان کی عورتیں آزادی سے باہر گھومنے لگیں اور اپنی باطنی زینت کا اظہار غیر محرم مردوں کے سامنے کرنے لگیں۔ بیمار دلوں اور شہوت پرست جوانوں کی طرف سے انہیں شہ ملی جس سے یہ فتنہ عام ہوگیا اور بنی اسرائیل کی ہلاکت کا سبب بنا۔ اسی لئے تم خصوصی طور پر عورتوں کے معاملہ میں کافر قوموں کی مشابہت سے بچتے رہنا' کیونکہ عقل مند وہ ہے جو غیروں سے عبرت حاصل کرے۔

السَعِیْدُ مَنْ وُعِظَ بِغَیْرِہٖ (۴۰۹)

''خوش قسمت وہ ہے جو غیر کو دیکھ کر عبرت حاصل کرے۔''

اس آیت اور ان احادیث سے بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ اُمت مسلمہ کو مَرد وزن کے اختلاط کے بارے میں بھی غیر قوموں کی تقلید سے روکا گیا ہے' تاکہ وہ اس فتنے اور ہلاکت میں نہ پڑیں جس میں پچھلی قومیں واقع ہوکر اخلاقی طور پر تباہ وبرباد ہوچکی ہیں۔ لیکن بڑے افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ عصر حاضر کے نام نہاد مسلمانوں نے

---

(۴۰۶) ان حدود وقیود کے ذکر کا یہ موقع نہیں ہے' انہیں اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔ الحمد للہ ہماری اردو زبان میں اس موضوع پر کافی کام ہوا ہے۔ (۴۰۷) صحیح مسلم: ۲۷۴۲ الرقاق۔ ومسند احمد ۲۲/۳' بروایت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ۔ (۴۰۸) اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: ((فواللّٰہ ما الفقر اَخشی علیکم ولکن اَخشی علیکم ان تبسط علیکم الدّنیا کما بسطت علی من کان قبلکم فتنافسوها کما تنافسوها وتهلکم کما أهلکتهم)) [صحیح البخاری: ۳۱۵۸' الجزیه' باب ۵۸۔ وصحیح مسلم: ۲۹۶۱ الزهد' باب ۱' بروایت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ] ''اللہ کی قسم مجھے تم لوگوں پر فقر وفاقہ سے خوف نہیں ہے بلکہ خوف اس بات کا ہے کہ تم پر بھی سابقہ قوموں کی طرح دنیا کی فراوانی کر دی جائے' پھر جس طرح سابقہ قومیں دنیا کی دوڑ میں لگ گئیں تم بھی لگ جاؤ' بالآخر جس طرح دنیا نے انہیں ہلاک کر دیا تمہیں بھی ہلاک کر دے۔'' (۴۰۹) ان الفاظ میں ایک مرفوع حدیث بھی بیان کی جاتی ہے لیکن اس کی صحت علماء کے نزدیک مختلف فیہ ہے' علامہ البانی رحمہ اللہ علیہ نے اس کا موقوف ہونا یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہونا زیادہ صحیح قرار دیا ہے' دیکھئے مسند الشهاب ۷۹/۱' ۸۰' السنة لابن ابی عاصم: ۱۷۸/۱' ۷۸' ۸۰۔

غیرقوموں کی مشابہت میں عورتوں سے متعلق حدودِ شرع کو پامال کر دیا ہے۔ غیر شرعی لباس عام ہیں۔ عورتیں خاتونِ خانہ کے بجائے سبھا کی پری بن گئی ہیں۔ بازاروں میں بے پردہ اور کامل زینت سے نکلنا کوئی عیب نہیں سمجھا جا رہا۔ اٹھنے بیٹھنے بات چیت حتیٰ کہ باہر آنے جانے میں بھی غیر محرم و غیر محرم کی تمیز اٹھ گئی ہے۔ محرم و غیر محرم مَردوزن کا اکھٹے ہو کر فحش فلمیں دیکھنا اور گندے گانے سننا بالکل عام ہے۔ نوجوان لڑکیوں کا اپنی پوری زیب و زینت میں سج دھج کر کسی غیر محرم رشتے دار یا اجنبی لڑکوں کے ساتھ پارکوں میں گھومنا ایک فیشن بن گیا ہے۔ گھر کی حاکمیت مَردوں کے ہاتھ سے چھن کر عورتوں کے ہاتھ چلی گئی ہے۔ بیویوں کا تصور اپنے شوہروں کے بارے میں صرف ایک عام ساتھی اور برابر حقوق کے مالک و دوست کا رہ گیا ہے۔ شوہر کے احترام نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہ گئی اور مصیبت پر مصیبت یہ کہ ان حدود کا لحاظ رکھنے والا انسان خود اپنے ماحول میں رجعت پسند اور اجنبی بلکہ نکو بن کر رہ گیا ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ سب کچھ مغربی تعلیم اور غیر قوموں کی مشابہت کا نتیجہ ہے۔ اس لئے ہر ذی عقل دیکھ رہا ہے کہ سارا معاشرتی نظام درہم برہم ہو چکا ہے' خیانتِ زوجیت کے واقعات کثرت سے رونما ہو رہے ہیں' طلاق کی شرح میں غیر معمولی اضافہ ہو رہا ہے' زوجین کے قتل اور زندہ جلائے جانے کے حادثات روزانہ اخباروں کی مستقل خبریں ہیں' مسلم معاشرہ میں غیر شرعی اولاد کی زیادتی اور اسقاطِ حمل کے واقعات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ ایسی باتیں ہیں جو میاں بیوی کے مسائل کو حل کرنے میں دلچسپی لینے والوں سے پوشیدہ نہیں ہیں۔

۲۔ نظافت کا اہتمام

اسلام نظافت و صفائی کا مذہب ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ایک مسلم معاشرہ جس طرح باطنی گندگیوں سے پاک ہو اسی طرح ظاہری آلائشوں سے بھی خود کو دُور رکھے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ﴾ (البقرۃ:۲۲۲)

''اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو اور پاک رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَ اللّٰہُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ﴾ (التوبۃ:۱۰۸)

''اس (مسجد قبا) میں ایسے آدمی ہیں جو خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں' اور اللہ تعالیٰ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

اسی چیز کو مزید تقویت دیتے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ)) (۴۱۰)

پاکی نصف ایمان ہے۔''

اور چونکہ اندیشہ تھا کہ یہ اُمت اس اہم معاملہ میں بھی کوتاہی کرے گی اور غیر قوموں کی مشابہت میں پڑ جائے گی' اس لئے اس معاملے میں متنبہ کرتے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ اللّٰہَ طَیِّبٌ یُحِبُّ الطَّیِّبَ نَظِیْفٌ یُحِبُّ النَّظَافَةَ ' کَرِیْمٌ یُحِبُّ الْکَرَمَ، جَوَادٌ یُحِبُّ الْجُوْدَ، فَنَظِفُوْا اَفْنِیَتَکُمْ وَلَا تَشَبَّهُوْا بِالْیَهُوْدِ)) (۴۱۱)

''اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاکی کو پسند کرتا ہے' نظافت والا ہے اور نظافت کو پسند کرتا ہے' مہربان ہے اور مہربانی کو پسند کرتا ہے' سخی ہے اور سخاوت کو پسند کرتا ہے' لہٰذا تم اپنے گھروں کے صحنوں کو پاک و صاف رکھو اور یہود کی مشابہت نہ کرو۔''

ایک روایت میں ہے کہ یہود گندگی اور کوڑا کرکٹ اپنے گھروں میں جمع کرتے ہیں۔ (۴۱۲) (لہٰذا تم ان کی مشابہت سے بچو!)

---

(۴۱۰) صحیح مسلم:۲۲۳ الطھارۃ 'باب ۱ ۔ وسنن الترمذی:۳۵۱۹ الدعوات 'باب ۸۷' بروایت ابومالک الاشعری رضی اللہ عنہ۔ (۴۱۱) سنن الترمذی:۲۷۹۹ الادب ۔ ومسند البزار ۳/ ۳۲۰' بروایت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ۔ دیکھئے الصحیحۃ للالبانی:۲۳۶ ۔ (۴۱۲) دیکھئے الصحیحۃ:۲۳۶'۱/۲۷۳ ۔ بعض روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ''اپنے صحنوں کو صاف کرو کیونکہ یہود اپنے صحن صاف نہیں رکھتے''۔ دیکھئے الطبرانی الأوسط [مجمع البحرین:۵۱۹'۱/۴۰۱ ۔ نیز الصحیحۃ للالبانی]

یہ حدیث بالکل واضح ہے کہ غیر قوموں کی مشابہت میں صفائی وستھرائی سے گریز غیر شرعی امر ہے۔ (۴۱۳) بلکہ ایک مسلمان اس بات پر مامور ہے کہ اگر غیر قومیں صفائی کا اہتمام نہ کریں تو ان کی مخالفت میں اسے صفائی کا اہتمام کرنا چاہئے۔ جس طرح کہ عہدِ نبوی ﷺ میں یہود کی گندگی مشہور تھی، وہ اپنے گھروں اور محلوں میں کوڑا کرکٹ کے ڈھیر لگاتے تھے، اس لئے مسلمانوں کو اس سے بچنے کی تعلیم دی گئی۔

۳۔ زبان کا مسئلہ

زبان کا مسئلہ قوموں کی زندگی میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اسی زبان ہی سے ایک قوم دوسری قوم سے پہچانی جاتی ہے۔ اس لئے ہر قوم اپنی زبان کی ترقی وحفاظت کو اپنا فرض سمجھتی ہے۔ زبان سے قوموں کا تشخص باقی رہتا ہے۔

سلف صالحین نے جن امور میں غیر قوموں کی مشابہت کو ناپسند فرمایا ہے ان میں زبان کا مسئلہ بھی ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عجمیوں کی بات چیت نہ سیکھو اور نہ مشرکین کے عید کے دن ان کی عبادت گاہوں میں داخل ہو، کیونکہ ان کے اوپر اللہ کی ناراضگی نازل ہوتی ہے۔ (۴۱۴)

جمہور علماء کا یہی مسلک ہے کہ بلاضرورت عجمیوں کی زبان میں بات کرنا مکروہ ہے۔ امام شافعی، امام مالک، امام محمد اور بہت سے علمائے احناف (رحمہم اللہ) کا یہی مسلک ہے۔ (۴۱۵)

بغیر کسی ضرورت کے غیر قوم یعنی کافروں کی زبان استعمال کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ہمارا قلبی میلان اس قوم کی طرف ہے، ہم ذہنی طور پر ان کی تہذیب سے متاثر ہیں اور ہم اپنی زبان کے مقابلہ میں ان کی زبان کو بہتر سمجھ رہے ہیں، اور یہی چیز ہے جو اُن سے مشابہت کا سبب بن رہی ہے، حالانکہ ایک مسلمان کی شخصیت مغلوب نہیں، بلکہ غالب ہے، اسے اپنی زبان خصوصاً عربی پر فخر کرنا چاہئے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی اور سب سے افضل کتاب کے لئے منتخب فرمایا ہے۔ لیکن بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارا پڑھا لکھا طبقہ اللہ کے دشمنوں کی بات سے اس قدر مغلوب ہے کہ بغیر کسی ضرورت کے ان کی زبان میں بات کرتا ہے، جس کا مقصد ریاء ونمود اور فخر ومباہات کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ یہ طبقہ اپنی گفتگو کے دوران انگریزی کلمات کا استعمال اس کثرت سے کرتا ہے کہ بسا اوقات مخاطب کو اُس کا مقصد سمجھنے میں دقت پیش آتی ہے۔ ازروئے شرع ایسا کرنا یقیناً ناپسندیدہ اور مکروہ ہے۔ (۴۱۶)

۴۔ اجنبی مہینوں پر اعتماد

اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی پیدائش کے وقت سے ہی مہینوں کی تعداد بارہ رکھی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتٰبِ اللهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ......﴾ (التوبة:٣٦)

''مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ کی ہے، اس دن سے جب سے آسمان وزمین کو اس نے پیدا کیا، ان میں سے چار حرمت وادب والے ہیں، یہی مستحکم طریقہ ہے......''

اس آیت سے کئی اہم باتوں پر روشنی پڑتی ہے:

۱۔ ابتدائے آفرینش ہی سے اللہ تعالیٰ نے مہینوں کی کل تعداد بارہ رکھی ہے۔

---

(۴۱۳) بدقسمتی سے مسلمان اس بارے میں بھی غیر قوموں کی مشابہت سے باز نہ رہے، بغل کے بالوں کا نہ بنانا، ناخن بڑھانا، گندے منہ ''بیڑی'' کا اہتمام کرنا پانی اور مٹی کے بجائے استنجا کے لئے کاغذ کا استعمال کرنا، جنابت کے بعد مرد وعورت کا غسل میں تاخیر کرنا بلکہ ٹال دینا، اپنے گھروں میں امریکن طرز کے بیت الخلاء کا اہتمام کرنا وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو مسلم معاشرہ کا جزء بنتی جارہی ہیں۔ عیاذاً باللہ۔ (۴۱۴) سنن الکبریٰ للبھیقی ۹/۲۳۴۔ ومصنف عبدالرزاق: ۱٦٠٩/۱/۴۱۱۔ حضرت عطاء کا بھی یہی قول ہے، دیکھئے مصنف ابن ابی شیبة: ٦٢٣٢، ۱۱/۸۔ حضرت محمدؒ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کسی کو فارسی زبان میں بات کرتے دیکھا تو فرمایا: "مابال المجوسية بعد الحنفية" یعنی حنفیت میں آنے کے بعد مجوسیت کی پکار کیا معنی رکھتی ہے؟ مصنف ابن ابی شیبة: ٦٣٣٣، ۱۱/۹۔ (۴۱۵) اقتضاء الصراط المستقیم ١/٤٦٤، ٤٦٥۔ التشبه المنهى عنه، ص ٥٢٦۔ (۴۱٦) علامہ قصیم شیخ ابن عثیمین نے بھی اسے غیر مناسب قرار دیا ہے۔ دیکھئے فتاویٰ عصریہ، ص ۹۶۳۔ لیکن مصلحتاً امت میں کچھ ایسے افراد کا وجود ضروری ہے جو غیر مسلموں کی زبانوں کو سیکھیں تاکہ دعوت الی اللہ کا فریضہ ادا ہو سکے، اس کے علاوہ حکومتی ضرورتوں کو بھی پورا کیا جاسکے۔ (د۔ وصی اللہ کے قلم سے اضافہ)

۲۔ اور یہی ترتیب، یہی تعداد اور یہی حساب صحیح ہے۔

۳۔ ان بارہ مہینوں میں سے چار احترام والے مہینے ہیں جن میں مسلمانوں سے تو کجا کافروں سے بھی لڑائی جائز نہیں۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ فطرتِ الٰہی کے موافق جو مہینے ہیں وہ یہی اسلامی مہینے ہیں، جنہیں محرم، صفر......الخ سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہی وہ ترتیب اور یہی وہ طریقۂ حساب ہے جو ہر زمانے کی مسلم قوم اور ہر نبی کے سچے پیروؤں میں رائج تھا، لیکن اہل عرب نے اپنی خواہشات کی اتباع میں ''نسی ء'' کی بدعت ایجاد کر کے اس کی ترتیب کو خلط ملط کر دیا تھا اور اپنی جہالت کی بنیاد پر ان مہینوں کی ترتیب و تعداد میں کچھ ایسی تبدیلیاں کر دی تھیں کہ ان کی صحیح صورت بگڑ کر رہ گئی تھی، اس لئے جب اللہ تعالیٰ نے دین کی تکمیل فرمائی تو ان مہینوں کی ترتیب و تعداد کو بھی اس کی اصلی حالت میں لوٹا دیا اور اُس اُمت مرحومہ پر جب اپنی نعمت کا اتمام کیا تو اس میں ان مہینوں کی صحیح ترتیب و تعداد بھی شامل تھی۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ کَهَيْئَتِهٖ يَوْمَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ ' اَلسَّنَةُ اِثْنَا عَشَرَ شَهْرًا' مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ثَلَاثَةٌ مُتَوَالِيَاتٌ : ذُوالْقَعْدَةِ وَ ذُوالْحِجَّةِ وَمُحَرَّمٌ وَرَجَبٌ مُضَرَ الَّذِیْ بَيْنَ جُمَادَی وَ شَعْبَانَ)) (۴۱۷)

''زمانہ گھوم گھما کر اپنی اصلی حالت پر آ گیا ہے جس حالت پر اُس وقت تھا جب اللہ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق فرمائی تھی۔ سال بارہ مہینوں کا ہے جن میں چار حرمت والے ہیں، تین پے در پے ہیں، یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم، اور (چوتھا) رجب مُضر جو جمادی الآخرہ اور شعبان کے درمیان ہے۔'' (۴۱۸)

معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو انہی مہینوں کا التزام کرنا چاہئے جو شرعی طور پر ثابت ہیں اور جنہیں اسلامی مہینے کہا جاتا ہے، اور یہی مہینے مسلمانوں کے مہینے ہیں خواہ وہ جہاں کے بھی رہنے والے ہوں۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ سورۂ توبہ کی مذکورہ آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اس مسئلہ پر دلیل موجود ہے کہ مسلمانوں کے عبادات وغیرہ کے مسائل و احکام انہی عربی مہینوں سے متعلق رہیں گے نہ کہ عجمیوں، قبطیوں اور رومیوں وغیرہ کے مقرر کردہ مہینوں سے۔ (۴۱۹)

رازی فرماتے ہیں کہ اہل علم کا کہنا ہے اس آیت کی روشنی میں مسلمانون پر واجب ہے کہ اپنی خرید و فروخت، لین دین کی مدت کا تعین، زکوٰۃ کی ادائیگی اور دوسرے تمام احکام میں عربی سال کا اعتبار رکھیں، ان کے لئے رومی اور عجمی سالوں کا اعتبار جائز نہ ہوگا۔ (۴۲۰)

اسی چیز کو تقویت دینے کے لئے خلیفۂ راشد عمر رضی اللہ عنہ نے ہجری سال ایجاد کیا تاکہ کسی بھی طرح غیر قوم کی مشابہت نہ ہو سکے، نہ ہی مہینوں میں اور نہ ہی سالوں میں تاکہ دین قیّم اور مستحکم طریقے پر عمل کے ساتھ ساتھ اللہ کے دشمنوں اور شیطان کے ولیوں کی مخالفت بھی ہو سکے۔

خلاصہ یہ کہ یہاں دو مسئلے قابل لحاظ ہیں، ایک مہینوں کا عربی نام اور دوسرا عربی تاریخ کا التزام، اور یہ دونوں ہی مسلمانوں پر واجب ہیں، اور اگر کوئی خاص ضرورت نہ ہو تو اس سے اعراض جائز نہ ہوگا۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ مہینوں کا فارسی نام رکھنے کا کیا حکم ہے؟ تو آپ نے اسے سخت ناپسند فرمایا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔ (۴۲۱)

اور چونکہ بعض تاریخیں کافروں کے کسی تہوار یا مذہبی رسوم سے متعلق ہوتی ہیں اور ان کی تاریخ کا استعمال ان کی اس باطل رسم کو زندہ کرنا ہے اس لئے بھی ایسی تاریخ کا استعمال جائز نہ ہوگا، کیونکہ اس صورت میں دو قباحتیں لازم آتی ہیں، ایک تو بغیر کسی ضرورت اور مجبوری کے اسلامی تاریخ سے اعراض اور دوم یہ کہ غیر قوم کی مشابہت اور ان کے باطل مذہب کی تائید، جیسے عیسوی تاریخ وغیرہ۔

اسی طرح اسلامی مہینوں کو کسی دوسرے مہینے سے بدلنا جائز نہیں ہے، خصوصاً ایسے حالات میں جبکہ اس کے نام کے ساتھ کوئی بدعت منسلک ہو، جیسے ربیع الاوّل کو بارہ وفات کا مہینہ، شعبان کو سب براءت کا مہینہ کہنا، صفر کو تیرہ تیزی سے موسوم کرنا اور جمادی الأولیٰ کو گیارہویں کا مہینہ کہنا وغیرہ۔

---

(۴۱۷) صحیح البخاری: ٤٦٦٢ التفسیر سورة التوبة۔ وصحیح مسلم: ١٦٧٩ القسامة، باب ۹، بروایت ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ۔ (۴۱۸) رجب کے مہینے کو رجب مضر اس لئے کہا گیا کہ مضر قبیلہ رجب کا احترام دوسرے مشرکین کے مقابلے میں پابندی سے کرتا تھا۔ (نورانی)۔ (۴۱۹) احکام القرآن للقرطبی ٨/٨٥۔ (۴۲۰) التفسیر الکبیر للرازی ٨/٥٥۔ (٤٢١) الآداب الشرعیة لابن مفلح ٣/٤١٧۔

۵۔غیر عربی ناموں کا مسئلہ:

کافر قوموں کی مشابہت میں مسلمانوں کے معاشرہ میں کچھ معاشرتی برائیاں اس قدر رائج ہوگئی ہیں کہ انہیں کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا' حالانکہ از روئے شرع وہ چیزیں قطعاً ناپسندیدہ بلکہ بسا اوقات حرام اور اس سے بھی آگے بڑھ کر بعض اوقات کفر کی حد تک پہنچ جاتی ہیں۔انہی برائیوں میں غیر عربی مہینوں کا استعمال اور اپنے بچوں کا غیر عربی نام رکھنا بھی ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کی عادتِ طیبہ تھی کہ جب کسی شخص یا جگہ کا نام ناپسند ہوتا تو اسے بدل دیتے۔چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

كَانَ يُغَيِّرُ الْاِسْمَ الْقَبِيحَ اِلَى الْاِسْمِ الْحَسَنِ (۴۲۲)

آپ ﷺ بُرے نام کو اچھے نام سے بدل دیتے تھے۔''

ایک اور جگہ وارد ہے:

كَانَ اِذَا سَمِعَ اسْمًا قَبِيحًا غَيَّرَهُ فَمَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ يُقَالُ لَهَا عَفِرَةٌ فَسَمَّاهَا خَضِرَةً (۴۲۳)

''آپ ﷺ جب کوئی قبیح نام سنتے تو اسے بدل دیتے۔ایک بار آپ ﷺ کا گزر ایک گاؤں سے ہوا جس کا نام عفرہ (ذلیل جگہ) تھا تو آپ ﷺ نے اسے بدل کر اس کا نام خضرہ (باغ و بہار) رکھ دیا۔''

یہ دونوں حدیثیں اس بات کو واضح کر رہی ہیں کہ ناموں کو شرع میں بڑی اہمیت حاصل ہے اور اس کے لئے شرع میں کچھ حدود و قیود ہیں جن سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہے' انہی حدود و قیود میں سے ایک قید یہ بھی ہے کہ ((**هَدْيُنَا مخالفٌ لِهَدْيِهِمْ**)) ''ہمارا طریقہ مشرکین کے طریقہ کے خلاف ہے''۔

یعنی مسلمانوں کو اپنے بچوں' اپنے شہروں' اپنے جانوروں اور دوسری چیزوں کا نام رکھنے میں غیر قوموں کی مشابہت سے بچنا چاہئے۔لیکن بدقسمتی سے یہ قاعدہ اور اس پر عمل بھی مسلمانوں کے درمیان سے رخصت ہوگیا ہے اور ریڈیو' ٹی وی' اخبارات اور معلومات رسانی کے دوسرے ذرائع نے عالمی کھلاڑیوں اور فلمی دنیا میں کام کرنے والوں کو (جو عام طور پر کافر ہیں یا کم سے کم فاسق ضرور ہیں) اس انداز سے پیش کیا ہے کہ نوجوان ان کی تقلید پر مرمٹ رہا ہے۔لباس میں انہی کی تقلید کرتا ہے' چال ڈھال میں انہی کا نمونہ اختیار کرتا ہے' بول چال میں انہی کا انداز اپناتا ہے' حتیٰ کہ اب نام بھی انہی کے ناموں پر رکھے جانے لگے ہیں' جبکہ شرعی نقطۂ نظر سے یہ چیز قطعاً مناسب نہیں ہے۔

غیر شرعی نام یا کفار کے ناموں کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱۔ وہ نام جو کافروں کے ساتھ خاص ہیں' جیسے راجیش' جرجس' جارج' ڈیانا' لتا وغیرہ۔اس قسم کا نام رکھنا اگر صرف لاعلمی یا خواہشِ نفس کی پیروی میں اور کافر شخصیات متاثر ہوکر رکھا گیا ہے تو گناہِ کبیرہ میں داخل ہے' اور اگر یہی نام مسلمانوں کے ناموں سے اعراض کرتے ہوئے اور ان ناموں کو اسلامی نام پر ترجیح دیتے ہوئے رکھا گیا تو اسلام کے منافی امور میں داخل ہوگا۔

۲۔ وہ نام جو مسلمانوں اور غیر مسلموں میں مشترک ہیں' جیسے سلیمان' عیسیٰ' مریم وغیرہ' ایسا نام رکھنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ (۴۲۴)

اور اگر کسی ماحول میں پہلی قسم میں مذکورہ نام مسلموں اور غیر مسلموں میں مشترک ہوں اور معنی کے اعتبار سے ان میں کوئی قباحت نہ ہو تو ایسے نام رکھنے میں کوئی حرج نہیں' البتہ ان سے پرہیز بہتر ہے۔واللہ اعلم!

چند ضروری اور اہم باتیں

۱۔ بعض حالات میں مشابہت جائز ہے۔

جہاں اسلام اور مسلمانوں کو غلبہ نہ ہو اور وہاں مسلمان مغلوبیت کی زندگی بسر کر رہے ہوں اور وہاں ظاہری حالات کے اعتبار سے کافروں سے مخالفت الجھن و پریشانی

---

(۴۲۲) سنن الترمذی: ۲۸۳۹ الأدب' باب ۶۷۔الکامل فی الضعفاء ۱۷۰۲/۵۔ بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا۔ یہ الفاظ الکامل کے ہیں۔(۴۲۳) المعجم الصغیر ۱۲۶/۱ بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا' دیکھئے سلسلة الاحادیث الصحیحة: ۲۰۷' ۲۰۸ اور اس کے بعد کی حدیثیں۔(۴۲۴) تفصیل کے لئے دیکھئے شیخ بکر بن ابوزید کی کتاب تسمیة المولود' ص ۴۷۔

کا سبب بن سکتی ہو تو ایسے حالات میں ان کے لئے جائز ہے کہ ظاہری لباس وغیرہ میں ان کی مشابہت کر لیں۔ یہی حکم مسلم جاسوس کا بھی ہے جو دارالحرب میں مسلمانوں کے لئے جاسوسی کر رہا ہے۔ اس حکم میں وہ تاجر اور مسافر بھی داخل ہیں جو بلادِ کفر کے سفر پر مجبور ہیں اور عدم مشابہت ان کے لئے مصیبت و پریشانی کا باعث بن سکتی ہے۔ اسی طرح وہ لوگ جو کسی دینی مصلحت سے ان ملکوں میں جانا چاہیں اور اپنا ظاہری تشخص برقرار رکھنا ان کے لئے الجھن اور لوگوں سے نفرت کا سبب بن سکتا ہو تو اُن کے لئے کافروں سے موافقت حسب ضرورت جائز' واجب یا مستحب ہے۔[۴۲۵]

۲۔ عقائد عبادات اور عیدوں میں غیر قوموں کی مشابہت قطعاً جائز نہ ہوگی' البتہ عادات وغیرہ میں مشابہت بوقت ضرورت چند شرطوں کے ساتھ جائز ہے:

ا: یہ کام کافروں کی تقلید میں نہ کیا جائے اور نہ ہی یہ کام ان کی خصوصی پہچان ہو۔

ب: یہ کام ان کی شریعت میں داخل نہ ہو' جیسے سجدۂ تعظیمی وغیرہ۔

ج: ہماری شریعت میں کوئی واضح حکم ''ہاں'' یا ''نہیں'' میں موجود نہ ہو۔

د: ان کی مشابہت و موافقت شریعت اسلامیہ کی مخالفت کا سبب نہ بن جائے۔

ہ: یہ موافقت حسبِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت ہو۔[۴۲۶]

۳۔ عادات سے متعلق کوئی کام کافروں کا ''شعار'' تھا اور اس سے ان کی پہچان ہوتی تھی لیکن بعد میں وہ کام عام ہو گیا تو بہت سے علماء کے نزدیک اس سے متعلق مشابہت کا حکم ختم ہو جاتا ہے' جیسے ''طیالہ'' جو ایک خاص قسم کی ٹوپی ہے اور یہود کا لباس سمجھا جاتا تھا' لیکن جب عام ہو گئی تو اس کا پہننا جائز ہو گیا۔[۴۲۷]

اس طرح بعض علماء کے نزدیک عصر حاضر میں مروّج پینٹ اور شرٹ کا پہننا عورتوں کا ساڑھی اور بلاؤز کا استعمال جو اگرچہ غیر قوموں کا امتیازی لباس ہوا کرتا تھا لیکن چونکہ اس وقت بالکل عام ہے اس لئے اسی حکم میں داخل ہے' بشرطیکہ ان کے پہننے میں کوئی شرعی قباحت نہ ہو۔

۴۔ اس کے برعکس اگر کوئی لباس عام اور جائز تھا' پھر کسی خاص گمراہ جماعت یا کافروں کا شعار بن گیا تو اس کا پہننا جائز نہ ہوگا' جیسے محرم الحرام میں یا ایّامِ حداد میں کالا کپڑا پہننا وغیرہ۔ ۷۰۰ھ میں جب سلطان محمد بن قلادون رحمۃ اللہ علیہ نے یہود و نصاریٰ کے ساتھ شرائط طے کیں تو اس میں یہ شرط بھی تھی کہ انہیں ''منصب'' سے ہٹایا جائے' وہ ذلیل و خوار ہو کر جزیہ دینا قبول کریں پورے شہر میں اعلان کیا جائے' نصاریٰ نیلی پگڑیاں باندھیں' یہود پیلی پگڑی کا استعمال کریں اور سامری لال پگڑی باندھیں جس سے مسلمانوں سے انہیں ممتاز کیا جا سکے۔[۴۲۸]

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں کہ اس دن سے وہاں مسلمانوں پر نیلی' پیلی اور لال پگڑی کا استعمال ناجائز ہو گیا۔[۴۲۹]

۵۔ اگر کافر کسی کام میں مسلمانوں کی مشابہت کرنے لگیں تو ایسی صورت میں مسلمانوں کے لئے یہ مشروع نہ ہوگا کہ اپنی عادت کو ترک کر دیں اور نہ ہی اس پر مشابہت کے احکام مترتب ہوں گے۔ جیسے اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((خَالِفُوْا الْمُشْرِكِيْنَ أَحفُوْا الشَّوَارِبَ وَأَوْفِرُوا اللِّحٰى))[۴۳۰]

''مشرکین کی مخالفت کرو' مونچھوں کو پست کرو اور داڑھیاں بڑھاؤ۔''

تو اگر کسی جگہ مشرکین اپنی مونچھیں چھوٹی کرنے لگیں اور داڑھی بڑھانے لگیں تو اس میں مسلمانوں کے لئے جائز نہ ہوگا کہ اپنا شرعی حکم ان کی مشابہت کے خوف سے ترک کر دیں' بلکہ اس کی دو صورتیں ہوں گی:

پہلی صورت تو یہ کہ مسلمانوں کی حکومت ہو اور انہیں غلبہ حاصل ہو اور ان کی حکومت میں کافر ''ذمّی'' یا ''طالب امن'' کی حیثیت سے رہتے ہوں تو انہیں مسلمانوں کی مشابہت سے روک دیا جائے گا۔

چنانچہ خلیفۂ راشد امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ذمیوں کے لئے جو شرائط مقرر فرمائی تھیں جنہیں بعد کے علماء وفقہاء نے بلا اختلاف قبول کیا ہے' ان شرائط

---

(۴۲۵) اقتضاء الصراط المستقیم ۱/۴۱۸۔ (۴۲۶) السنن الآثار فی النهی عن التشبه بالكفار' ص ۵۸'۵۹۔ (۴۲۷) فتح الباری ۱۰/۲۷۵۔ مجموع فتاوی ودروس الحرم المکی ۳/۳۶۷۔ (۴۲۸) البداية والنهاية ۱۴/۱۶۔ (۴۲۹) تشبیه الحسیس [مجلة الحكمة عدد ٤]۔ (۴۳۰) متفق علیہ' یہ حدیث گزر چکی ہے۔

میں یہ تھا کہ تمام ذمی اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ ہم مسلمانوں کا احترام کریں گے' اگر وہ مجلس میں بیٹھنا چاہیں تو ہم ان کے لئے مجلس خالی کردیں گے' ٹوپی' عمامہ' جوتا اور بالوں کی مانگ یا کسی اور لباس میں ان کی مشابہت نہ کریں گے' ان کی زبان نہ بولیں گے' ان کی کنیت نہ کریں گے' سواری پر زین نہ رکھیں گے' تلوار نہ لٹکائیں گے اور کوئی ہتھیار نہ رکھیں گے' انگوٹھی پر عربی عبارت کندہ نہ کرائیں گے' شراب کی فروخت نہ کریں گے' سر کے اگلے حصّے کے بال کاٹیں گے' اپنے لباس وہیئت کی پابندی کریں گے' کمر میں زنار باندھیں گے' گرجوں اور مسلمانوں کے راستے اور بازار میں صلیب نصب نہ کریں گے' اپنی عبادت گاہوں میں بلند آواز سے گھنٹے نہ بجائیں گے۔ الیٰ آخرہ۔

اسی طرح عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بنوتغلب کے کچھ لوگ عربوں جیسے عمامے پہن کر آئے اور کہا کہ امیرالمؤمنین! ہمیں عربوں کے ساتھ ملا دیجئے۔ حضرت عمر رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ کہا بنوتغلب سے ہمارا تعلق ہے۔ حضرت عمر رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ کیا تم اشراف عرب میں سے نہیں ہو؟ انہوں نے جواب دیا ہم نصرانی ہیں۔ حضرت عمر رحمۃ اللہ علیہ نے قینچی منگا کر ان کی پیشانی کے بال کاٹ دیئے' عمامہ اتروا دیا اور ہر ایک کی چادر کو بقدر ایک بالشت کے پھاڑ دیا اور فرمایا کہ زین پر سواری نہ کرو بلکہ پالان استعمال کرو اور سواری پر دونوں پاؤں ایک طرف کر کے بیٹھو۔ (۴۳۱)

(۴۳۱) دیکھئے اقتضاء الصراط المستقیم' ۱/ ۳۲۰' ۳۲۳ اور اس کی ترجمہ وتلخیص' ص ۸۰' ۸۱۔

چھٹی بحث

کافروں کو اپنا ہم راز بنانا

اللہ تعالیٰ کا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ کافر حقیقی مسلمان کا کبھی خیر خواہ نہیں ہوسکتا' بلکہ وہ ہر وقت اس تلاش میں رہتا ہے کہ کب مسلمان پر اس کا بس چلے کہ اس کے خلاف وہ اپنی بھڑاس نکالے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿كَيْفَ وَ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّ لَا ذِمَّةً ؕ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ تَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَ اَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ (التوبة:۸)

''ان کے وعدوں کا کیا اعتبار' ان کا اگر تم پر غلبہ ہوجائے تو نہ یہ قرابت داری کا خیال کریں گے نہ عہد و پیمان کا' اپنی زبانوں سے تمہیں پرچا رہے ہیں' لیکن ان کے دل نہیں مانتے' ان میں سے اکثر فاسق ہیں۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۖۚ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ، هٰۤاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَ لَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَ اِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۖۚ وَ اِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ؕ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ، اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۫ وَ اِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ﴾

''اے ایمان والو! تم اپنا ولی و دوست اور راز دار ایمان والوں کے سوا کسی اور کو نہ بناؤ (تم تو نہیں دیکھتے دوسرے لوگ تو) تمہاری تباہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے' وہ تو چاہتے ہیں کہ تم دکھ میں پڑو' اُن کی عداوت تو خود اُن کی زبان سے بھی ظاہر ہوچکی ہے اور جو اُن کے سینوں میں پوشیدہ ہے وہ بہت زیادہ ہے۔ ہم نے تمہارے لئے آیات بیان کردیں' اگر تم عقل مند ہو (تو غور کرو)۔ ہاں تم تو انہیں چاہتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں رکھتے' تم پوری کتاب کو مانتے ہو (وہ نہیں مانتے' پھر محبت کیسی؟) یہ تمہارے سامنے تو اپنے ایمان کا اقرار کرتے ہیں' لیکن تنہائی میں مارے غصے کے انگلیاں چباتے ہیں۔ کہہ دو کہ اپنے غصے ہی مر جاؤ' اللہ دلوں کے راز بخوبی جانتا ہے۔ تمہیں اگر بھلائی ملے تو یہ ناخوش ہوتے ہیں' ہاں اگر برائی پہنچے تو خوش ہوجاتے ہیں' اگر تم صبر کرو اور پرہیز گاری اختیار کرو تو اُن کا مکر تمہیں کچھ نقصان نہ دے گا' اللہ تعالیٰ نے اُن کے اعمال کا احاطہ کر رکھا ہے۔'' (آل عمران:۱۱۸-۱۲۰)

ان آیات پر اگر ایک سرسری نظر ڈال لی جائے تو درجِ ذیل فائدے حاصل ہوتے ہیں:

۱۔ مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ کافروں اور منافقوں کو اپنا مشیر اور ہم راز بنائیں' خاص طور پر ان معاملات میں جو مسلمانوں کے کلیدی امور سے متعلق ہیں' جیسے فوج کا معاملہ' ہتھیاروں کا معاملہ' ملک کی اہم وزارتوں کا معاملہ' دستور ساز اور پالیسی ساز اداروں کا معاملہ۔

۲۔ کافروں کی نفسیات ہر زمانے میں ایک ہی رہی ہے' وہ یہ کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے کوئی موقع ضائع نہیں کرتے۔

۳۔ کافر جب کمزور ہوتے ہیں تو اپنی محبت اور وفا کا اظہار کرکے اپنی خدمات پیش کرتے ہیں' لیکن جب کوئی ایسا موقع آجاتا ہے جس میں وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں تو اسے فروگذاشت نہیں کرتے۔ اسی چیز کو سورۃ الممتحنہ میں اللہ تعالیٰ نے اس طرح واضح فرمایا ہے:

﴿اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّ يَبْسُطُوْۤا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ﴾ (الممتحنة:۲)

''اگر وہ تم پر کہیں قابو پا جائیں تو تمہارے کھلے دشمن ہوجائیں اور برائی کے ساتھ تم پر دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں اور دل سے چاہنے لگیں کہ تم بھی کفر کرنے لگ جاؤ۔''

۴۔ اگر کافر اور منافق اپنی زبان سے فدائیت و وفاداری کا اظہار کریں اور منافقین مسلمانوں کے ساتھ نماز جیسے ظاہری امور میں شریک بھی ہوں تو بھی مسلمانوں کو ان

سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے بلکہ اپنی مؤمنانہ فراست کے ساتھ معاملات کو سنبھالنا چاہئے۔

۵۔مسلمانوں کی کامیابی پر رنجیدہ ہونا اور مسلمانوں کی مصیبت میں خوش ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ دل میں ایمان نہیں' بلکہ نفاق ٹپک رہا ہے۔

۶۔یہ ایسی علامت ہے جس کا اظہار ان کے اندازِ گفتگو اور ظاہری حالات سے بھی ہو جاتا ہے۔از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ﴾

''عداوت خود اُن کی زبان سے ٹپک رہی ہے اور جو کچھ ان کے سینوں میں پوشیدہ ہے وہ بہت زیادہ ہے۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿وَ لَوْ نَشَآءُ لَاَرَیْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِیْمٰهُمْ ؕ وَ لَتَعْرِفَنَّهُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ﴾ (محمد:۳۰)

''اور اگر ہم چاہتے تو ان سب کو تمہیں دکھا دیتے' پس تم انہیں ان کے چہرے سے ہی پہچان لیتے' اور یقیناً تم انہیں ان کے لہجے اور اندازِ گفتگو سے پہچان لو گے' تمہارے سب کام اللہ کو معلوم ہیں۔''

۷۔کافروں اور منافقوں کے مکر سے بچنا ضروری ہے جس کے لئے ان آیات میں دو طریقے بیان ہوئے ہیں:

ا : صبر و استقامت' اور ان سے خوف کھانے کے بجائے اللہ پر توکّل۔

ب : تقویٰ اور پرہیزگاری کو لازم پکڑنا۔یہی چیز مسلمانوں کی ترقی اور کامیابی کی ضامن ہے۔(۴۳۲)

ان آیات اور اس قسم کی دوسری آیات کی روشنی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ نے غیر مسلموں کو مملکتِ اسلامیہ میں اہم مناصب پر فائز کرنا حرام قرار دیا ہے اور اس کی سختی سے مخالفت کی ہے۔چنانچہ خلیفہ ملہم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خط میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو یوں مخاطب کیا:

مسلمانوں کے کسی معاملے میں مشرک سے مدد نہ لینا اور مسلمانوں کا کام خود اپنے ہاتھوں سے نپٹانے کی کوشش کرنا' کیونکہ تم انہی میں سے ایک ہو' فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر ان کی ذمہ داری ڈل دی ہے۔'' (۴۳۳)

ایک بار حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ خدمتِ فاروقی میں حاضر ہوئے' ان کے ساتھ ان کا کاتب یعنی چٹھی نویس بھی تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اپنے کاتب سے کہو کہ یہ دستاویز پڑھ کر سنائے' حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ نصرانی ہے' مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا۔اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں سخت سست کہا اور فرمایا کہ تم انہیں عزت نہ دو جبکہ اللہ نے انہیں ذلیل کیا ہے' انہیں قریب نہ کرو جبکہ اللہ نے انہیں دھتکارا ہے اور انہیں امین و ہم راز نہ بناؤ جبکہ اللہ نے انہیں خائن قرار دیا ہے۔(۴۳۴)

اس روایت کے بعض الفاظ اس طرح ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ میرے یہاں ایک نصرانی کاتب ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا:

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤی اَوْلِیَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ﴾ (المائدة:۵۱)

''اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو ولی و دوست نہ بناؤ' وہ تو آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔''

تم نے کسی حنفی (توحید پرست مسلمان) کو یہ ذمّہ داری کیوں نہ سونپی؟ تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا اے امیر المؤمنین! مجھے اس کی کتابت سے سروکار ہے اور وہ اپنے دین کا مالک ہے۔آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں ان کی تعظیم نہیں کر سکتا جبکہ اللہ نے انہیں اس قابل نہیں سمجھا' میں انہیں عزت نہیں دے سکتا جبکہ اللہ نے انہیں ذلیل کیا ہے اور میں انہیں قریب نہیں کر سکتا جبکہ اللہ نے انہیں دُور کیا ہے۔(۴۳۵)

---

(۴۳۲)امام طبری رحمہ اللہ ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تقویٰ کی بنیاد یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کی حدود کو پامال نہ کرے' انہی اوامر و نواہی میں یہ بھی داخل ہے کہ کافروں اور منافقوں کو اپنا دوست اور ہم راز نہ بنایا جائے۔تفسیر الطبری۔ (۴۳۳)احکام اهل الذمة ۱/۲۱۲۔(٤٣٤)السنن الكبرىٰ للبيهقى ۱۰/۱۲۷۔تفسير ابن ابى حاتم [تفسير ابن كثير ۲/۶۸](٤٣٥)احكام اهل الذمة ۱/۲۱۰'۲۱۱۔اقتضاء الصراط المستقيم ۱/۱۶۴'۱۶۵۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ نے اس اثر کو صحیح سند سے روایت کیا ہے ⇦

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک گورنر کو لکھا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے تم نے اپنا سکریٹری کسی نصرانی کو بنا رکھا ہے جو مسلمانوں کے معاملات کی دیکھ بھال کر رہا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (المائدة :٥٧)

''مسلمانو! ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جو تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنائے ہوئے ہیں خواہ وہ ان میں سے ہوں جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے یا کفار ہوں، اگر تم مؤمن ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو۔''

اس لئے جب میرا یہ خط تمہیں پہنچے تو حسان بن زید (یعنی اس غیر مسلم کاتب کو) اسلام کی دعوت دو، اگر وہ اسلام قبول کر لے تو وہ ہم میں سے ہے اور ہم اس میں سے ہیں، اور اگر وہ انکار کر دے تو اس سے کام نہ لو اور کسی بھی غیر مسلم کو مسلمانوں کے کسی کام پر نہ لگاؤ۔ مذکورہ حسان نے اسلام قبول کیا اور اس کا اسلام اچھا رہا۔ (٤٣٦)

اسی طرح عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصور کے زمانے میں جب بعض جگہ کافروں کو عہدہ دیا گیا اور یہ خبر مشہور خطیب شبیب بن شیبہ التمیمی کو ملی تو ابوجعفر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس امر پر ان کا سختی سے محاسبہ کیا اور بالآخر یہ فرمان لے کر نکلے کہ ہر ایسے عہدے دار کو برخاست کر دیا جائے جو غیر مسلم ہو۔ (٤٣٧)

متعدد واقعات نقل کرنے کے بعد امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہی طریقہ ان خلفاء کا رہا جن کا ذکر خیر اُمت میں چلا آ رہا ہے۔ جیسے عمر بن عبدالعزیز، المنصور، الرشید، مہدی، مامون، متوکل، اور المقتدر وغیرہ رحمہم اللہ۔ (٤٣٨)

صحابہ، خلفاء اور علماء کے اس عمل سے واضح ہوتا ہے کہ غیر مسلم کو کسی کلیدی اور اہم منصب پر فائز کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ انہیں کوئی ایسا منصب دینا جس سے مسلمانوں میں ان کی حکمرانی ظاہر ہو قضیہ ''ولاء و براء'' کے سراسر خلاف ہے۔ وہ غیر مسلم خواہ یہود و نصاریٰ ہوں یا ہندو اور قادیانی، ہر ایک کا یہی حکم ہے۔ عصر حاضر کے رافضہ شیعہ بھی اسی حکم میں داخل ہیں۔ جن حکومتوں نے قرآنِ کریم کے اس صریح حکم کی نافرمانی کی ہے انہیں لامحالہ برے دن دیکھنے پڑے ہیں، خواہ وہ حکومتیں ماضی قریب کی ہوں یا

⇐ لیکن مسند احمد میں یہ حدیث مجھے نہیں مل سکی۔ ہوسکتا ہے امام موصوف کی کسی اور کتاب میں یہ مروی ہو۔ واللہ اعلم!۔ (٤٣٦) احکام اھل الذمۃ ١/ ٢١٤۔ (٤٣٧) پورا قصہ دیکھئے: احکام اھل الذمۃ ١/ ٢١٥۔ (٤٣٨) احکام اھل الذمۃ ١/ ٢١٤۔ اور جب بھی ایسا ہوا کہ کافروں کو مسلمانوں کی حکومت میں اہم مناصب عطا کئے گئے تو ہر زمانے کے علماء نے حکام کا سختی سے محاسبہ کیا۔ درج ذیل واقعے کا ذکر دلچسپی اور فائدے سے خالی نہیں ہے۔ ''سلطان محمد بن قلادون نے اپنے عہد حکومت میں بعض قبطیوں کو اہم مناصب دیئے تھے، جیسے ناظر النظار [وزیر اعظم] اور ناظر الخاص [مشیر خاص] وغیرہ۔ ٧١٢ھ میں ایک بار ایسا ہوا کہ قبطیوں نے اپنی کسی عید کے موقع پر اپنے عہدوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جامع مسجد عمرو بن عاص کی بعض قندیلوں کو عاریۃً لے کر اپنے کنیسہ پر لٹکا لیا۔ اس وقت کے مشہور و مناظر شیخ علی بن یعقوب البکری کو جب یہ معلوم ہوا تو اپنے کچھ ساتھیوں کو لے کر کنیسہ میں گھس گئے اور خوب توڑ پھوڑ مچائی۔ پھر جامع مسجد عمرو بن عاص میں آ کر اس کے ذمہ داروں کو برا بھلا کہا اور مسجد کے امام و خطیب کو دل کھول کر کوسا۔ فوج کے سپہ سالار کو جب معلوم ہوا تو فوراً حاضر خدمت ہوا۔ شیخ بکری نے اس کے سامنے ناظر النظار اور ناظرِ خاص کو خوب برا بھلا کہا اور یہ کہنے لگے کہ یہ سب کچھ ان دونوں کی مرضی سے ہوا۔ جب سلطان کو اس کی خبر ہوئی تو تمام قاضیوں کو جمع ہونے کا حکم دیا اور شیخ بکری کو بھی بلایا۔ شیخ بکری نے سلطان کے سامنے ایک پر جوش اور مدلل تقریر کی، یہاں تک کہ سلطان کو مخاطب ہو کر کہہ گئے: افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر یعنی ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہہ دینا افضل جہاد ہے۔ [سنن ابن ماجه: ٤٠١١ الفتن، باب ٢٠، بروایت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ۔ دیکھئے الصحیحة: ٤٩١] اس پر سلطان سخت غضب ناک ہوا اور کہا: میں ظالم ہوں؟ شیخ بکری نے جواب دیا: ہاں! آپ ظالم ہیں، آپ نے قبطیوں کو مسلمانوں پر مسلط کر رکھا ہے اور ان کے دین کو مضبوط کیا ہے۔ اس پر سلطان آگ بگولہ ہو گیا اور تلوار کھینچ کر شیخ بکری پر حملہ کرنا چاہا لیکن امیر طفائی نے بڑھ کر سلطان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ سلطان علی بن مخلوف رئیس القضاۃ کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا کہ اے قاضی اس نے میرے ساتھ بے ادبی کی ہے اس کی سزا کیا ہے؟ قاضی ابن مخلوف نے جواب دیا کہ اس نے کوئی ایسی بات نہیں کہی کہ جس سے وہ سزا کا مستحق ٹھہرے۔ یہ سن کر سلطان سے نہ رہا گیا اور شیخ بکری کو اپنے دربار سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔ الدرر الکامنہ ٣/ ١٤٠۔ اس قصے میں زیر بحث مسئلے سے زیادہ باعث عبرت یہ ہے کہ بعد کے بادشاہ قرونِ اولیٰ کے بادشاہوں سے کس قدر مختلف تھے کہ جب یہی بات المہدی کے سامنے کہی گئی تھی تو اس نے فوراً اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور اصلاح کا فرمان جاری کر دیا، جبکہ سلطان محمد بن قلادون اپنی تمام خوبیوں کے باوجود اپنے ناصح کے درپے ہوا۔ سچ کہا حالیؔ نے ؎

سعادت بڑی اُس زمانے کی یہ تھی
کہ جھک جاتی گردن نصیحت پہ سب کی!

عصرِ حاضر کی۔تاریخ وسیر سے دلچسپی رکھنے والے حضرات اس قسم کے نتائج سے اچھی طرح واقف ہیں۔

البتہ کسی کافر کو بعض انفرادی کاموں پر لگانا جائز ہے۔جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے سفرِ ہجرت میں عبداللہ بن اریقط اور بعض غزوات میں بدیل بن ورقاء سے خدمات لیں، حالانکہ اُس وقت تک وہ ایمان نہیں لائے تھے۔چنانچہ ابن بطال شرح بخاری میں فرماتے ہیں کہ عام طور پر فقہاء کافر کو بطورِ ملازم اجرت پر رکھنے کی اجازت دیتے ہیں۔(۴۳۹) لیکن بعض انفرادی کام ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں کسی کافر یا مشرک سے کام لینا قطعاً مناسب نہیں ہوتا' بلکہ ایسا کرنا عقیدۂ ولاء وبراء کے سخت خلاف ہوتا ہے' جیسا کہ گھر کی خدمت یا ڈرائیوری وغیرہ۔ایسے کاموں کا تعلق گھر کے افراد سے بلاواسطہ ہوتا ہے اور ملازم کا اٹھنا بیٹھنا گھر والوں کے ساتھ رہتا ہے' اس طرح کافروں سے تعلقات کی وجہ سے ایسی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں کہ ان کا سدباب مشکل ہو جاتا ہے۔(۴۴۰)

<u>سوال:</u> اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کوئی مسلمان کسی کافر کے یہاں مزدوری یا نوکری کر سکتا ہے؟

<u>جواب:</u> علماء نے کافر کے یہاں کام کرنے کی دو نوعیتیں بیان کی ہیں:

۱۔نوکری کرنا: یعنی کسی کافر کے یہاں خادم' ڈرائیور وغیرہ کی حیثیت سے کام کرنا۔کسی مسلمان کے لئے کسی کافر کے یہاں جائز نہ ہوگا' کیونکہ اس طرح سے مؤمن اپنے آپ کو لازماً ذلیل کرے گا' اور یہ جائز نہیں ہے کہ مسلمان اپنے آپ کو کسی کافر کے مقابلے میں رسوا کرے۔امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے۔(۴۴۱)

مشہور شارح بخاری حضرت مہلب فرماتے ہیں کہ اہلِ علم نے مسلمانوں کے لئے کافروں کی ذاتی نوکری کو ناپسند کیا ہے کہ مسلمان ارضِ حرب میں اپنے آپ کو کسی کافر کی مزدوری میں دے۔الاّ یہ کہ اگر اشد ضرورت درپیش ہو تو دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے۔ایک تو یہ کہ وہ عمل فی نفسہٖ مسلمان کے لئے جائز ہو اور دوم یہ کہ اس کام سے کسی مسلمان کا نقصان نہ ہوتا ہو۔(۴۴۲)

۲۔مزدوری کرنا: اگر کوئی مسلمان کسی قسم کا صنعت وحرفت کا پیشہ جانتا ہو' جیسے لوہار' بڑھئی' معمار وغیرہ' جن لوگوں کا کام صرف یہ ہوتا ہے کہ کسی ضرورت مند سے کوئی کام لے کر اسے پورا کر دیں' یا محدود وقت کے لئے ان سے کسی کام پر معاہدہ کر لیں' یا صاحب پیشہ کسی دکان پر بیٹھتا ہو اور کافر و مشرک اس کے پاس کوئی چیز بنوانے آتے ہوں' جیسے درزی' رفوگر اور گھڑی ساز وغیرہ' تو ایسا کرنا جائز ہے' لیکن علماء نے اس کام پر بھی دو شرطیں لگائی ہیں:

ا : اس کام سے مسلمانوں کا نقصان نہ ہوتا ہو۔

ب : وہ کام فی نفسہٖ مسلمانوں کے لئے جائز ہو۔(۴۴۳)

اس بات کی دلیل صحیح بخاری کی درج ذیل حدیث ہے:

حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک لوہار تھا' ہم نے عاص بن وائل کے لئے کچھ چیزیں بنائیں' جب اس کے پاس میری خاصی مزدوری جمع ہو گئی تو میں نے اس کا تقاضا کیا' اس نے کہا قسم بخدا! میں اُس وقت تک تمہاری مزدوری نہ دوں گا جب تک تم محمد (ﷺ) کے ساتھ کفر نہ کرو' میں نے کہا کہ واللہ! ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ تو مر جائے' پھر زندہ کیا جائے تو بھی ایسا نہیں ہو سکتا۔وہ کہنے لگا کہ کیا میں مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا جاؤں گا؟ میں نے کہا: ہاں (ایسا ضرور ہوگا) تو وہ کہنے لگا: اچھا وہاں بھی میرے مال واولاد ہوں گے اور میں تیرا قرض ادا کر دوں گا۔اس پر آیت نازل ہوئی:

﴿ اَفَرَءَیْتَ الَّذِیْ کَفَرَ بِاٰیٰتِنَا وَ قَالَ لَاُوْتَیَنَّ مَالًا وَّ وَلَدًا، اَطَّلَعَ الْغَیْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَھْدًا ﴾ (مریم:۷۷-۷۸)

''بھلا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا جو ہماری آیات کا منکر ہے اور کہتا ہے ہے مجھے مال واولاد ضرور ور دیا جائے گا؟ کیا اسے غیب کا پتہ چل گیا ہے یا اس نے

---

(۴۳۹) فتح الباری ٤٤٢/٤۔ (۴۴۰) الارشاد الی صحیح الاعتقاد للشیخ صالح الفوزان 'ص ٣١١۔ (۴۴۱) المغنی لابن قدامة ١٣٥/٨۔ (۴۴۲) فتح الباری ٤٥٢/٤۔ **اس موضوع پر درج ذیل حدیث سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے:** ((لاینبغی لمومن ان یذل نفسه)) ''**کسی مسلمان کے لئے یہ مناسب نہیں کہ اپنے آپ کو ذلیل کرے**'' [سنن الترمذی: ٢٢٥٤ الفتن' باب ٦٧۔ وسنن ابن ماجه: ٤٠١٦' باب ٢١ **بروایت حذیفہ** رضی اللہ عنہ]۔ (۴۴۳) فتح الباری ٤٥٢/٤۔ ارشاد الساری ١٣٦/٤۔ المغنی ١٣٥/٨۔ الفقه علی مذاهب الأربعة ١٢٥/٣۔

اللہ سے عہد لے رکھا ہے؟''(۴۴۴)

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ابن المنیر نے کہا کہ تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ کاریگروں اور پیشہ وروں کے لئے اپنی دکانوں میں اہل ذمہ کا کام کرنا جائز ہے' ایسا کرنا اپنے آپ کو ذلیل کرنا نہیں ہے' برخلاف اس کے کہ ان کے گھروں میں ان کا تابع فرمان ہو کر ان کی خدمت کرنا (اپنے آپ کو ذلیل کرنا ہے اس لئے جائز نہ ہوگا)(۴۴۵)

یہاں تک پہنچ کر اب قلم کو روکتے ہیں۔ امید ہے کہ اہلِ علم حضرات اپنی رائے دینے میں بخل سے کام نہ لیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ میری اس حقیر کوشش کو قبول فرمائے اور اسے میرے والدین کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے!

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ بِنِعْمَتِهِ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ ، وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلَّمَ

ابوکلیم مقصود الحسن الفیضی

جمعیة الغاط الخیریة۔ سعودی عرب

---

(۴۴۴) صحیح البکاری: ۲۰۹۱ البیوع' باب ۲۹۔ اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الأجارة' باب ۱۵ نقل کیا ہے اور اس کا باب باندھا ہے: کیا کوئی شخص دار الحرب میں مشرک کی مزدوری کر سکتا ہے؟ دیکھئے صحیح البخاری مع فتح الباری ۴/۴۵۲۔ (۴۴۵) فتح الباری ۴/۴۵۲